بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلاصۃ تفسیر القرآن

جلد ۱۰

الجہاد الاسلامیہ

استاذ التفسیر مفتی حمید الرحمٰن عباسی مدظلہ

مدرسہ قاسم العلوم

شیرانوالہ دروازہ لاہور

مکتبۃ الحسن

33 - حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَقَاتِلُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ الَّذِینَ یُقَاتِلُونَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ○ (القرآن)

خلاصہ تفسیر القرآن

الجہاد الاسلامیہ

جلد عاشر

تالیف

استاذ تفسیر حمید الرحمٰن عباسی

مدرسہ قاسم العلوم انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

پبلشرز، بک سیلرز
مکتبۃ الحسن
33 - حق سٹریٹ
اردو بازار لاہور

خلاصہ تفسیر کی دیگر مطبوعہ جلدیں

جلد اول عقیدہ توحید باری تعالی : اس جلد میں صرف عقیدہ توحید پر حث کی گئی ہے اور اس کو عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

جلد دوم : اللہ تعالی کی بندگی کا پہلا شعبہ نماز۔ یہ جلد صرف نماز کے مسائل پر مشتمل ہے۔ پہلے ایک عنوان قائم کیا گیا ہے پھر اس کے متعلق جتنی آیات قرآنی ہیں وہ نقل کی ہیں ساتھ ساتھ ترجمہ اور مختصر اور سرسری تفسیر نقل کی ہے۔ پھر اس کے متعلق جو احادیث ملی ہیں وہ نقل کی ہیں اور ترجمہ بھی نقل کیا اور تشریح بھی لکھ دی ہے اور ساتھ یہ بھی لکھدیا ہے کہ اس کا ماخذ فلاں آیات ہے یا آیت کا فلاں جملہ ہے۔ ماشاء اللہ یہ لاجواب تفسیر ہے۔

جلد سوم : اللہ تعالی کی بندگی دوسرا شعبہ روزہ۔ اس کا طریقہ کار وہی ہے جو جلد دوم کا ہے اس میں روزے کے متعلق تمام مسائل آگئے ہیں اور اس میں روزے کی اہمیت بھی واضح ہو گئی ہے۔

جلد چہارم اللہ تعالی کی بندگی کا تیسرا شعبہ حج بیت اللہ۔ اس کا طریقہ کار بھی سابقہ جلدوں جیسا ہی ہے اور اس میں مسلمانوں کی اس عالمی کانگرنس کی عظمت اور اللہ تعالی کی بندگی کا اعلی ترین نمونہ ہونے کی حیثیت بیان کی گئی ہے کہ حج بیت اللہ کا مقصد پتھروں کی پوجا کرنا نہیں بلکہ اسلامی شوکت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

جلد پنجم حقوق نسواں۔ اس کا طریقہ کار سابقہ جیسا ہی ہے اور قرآن و حدیث میں عورتوں کے جو حقوق ہیں وہ تفصیلاً اس میں آگئے ہیں اور اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو جو اعلی حقوق دیئے ہیں وہ دنیا کے کسی نظام میں نہیں ہیں۔

بقیہ: ٹائٹل کا تیسرا صفحہ

جلد ششم و ہفتم : یہ دونوں جلدیں اسلامی طرز معیشت پر مشتمل ہیں۔ ان کا طریقہ کار پہلی جلدوں جیسا ہے۔ ان میں اسلامی طرز معیشیت اپنانے کی دنیاوی اور اخروی برکات بھی نقل کی گئی ہیں اور ان میں یہ بتادیا گیا ہے کہ دنیا سے اقتصادی بحران حل کرنے کا ذریعہ صرف اسلامی معیشت ہے۔

جلد ہفتم۔ اللہ تعالی کا نظام عدل۔ سابقہ طریقہ کے مطابق اس جلد میں اللہ تعالی کے نظام عدل کو تفسیر بیان کیا گیا اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عملی نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں اور عدل وانصاف کی دنیاوی اور اخروی برکات بھی ذکر کردی گئی ہیں اور اس میں یہ بتادیا گیا ہے کہ دنیا میں عدل وانصاف کا علمبردار صرف اسلام ہے باقی نظام سب ظالمانہ ہیں۔

قرآنی خاندانی نظام اور مغربی تہذیب کی تباہ کاریاں۔ اس کو تفسیر کا نام نہیں دیا لیکن یہ تفسیر ہی ہے کیونکہ اس کا طریق سابقہ جلدوں جیسا ہی ہے۔ اس میں یہ بتادیا گیا ہے کہ مغربی تہذیب اپنانے سے معاشرہ میں بے اور دشمنی پھیلتی ہے جیسا کہ مغربی ممالک والے چونکہ اسی بدکاری اور بے حیائی کی پیداوار ہیں، اس لئے وہ باقی اقوام کو لڑا رہے ہیں اور قرآنی خاندانی کو اپنانے سے معاشرہ میں اخوت اور محبت پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ جو خلاصہ تفسیر لکھی گئی ہے بحمدہ تعالی اپنی نوعیت کی مثال آپ ہے۔ معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی اس کو پڑھ کر سمجھ سکتا ہے۔ اور ابھی اس کی تالیف کا سلسلہ شروع ہے کیونکہ بہت سے مضامین باقی ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ اور قارئین سے بھی دعا کی درخواست ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَقَاتِلُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ الَّذِینَ یُقَاتِلُونَکُم وَلَا تَعتَدُوا○ (القرآن)

خلاصہ تفسیر القرآن

الجہاد الاسلامیہ

جلد عاشر

تالیف

استاذ تفسیر حمید الرحمٰن عباسی

مدرسہ قاسم العلوم انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

پبلشرز، بک سیلرز
مکتبۃ الحسن
33 - حق سٹریٹ
اردو بازار لاہور

297.16
خ 75 ح
۹۲۱۱۳

جملہ حقوق محفوظ

جلد ۱۰

اشاعت : دسمبر
نام کتاب : خلاصہ تفسیر جلد عاشر الجہاد الاسلامیہ
مولف : استاد تفسیر حمید الرحمٰن عباسی
مدرسہ قاسم العلوم، شیرانوالہ لاہور
تعداد : گیارہ سو
طباعت :

مکتبۃ الحسن

پبلشرز، بک سیلرز
33 - حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور
042-7241355,042-7018002,0300-4339699

فہرست مضامین

۰۵-۱۲-۲۰۱۰

P.D.F

صفحہ	مضامین
۵۲۷	صحابہ کرامؓ کے متعلق عام مسلمانوں کے لئے ایک سبق
۵۳۰	مرشد و مربی کی خاص صفات
۵۳۴	پہلا مسئلہ لفظ امر اور شوریٰ کی تحقیق
۵۳۵	دوسرا مسئلہ مشورہ کی شرعی حیثیت
۵۳۸	تیسرا مسئلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کا درجہ
۵۴۰	چوتھا مسئلہ حکومت اسلامی میں مشورہ کا درجہ کیا ہے
۵۴۴	پانچواں مسئلہ مشورہ میں اختلاف رائے ہو جائے تو فیصلہ کی کیا صورت ہوگی
۵۴۶	ایک اشکال اور اس کا جواب
۵۴۶	چھٹا مسئلہ ہر کام میں مکمل تدبیر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا
۵۵۱	مال غنیمت میں چوری گناہ عظیم ہے کسی نبی سے ایسے گناہ کا احتمال نہیں
۵۵۳	اموال اوقاف اور سرکاری خزانہ میں چوری بحکم غلول ہے
۵۵۳	رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود پوری انسانیت پر سب سے بڑا احسان ہے
۵۵۶	واقعہ احد میں مسلمانوں کو عارضی شکست اور زخم وقتل کے مصائب پیش آنے کے بعد اسباب اور حکمتیں
۵۵۷	اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے خاص فضائل اور درجات

مضامین	صفحہ
بدر صغری میں مسلمانوں کو اللہ پر بھروسہ کرنے کے باعث کامیابی نصیب ہوئی تھی	۵۵۹
ربطِ آیات اور شان نزول	۵۶۰
کسی کام کے لئے صرف جدوجہد اور جاں نثاری کافی نہیں جب تک اخلاص نہ ہو	۵۶۳
حکم رسولؐ درحقیقت حکم خدا ہے	۵۶۳
احسان کی تعریف	۵۶۴
تقویٰ کی تعریف	۵۶۴
خوف خدا سے مراد کیا ہے	۵۶۸
کفار کی دینوی عیش و عشرت بھی درحقیقت عذاب ہی کی تکمیل ہے	۵۷۰
مومن و منافق میں امتیاز وحی کے بجائے عملی طور پر کرنے کی حکمت	۵۷۱
امور غیب پر کسی کو مطلع کر دیا جائے تو وہ علم غیب نہیں	۵۷۲
ہدایت اول	۵۷۴
ہدایت دوم	۵۷۵
ہدایت سوم	۵۷۵
ہدایت چہارم	۵۷۸
ہدایت پنجم	۵۸۱
ہدایت ششم	۵۸۲
ہدایت ہفتم	۵۸۲
ہدایت ہشتم	۵۸۴
ہدایت نہم	۵۸۵
ہدایت دہم	۵۸۵

صفحہ	مضامین
۵۸۸	ہدایت یازدہم تحقیقاتی کمیٹی کی تصدیق کے سوا کوئی خبر شائع نہ کی جائے
۵۸۸	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم جہاد
۵۸۹	ہدایت دوازدہم جمعیت غزاۃ کو بڑھانے کی سعی کی جائے
۵۸۹	ہدایت سیزازدہم
۵۹۰	ہدایت چہاردہم ذووجھین کفار سے بھی جہاد کرنا ہے
۵۹۴	ہدایت پانزدہم معاہد کفار کا قتل ناجائز ہے
۵۹۵	غیر مسلموں کے ساتھ معاہدہ کی اجازت ہے بشرطیکہ پیش کش ان کی طرف سے ہو اگر وہ خلاف ورزی کریں تو پھر اعلانیہ معاہدہ توڑ دینا چاہئے
۵۹۶	یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کو عہد شکنی کی سزا اور اسلامی حکومت کی ابتدا
۵۹۸	سورہ حشر کی خصوصیت اور قبیلہ بنو نضیر کی تاریخ
۶۰۱	ایک عبرت
۶۰۱	عمرو بن امیہ ضمری کا واقعہ
۶۰۲	بنو نضیر کو جلاوطن کرنے کے وقت اسلام اور مسلمانوں کی رواداری۔ موجودہ اہل سیاست کے لئے سبق آموز معاملہ
۶۰۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم درحقیقت اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے منکرین حدیث کے لئے تنبیہ
۶۰۶	اجتہادی اختلاف کی دونوں جانبوں میں کسی کو گناہ نہیں کہہ سکتے
۶۰۷	اسلامی حکومت کے اسباب بقا۔ مال فے کی منصفانہ تقسیم

مضامین	صفحہ
اکتناز دولت پر اسلامی قوانین کی ضرب کاری	۶۱۳
حکم رسولؐ مثل حکم قرآن کے واجب التعمیل ہے	۶۱۶
اموال صدقات میں صلحاء اور دینی خدمات انجام دینے والے حاجت مندوں کو مقدم کیا جاتا ہے	۶۱۷
فضائل مہاجرین	۶۱۸
مسلمانوں کے اموال پر کفار کے قبضہ کا حکم	۶۱۹
فضائل انصار	۶۲۰
مدینہ طیبہ کی ایک خاص فضیلت	۶۲۰
اموال بنو نضیر کی تقسیم کا واقعہ	۶۲۲
حضرات صحابہ خصوصا انصارؓ کے ایثار کے چند واقعات	۶۲۴
ایک شبہ کا جواب	۶۲۸
حضرات مہاجرین کی طرف سے ایثار انصار کی مکافات	۶۲۹
کینہ اور حسد سے پاک ہونا جنتی ہونے کی علامت ہے	۶۳۱
مہاجرین وانصار کے بعد عام امت کے مسلمان	۶۳۳
امت کے حق پر ہونے کی پہچان صحابہ کرام کی محبت وعظمت ہے	۶۳۳
جو مال کفار سے بغیر جنگ ہاتھ آئے اس کی تقسیم احادیث کی روشنی میں	۶۳۵
فناء سلطنت کے اسباب	۶۴۲
بنو قینقاع کی جلاوطنی	۶۴۴
مندرجہ ذیل طاقتوں والے اللہ سے تعلق رکھنے والا ہی کامیاب ہوگا	۶۴۷
سورہ حشر کی آخری آیات کے فوائد وبرکات	۶۵۵

مضامین	صفحہ
غزوہ احزاب یہودیوں کی سازش کا ہی نتیجہ تھا جس میں وہ بری طرح ناکام ہوئے	۶۵۶
شان نزول	۶۵۶
واقعہ غزوہ احزاب	۶۶۶
سیاست کے اکھاڑے میں جھوٹ کوئی نئی چیز نہیں	۶۶۷
اللہ تعالیٰ کے حلم وکرم کا ایک عجوبہ	۶۶۸
مدینہ منورہ پر سب سے بڑا حملہ	۶۶۹
مسلمانوں کی جنگی تیاری (۱) اللہ پر توکل (۲) باہمی مشورہ (۳) بقدر وسعت مادی وسائل کی فراہمی	۶۶۹
خندق کی کھدائی	۶۷۰
اسلامی لشکر کی تعداد	۶۷۰
بلوغ کی عمر پندرہ سال قرار دی گئی	۶۷۰
قبائلی اور نسبی قومیتوں کا انتظامی معاشرتی امتیاز اسلامی وحدت اسلامی قومیت کے منافی نہیں	۶۷۱
خندق کی کھدائی کی تقسیم پورے لشکر پر کی گئی	۶۷۱
صلاحیت کار میں ملکی غیر ملکی مقامی اور بیرونی کا امتیاز	۶۷۲
ایک عظیم معجزہ	۶۷۲
قدرت کی تنبیہات	۶۷۳
منافقین کی طعنہ زنی اور مسلمانوں کا بے نظیر یقین ایمانی	۶۷۴
واقعہ مذکورہ میں امت کے لئے خاص ہدایت کہ بڑوں کو چھوٹوں کی ہر تکلیف ومشقت میں شامل رہنا چاہیے	۶۷۵
مشکلات پر عبور حاصل کرنے کا نسخہ	۶۷۶
صحابہ کرامؓ کا ایثار اور تعاون وتناصر	۶۷۶

مضامین	صفحہ
ساڑھے تین میل لمبی خندق چھ دن میں مکمل ہوگئی	۶۷۶
حضرت جابرؓ کی دعوت میں ایک کھلا ہوا معجزہ	۶۷۶
یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی اور احزاب کے ساتھ شرکت	۶۷۸
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنگی تدبیر	۶۸۰
حضرت سعدؓ کی غیرت ایمانی اور عزم شدید	۶۸۱
حضرت سعد بن معاذؓ کا زخمی ہونا اور ان کی دعا	۶۸۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں اس غزوہ میں قضا ہوئیں	۶۸۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا	۶۸۴
کشود کار اور فتح کے اسباب کا آغاز	۶۸۴
حضرت حذیفہؓ کا دشمن کے لشکر میں جانے اور خبر لانے کا واقعہ	۶۸۷
آئندہ کفار کے حوصلے پست ہو جانے کی خوشخبری	۶۹۰
مجتہدین کے اختلاف میں کوئی جانب گناہ یا منکر نہیں ہوتی جس پر ملامت کی جائے	۶۹۱
بنو قریظہ کے رئیس کعب کی تقریر	۶۹۲
احسان کے بدلے اور غیرت قومی کے دو عجیب نمونے	۶۹۴
بار بار عہد شکنی کی وجہ سے جزیرہ عرب سے یہود کو نکال دینے کا حکم	۶۹۸
صلح حدیبیہ فتح مکہ کا پیش خیمہ اس لئے اس کا نام سورہ الفتح رکھا گیا ہے	۷۰۲
جزو اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب	۷۰۴
جزو دوم آپ کا صحابہ کرام اور دیہات کے مسلمانوں کو ساتھ چلنے کے لئے بلانا اور بعض کا انکار کرنا	۷۰۵

مضامین	صفحہ
جزو سوم مکہ کی طرف روانگی	۷۰۶
جزو چہارم اہل مکہ کی مقابلے کے لئے تیاری	۷۰۶
خبر رسانی کا ایک عجیب سادہ طریقہ	۷۰۷
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر رساں	۷۰۷
جزو پنجم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ کا راستہ میں بیٹھ جانا	۷۰۸
جزو ششم، مقام حدیبیہ میں ایک معجزہ	۷۰۹
جزو ہفتم اہل مکہ کے ساتھ بواسطہ وفود بات چیت	۷۱۰
جزو ہشتم، حضرت عثمانؓ کو اہل مکہ کے لئے پیغام دے کر بھیجنا	۷۱۲
جزو نہم، اہل مکہ اور مسلمانوں میں آویزش اور اہل مکہ کے ستر آدمیوں کی گرفتاری	۷۱۴
جزو دہم، بیعت رضوان کا واقعہ	۷۱۴
جزو یازدہم، حدیبیہ کا واقعہ	۷۱۵
شرائط صلح سے عام صحابہ کرامؓ کی ناراضی اور رنج	۷۱۸
ایک اور حادثہ اور معاہدہ کی پابندی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر عمل	۷۱۹
احرام کھولنا اور قربانی کے جانور ذبح کرنا	۷۲۰
صحابہ کرامؓ کے ایمان اور اطاعت رسول کا ایک اور امتحان اور ان کی بے نظیر قوت ایمانی	۷۲۱
صلح حدیبیہ کے ثمرات وبرکات کا ظہور	۷۲۲
صلح حدیبیہ کی بقیہ تفصیل احادیث کی روشنی میں	۷۲۷
وحی الٰہی صرف قرآن میں منحصر نہیں، قرآن کے علاوہ بھی بذریعہ وحی احکام آئے ہیں اور احادیث رسول بھی کلام اللہ کے حکم میں	۷۴۵

مضامین	صفحہ
متخلفین حدیبیہ میں سے بعض لوگ بعد میں تائب ہو کر سچے مسلمان ہو گئے تھے	۷۴۶
صحابہ کرام پر طعن و تشنیع اور ان کی لغزشوں میں غور و بحث اس آیت کے خلاف ہے	۷۵۰
شجرۂ رضوان	۷۵۰
فتح خیبر	۷۵۱
صحابہ کرامؓ کو غلطی اور عیب سے بچانے کا قدرتی انتظام	۷۵۶
آئندہ ہونے والے کاموں کے لئے انشاء اللہ کی تاکید	۷۵۹
صحابہ کرام کے اوصاف و فضائل اور خاص علامات	۷۶۱
صحابہ کرامؓ سب کے سب اہل جنت ہیں ان کی خطائیں مغفور ہیں ان کی تنقیص گناہ عظیم ہے	۷۶۸
کفار کی عہد شکنی فتح مکہ اور ان کی توبہ قبول	۷۷۰
فتح مکہ کے وقت مغلوب دشمنوں کے ساتھ بے نظیر کریمانہ سلوک	۷۷۷
فتح مکہ کے وقت مشرکین کی چار قسمیں اور ان کے احکام	۷۷۷
کفار سے معاہدات ختم ہو جانے پر بھی ان کو مہلت دینے کا کریمانہ سلوک	۷۸۰
کفار سے معاہدہ ختم کیا جائے تو اعلان عام اور سب کو ہوشیار خبردار کئے بغیر ان کے خلاف کوئی عمل درست نہیں	۷۸۱
مذکورہ پانچ آیات سے متعلق چند مسائل اور فوائد	۷۸۲
کفار سے عفو و درگذر کے یہ معنی نہیں کہ ان کے ضرر سے بچنے کا اہتمام بھی نہ کیا جائے	۷۸۳
مشرکین کو امان دینے کا حکم	۷۸۶
کفار کو اسلام کی دعوت دینے کا بیان	۷۹۲

مضامین صفحہ

کافر معاہدہ پر قائم رہیں تو مسلمان بھی قائم رہیں
اگر وہ توبہ کریں تو وہ مسلمانوں کے بھائی ہیں ۸۰۲
حقانیت اسلام کو دلائل کے ساتھ سمجھانا علماء دین کا فرض ہے ۸۰۴
کفار کے مقابلہ میں بھی سچائی پر قائم رہنے اور ان کے متعلق مبالغہ آمیزی سے پرہیز کرنے کی تعلیم ۸۰۶
اسلامی برادری میں داخل ہونے کی تین شرطیں ۸۰۸
دارالاسلام میں غیر مسلم ذمیوں کو اسلام پر علمی تنقید کی تو اجازت ہے مگر طعن و تشنیع کی نہیں ۸۱۱
مخلص مسلمان کی دو علامتیں ۸۱۵
کسی غیر مسلم کو ہمراز دوست بنانا درست نہیں ۸۱۵
ذکر اللہ جہاد سے افضل ہے ۸۲۵
اصل رشتہ اسلام و ایمان کا رشتہ ہے نسبی و وطنی تعلقات سب اس پر قربان کرنے ہیں ۸۳۰
مسائل متعلقہ ہجرت ۸۳۲
سچا ایمان اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ اللہ اور رسولؐ کی محبت ساری دنیا اور خود اپنی جان سے بھی زیادہ ہو ۸۳۳
غزوہ حنین میں بھی مسلمانوں کو فتح عظیم نصیب ہوئی ۸۳۶
حنین کی فتح، اور ہوازن و ثقیف کے سرداروں کا مسلمان ہو کر حاضر ہونا قیدیوں کی واپسی ۸۴۶
حقوق کے معاملہ میں رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے عوامی جلسوں کی آوازیں کافی نہیں ہر ایک سے علیحدہ رائے معلوم کرنا چاہیئے ۸۴۸
مفتوح و مغلوب کفار کے اموال میں عدل و انصاف اور احتیاط

مضامین	صفحہ
مشرکین کے مسجد حرام میں داخلے کی ممانعت کا مطلب اور یہ کہ مسجد حرام کی خصوصیت ہے یا سب مساجد کے لئے عام ہے	۸۵۳
غزوہ تبوک کا بیان	۸۸۲
دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت تمام جرائم کی بنیاد ہے	۸۸۷
عذر معقول اور نامعقول میں امتیاز	۸۹۴
اعتقاد تقدیر استعمال تدبیر کے ساتھ ہونا چاہئے	
بے تدبیری کا نام توکل رکھنا غلط ہے	۸۹۷
کیا صدقات کا مال کافر کو دیا جا سکتا ہے	۹۰۱
ایک اور سوال عبادت پر اجرت	۹۱۲
ایک عظیم فائدہ	۹۱۶
مسئلہ تملیک	۹۲۶
ادائے زکوۃ کے متعلق بعض اہم مسائل	۹۲۹
واقعہ مذکور پر چند اشکالات اور ان کے جواب	۹۵۳
دوسرا سوال	۹۵۳
صحابہ کرامؓ سب کے سب بلا استثناء جنتی اور اللہ تعالی کی رضاء سے مشرف ہیں	۹۶۸
نیک و بد ملے جلے عمل کیا تھے	۹۷۳
جن مسلمانوں کے اعمال اچھے برے ملے جلے ہوں قیامت تک وہ بھی اسی حکم میں داخل ہیں	۹۷۴
مسلمانوں کے صدقات زکوۃ وغیرہ وصول کرنا اور ان کے مصرف پر خرچ کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے	۹۷۵
ایک سوال اور جواب	۹۷۸
شان نزول	۹۸۸

مضامین	صفحہ
جہاد کی سب سے پہلی یہی آیت ہے	۹۹۰
ان تینوں انصاری بزرگوں کے واقعہ کی تفصیل احادیث صحیحہ سے	۱۰۰۰
فوائد متعلقہ حدیث مذکور کعب بن مالکؓ	۱۰۱۱
طلب علم دین کا فرض ہونا اور اس کے آداب و فرائض	۱۰۱۸
علم دین کے فضائل	۱۰۱۸
علم دین کے فرض عین اور فرض کفایہ کی تفصیل	۱۰۱۹
فرض عین	۱۰۲۰
علم تصوف بھی فرض عین میں داخل ہے	۱۰۲۱
فرض کفایہ	۱۰۲۱
علم دین کا نصاب	۱۰۲۲
علم دین حاصل کرنے کے بعد عالم کے فرائض	۱۰۲۳
اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب عمل جہاد ہے	۱۰۳۰
دعویٰ اور دعوت میں فرق	۱۰۳۳
انجیل میں رسول اللہ ﷺ کی بشارت	۱۰۳۶
عیسائیوں کے تین فرقے	۱۰۳۹

☆☆☆

جہاں میں پرچم اسلام لہرانے کا وقت آیا

مسلمانو! اٹھو، باطل سے ٹکرانے کا وقت آیا
سرمیداں تڑپنے اور تڑپانے کا وقت آیا

جہاد فی سبیل اللہ، رسول اللہؐ کی سنت ہے
صحابہؓ کی جلی تاریخ دہرانے کا وقت آیا

اٹھو فاروق اعظمؓ کے جواں، شہ زور فرزندو
بساط جنگ پر قوت سے چھا جانے کا وقت آیا

خدا کے نیک بندو! اپنے حجروں سے نکل آؤ
کمر باندھو، محاذ جنگ پر جانے کا وقت آیا

مسلح غازیو، شیرو، دلیرو، تند طوفانو!
عدو کے مورچوں پر آگ برسانے کا وقت آیا

مجاہد! باندھ لے سر سے کفن اور سربکف ہو جا
شہادت کا مقدس مرتبہ پانے کا وقت آیا

تمہیں یہ جنگ کا میداں ہے گویا کھیل کا میداں
کہ توپوں کی گرج سے زیست بہلانے کا وقت آیا

تمہارے بازوؤں میں جان ہے، ایماں کی طاقت ہے
نہتے ہو کے بھی دشمن سے بھڑ جانے کا وقت آیا

فرنگی شاطروں نے ظلمتیں بانٹی ہیں دنیا میں
خدا کی سرزمیں میں نور پھیلانے کا وقت آیا

نظام مصطفیٰؐ نافذ کرینگے، کر کے دم لیں گے
نظام قیصر و کسریٰ کو ٹھکرانے کا وقت آیا

نفیسؔ اب "طالباں" کو نصرت باری مبارک ہو
جہاں میں پرچم اسلام لہرانے کا وقت آیا

ناچیز: نفیس الحسینی

لاہور محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

صحابہ کرام کے متعلق عام مسلمانوں کے لئے ایک سبق

یہیں سے اہل سنت والجماعت کے اس عقیدہ اور عمل کی تصدیق ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ گناہوں سے معصوم نہیں ان سے بڑے گناہ بھی ہو سکتے ہیں اور ہوئے بھی ہیں لیکن اس کے باوجود امت کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان کی طرف کسی برائی اور عیب کو منسوب کرے۔ جب اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتنی بڑی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر کے ان کے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ فرمایا اور ان کو رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مقام عطا فرمایا تو پھر کسی کو کیا حق ہے کہ ان میں سے کسی کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے حضرت عثمان غنیؓ اور بعض صحابہ کرامؓ پر غزوہ احد کے اسی واقعہ کا ذکر کر کے طعن کیا کہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جس چیز کی معافی کا اللہ تعالی نے اعلان فرمادیا اس پر طعن کرنے کا کسی کو کیا حق ہے (صحیح بخاری)

اس لئے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی کتابیں سب اس پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ کرام کی تعظیم اور ان پر طعن و اعتراض سے پرہیز واجب ہے عقائد نسفیہ میں ہے:

ویکف عن ذکر الصحابة الابخیر.

"یعنی واجب ہے کہ صحابہ کا ذکر بغیر خیر کے اور بھلائی کے نہ کرے"

اور شرح مسامرہ ابن ہمام میں ہے

اعتقاد اهل السنة تزكية جميع الصحابة والثناء عليهم۔

"یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کو عدول و ثقات سمجھیں ان کا ذکر مدح وثناء کے ساتھ کریں۔"

شرح مواقف میں ہے :

یحب تعظیم الصحابة کلهم والکف عن القدح فیهم.

"یعنی تمام صحابہ کی تعظیم واجب ہے اور ان پر طعن و اعتراض سے باز رہنا واجب ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے عقیدہٗ واسطیہ میں فرمایا ہے کہ :۔

اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان جو اختلافات اور قتل و قتال ہوئے ہیں ان میں کسی پر الزام و اعتراض کرنے سے باز رہیں وجہ یہ ہے کہ تاریخ میں جو روایات ان کے عیوب کے متعلق آئی ہیں ان میں بکثرت تو جھوٹی اور غلط ہیں جو دشمنوں نے اڑائی ہیں اور بعض وہ ہیں جن میں کمی بیشی کر کے اپنی اصلیت کے خلاف کر دی گئی ہیں۔ اور جو بات صحیح بھی ہے تو صحابہ کرام اس میں اجتہادی رائے کی بناء پر معذور ہیں اور بالفرض جہاں وہ معذور بھی نہ ہوں تو اللہ کا قانون یہ ہے کہ ان الحسنات یذهبن السیئات یعنی اعمال صالحہ سے برے اعمال کا بھی کفارہ ہو جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام کے اعمال صالحہ کے برابر کسی دوسرے کے اعمال نہیں ہو سکتے اور اللہ تعالی کے عفو و کرم کے جتنے وہ مستحق ہیں کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا. اس لئے کسی کو یہ حق نہیں کہ ان کے اعمال پر مواخذہ کرے اور ان میں سے کسی پر طعن واعتراض کی زبان کھولے (عقیدہ واسطیہ ملخصاً)

یَآ یُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ کَانُوْا غُزًّی لَّوْ کَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا

قُتِلُوْا ج لِيَجْعَلَ اللهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ط وَاللهُ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ط وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ o وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللهِ وَ رَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ o وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللهِ تُحْشَرُوْنَ o

اے ایمان والو تم نہ ہو ان کی طرح جو کافر ہوئے اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جب وہ سفر کو نکلیں ملک میں یا ہوں جہاد میں اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ ڈالے اس گمان سے افسوس ان کے دلوں میں اور اللہ ہی جِلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے سب کام دیکھتا ہے اور اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ میں یا مر گئے تو بخشش اللہ کی اور مہربانی اس کی بہتر ہے اس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ ہی کے آگے اکٹھے ہو گے تم سب۔

ربطِ آیات

پچھلی آیتوں میں منافقین کا یہ قول بیان کیا گیا تھا کہ لو کان لنا من الامر شئی ما قتلنا ھھنا یعنی اگر ہمارا کچھ اختیار ہوتا اور ہماری رائے مانی جاتی تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے جس کو آگے بھی نقل کیا گیا ہے ایسے اقوال کے سننے سے یہ احتمال تھا کہ مخلص مسلمانوں کے دلوں میں کچھ شکوک و شبہات نہ پیدا ہو جائیں اس لئے مذکورہ بالا آیات میں مسلمانوں کے ایسے اقوال واحوال سے پرہیز کرنے کی اور موت و حیات کو صرف تابع تقدیر ہونے کی ہدایات دی گئی ہیں۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔

سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں پھر جب قصد کر چکا تو اس کام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر اللہ کو محبت ہے توکل کرنے والوں سے۔

ربطِ آیات :

غزوہ احد میں بعض مسلمانوں کی لغزش اور میدان چھوڑنے سے جو صدمہ اور غم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچا تھا اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طبعی اخلاق اور عادات عفو و کرم کی بناء پر ان کو اس پر کوئی ملامت نہیں کی اور کوئی معاملہ سختی کا بھی نہیں کیا لیکن اللہ تعالی کو اپنے رسولؐ کے ساتھیوں کی دلجوئی اور ان کے دلوں میں اس غلطی پر جو صدمہ اور اپنے قصور پر جو ندامت تھی ان سب کو دھو دینا منظور ہوا تو اس آیت میں آپ کو مزید لطف و کرم کی ہدایت اور صحابہ کرام سے معاملات میں مشورہ لینے کا حکم دیا۔

تفسیر :

مرشد و مُربی کی خاص صفات :

صحابہ کرام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق اور اپنی جان و مال سے زیادہ آپؐ کو عزیز رکھنے والے تھے ان سے جب آپ کے حکم کے خلاف ایک لغزش صادر ہو گئی تو یہاں ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ ان حضرات کو جب اپنی لغزش اور خلاف ورزی حکم پر تنبہ ہوا تو ان کا صدمہ حد سے بڑھ جائے جو ان کے قلب و دماغ کو

معطل کردے یا رحمت سے مایوس بنادے۔ اس کا علاج تو پچھلی آیت میں بتلادیا گیا کہ اصابکم غما بغم اس لغزش کی سزا دنیا میں دی جاچکی ہے آخرت کا کھاتہ بے باق ہوگیا۔

دوسری طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس غلطی اور لغزش کے نتیجہ میں زخمی ہوئے جس سے جسمانی تکلیف بھی پہونچی اور روحانی تکلیف تو پہلے ہی سے تھی تو اس جسمانی وروحانی تکلیف سے یہ احتمال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں صحابہ کرام کی طرف سے تکدر پیدا ہوجائے جو ان کی ہدایت و تلقین میں مخل ہوجائے اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دینا تھی کہ آپؐ ان کی خطا سے درگذر فرمائیں ان کی لغزش دل سے معاف کردیں اور آئندہ کے لئے بھی لطف و مہربانی کا معاملہ جاری رکھیں۔

اس مضمون کو حق تعالی نے ایک عجیب و غریب اسلوب بیان کے ساتھ ارشاد فرمایا جس میں ضمنی طور پر چند اہم فوائد بھی آگئے۔

ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان چیزوں کا حکم ایسے انداز سے دیا گیا ہے جس میں آپؐ کی ثناء و تعریف اور عظمت شان کا اظہار بھی ہے کہ یہ صفات آپؐ کے اندر پہلے سے موجود ہیں اور دوسرے اس سے پہلے فبما رحمة کا لفظ بڑھا کر یہ بھی بتلادیا کہ ان صفات کمال کا آپؐ کے اندر ہونا یہ ہماری رحمت سے ہے کسی کا ذاتی کمال نہیں پھر لفظ رحمت کو بصورت نکرہ لاکر رحمت کے عظیم اور وسیع ہونے کی طرف اشارہ کرکے یہ بھی واضح کردیا کہ یہ رحمت صرف صحابہ کرام پر ہی نہیں بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہے کہ آپؐ کو ان صفات کمال کے ساتھ متصف فرمادیا۔

اس کے بعد ایک تیسرا اہم فائدہ بعد کے جملوں سے ظاہر فرمادیا کہ یہ نرم خوئی، خوش اخلاقی، عفوودر گذر اور لطف و مہربانی کی صفات اگر آپؐ کے اندر نہ ہوتیں تو اصلاح خلائق کا جو کام آپؐ کے سپرد ہے وہ حسب منشاء انجام نہ پاتا لوگ آپ کے ذریعہ اپنی اصلاح اور تزکیہ اخلاق کا فائدہ حاصل کرنے کے بجائے آپؐ سے بھاگ جاتے۔

اور اس سب مجموعہ سے ایک اور اہم فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ارشاد و اصلاح اور تبلیغ کے آداب اس سے معلوم ہوگئے کہ جو شخص رشد و ہدایت اور دعوت الی اللہ اور اصلاح خلق کے کام کا ارادہ کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ صفات اپنے اندر پیدا کرے کیونکہ جب اللہ تعالی کے محبوب رسولؐ کی سختی برداشت نہیں ہو سکتی تو پھر کس کی مجال ہے کہ وہ تشدد اور کج خلقی کے ساتھ خلق اللہ کو اپنے گرد جمع کر سکے اور ان کی اصلاح کا فرض انجام دے سکے۔

اس آیت میں حق تعالی نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپؐ تند خو، سخت طبیعت ہوتے تو لوگ آپؐ کے پاس سے منتشر ہو جاتے اس سے معلوم ہوا کہ مرشد و مبلغ کے لئے تند خوئی سخت کلامی زہر اور اس کے کام کو ضائع کرنے والی چیز ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا فاعف عنهم یعنی ان سے جو خطا ہو گئی ہے اس کو آپ معاف فرمادیں اس سے معلوم ہوا کہ مصلح کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ عوام کی خطاؤں کا انتقام نہ لے بلکہ عفوو درگذر سے کام لے برا کہنے والوں پر مشتعل نہ ہو ایذا دینے والوں سے نرمی کا معاملہ کرے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا و استغفر لهم یعنی آپؐ ان کے لئے اللہ تعالی سے بھی مغفرت طلب کریں جس میں یہ ہدایت ہے کہ صرف یہی نہیں کہ خود ان کی

ایذاؤں پر صبر کریں بلکہ دل سے ان کی خیر خواہی نہ چھوڑیں اور چونکہ سب سے بڑی خیر خواہی ان کی آخرت کی درستی ہے اس لئے اللہ تعالی کے عذاب سے بچانے کے لئے بخشش کی دعا مانگیں۔

اس کے بعد ارشاد ہے **و شاورهم فی الامر** یعنی حسب سابق اپنے فیصلوں اور کاموں میں ان حضرات سے مشورہ بھی لیا کریں تاکہ ان کی پوری تسلی ہو جائے۔ اس میں اس کی طرف ہدایت فرمائی کہ جو خیر خواہی کا داعیہ ان کے لئے قلب میں ہے عمل سے بھی اس کا اظہار کریں کہ اپنی مشاورت سے ان کو مشرف فرمادیں۔

اس پوری آیت میں مصلح و مبلغ کے لئے چند صفات کا ہونا ضروری قرار دیا گیا اول سخت کلامی اور کج خلقی سے بچنا دوسرے ان لوگوں سے کوئی غلطی یا ان کے متعلق ایذا کی کوئی چیز صادر ہو جائے تو انتقام کے در پے نہ ہونا بلکہ عفو و درگذر کا معاملہ کرنا تیسرے یہ کہ ان کی خطاؤں اور لغزشوں کی وجہ سے ان کی خیر خواہی نہ چھوڑنا ان کے لئے دعاء و استغفار بھی کرتے رہنا اور ظاہری معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ نہ چھوڑنا۔ مذکرہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کا حکم اور پھر مشورہ کے بعد طریق عمل کی ہدایت کی گئی ہے۔ مشورہ کے بارے میں قرآن کریم نے دو جگہ صریح حکم دیا ہے ایک یہی آیت مذکورہ دوسرے سورہ شوری کی آیت جس میں سچے مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ **و امرهم شوری بینهم** یعنی اور ان کا ہر کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے اور بعض جگہ ضمنی طور پر مشورہ کی ہدایت فرمائی ہے جیسے رضاعت کے احکام میں ارشاد فرمایا **عن تراض بینهما و تشاور** یعنی بچے کا دودھ چھڑانا ماں اور باپ دونوں کی رضامندی اور مشورہ سے ہونا چاہئے مشورہ سے متعلقہ چند اہم مسائل قابلِ غور

ہیں۔

۔ پہلا مسئلہ لفظ امر اور مشورہ کے معنی دوسرا مسئلہ ...... مشورہ کی شرعی حیثیت تیسرا مسئلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کا درجہ چوتھا مسئلہ حکومت اسلامی مین مشورہ کا درجہ پانچواں مسئلہ مشورہ میں اختلاف رائے ہو تو فیصلہ کی صورت چھٹا مسئلہ ہر کام میں مکمل تدبیر کرنے کے بعد اللہ تعالی پر توکل۔

پہلا مسئلہ لفظ امر اور شوریٰ کی تحقیق

لفظ امر کا اطلاق عربی زبان میں کئی معنی کے لئے ہوتا ہے ایک عام معنی مین آتا ہے جو ہر مہتمم بالشان قول و فعل کو شامل ہے۔ دوسرا اطلاق بمعنی حکم اور حکومت ہے جس پر قرآن کریم میں لفظ اولی الامر محمول ہے تیسرا اطلاق حق تعالی کی ایک مخصوص صفت کے لئے ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ہے مثلا الا له الخلق والامر، الیه یرجع الامر کله، ان الامر کله لله، امره الی الله، اور محققین کے نزدیک قل الروح من امر ربی مین بھی یہ امر مراد ہے۔ قرآن کے ارشاد وشاورھم فی الامر اور و امرھم شوری بینھم میں دونوں معنی کا احتمال ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ پہلے ہی معنی مراد ہیں اور دوسرے معنی بھی اس میں شامل ہیں تو یہ بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ حکم اور حکومت کے معاملات سبھی خاص اہمیت رکھتے ہیں اس لئے امر کے معنی ان آیات میں ہر اس کام کے ہیں جو خاص اہمیت رکھتا ہو خواہ حکومت سے متعلق ہو خواہ معاملات سے اور لفظ شوری مشورہ مشاورت کے معنی ہیں کسی قابل غور معاملہ میں لوگوں کی رائیں حاصل کرنا، اس لئے وشاورھم فی الامر کے معنی یہ ہوئے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ قابل غور معاملات میں جن میں حکومت کے متعلقہ معاملات بھی شامل ہیں صحابہ کرام سے مشورہ لیا کریں

یعنی ان حضرات کی رائیں معلوم کیا کریں۔

اسی طرح سورہ شوریٰ کی آیت وامرھم شوری بینھم کے معنی یہ ہے کہ ہر قابلِ غور معاملہ میں جس میں کوئی اہمیت ہو خواہ حکم و حکومت سے متعلق ہو یا دوسرے معاملات سے ان میں سچے مسلمانوں کی عادت مستمرہ یہ ہے کہ باہم مشورہ سے کام کیا کرتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ مشورہ کی شرعی حیثیت

اس بارہ میں قرآن کریم کے ارشادات مذکورہ اور احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایسے معاملہ میں جس میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں خواہ وہ حکم و حکومت سے متعلق ہو یا کسی دوسرے معاملہ سے باہمی مشورہ لینا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت اور دنیا و آخرت میں باعث برکات ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی تائید آئی ہے اور جن معاملات کا تعلق عوام سے ہے جیسے معاملات حکومت ان میں مشورہ لینا واجب ہے۔ (ابن کثیر)

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور باہم مشورہ کرنے کے بعد اس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرے تو اللہ تعالی کی طرف سے اس کو صحیح اور مفید صورت کی طرف ہدایت مل جاتی ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ جب تمہارے حکام تم میں سے بہترین آدمی ہوں اور تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے معاملات آپس میں مشورہ سے طے ہوا کریں تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لئے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بدترین افراد ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو

زمین کے اندر دفن ہو جانا تمہارے لئے زندہ رہنے سے بہتر ہو گا۔

مطلب یہ ہے کہ جب تم پر خواہش پرستی غالب آجائے کہ بھلے برے اور نافع و مضر سے قطع نظر کر کے محض عورت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے معاملات اس کے سپرد کر دو تو اس وقت کی زندگی سے تمہارے لئے موت بہتر ہے ورنہ مشورہ میں کسی عورت کی بھی رائے لینا کوئی ممنوع نہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تعامل سے ثابت ہے اور قرآن کریم میں سورہ بقرہ کی آیت جو ابھی بیان کی گئی ہے اس میں ارشاد ہے عن تراض منهما و تشاور یعنی بچہ کا دودھ چھڑانا باپ اور ماں کے باہمی مشورہ سے ہونا چاہئے اس میں چونکہ معاملہ عورت سے متعلق ہے اس لئے خاص طور سے عورت کے مشورہ کا پابند کیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

المستشار مؤتمن اذا استشير فليشره بما هو صانع لنفسه.

"یعنی جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے اس پر لازم ہے کہ اس معاملہ میں جو کام وہ خود اپنے لئے تجویز کرتا ہے وہی رائے دوسرے کو دے اس کے خلاف کرنا خیانت ہے۔"

یہ حدیث طبرانی نے معجم اوسط میں بسند حسن حضرت علی رضی اللہ سے روایت کی ہے (مظہری)

البتہ یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مشورہ صرف انہی چیزوں میں مسنون ہے، جن کے بارہ میں قرآن و حدیث کا کوئی واضح قطعی حکم موجود نہ ہو ورنہ جہاں کوئی قطعی اور واضح حکم شرعی موجود ہو اس میں کسی سے مشورہ کی ضرورت نہیں بلکہ جائز بھی نہیں مثلاً کوئی شخص اس میں مشورہ کرے کہ نماز پڑھے یا نہ نہیں، زکوۃ دے یا نہیں، حج

کرے یا نہیں، یہ مشورہ کی چیزیں نہیں شرعی طور پر فرض قطعی ہیں البتہ اس میں مشورہ کیا جاسکتا ہے کہ حج اس سال جائے یا آئندہ اور پانی کے جہاز سے جائے یا ہوائی سے اور خشکی کے راستہ سے جائے یا دوسرے طریق سے۔

اسی طرح زکوۃ کے معاملہ میں یہ مشورہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کو کہاں اور کن لوگوں پر خرچ کیا جائے کیونکہ یہ سب امور شرعاً اختیاری ہیں۔

ایک حدیث میں خود اس کی تشریح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپؐ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا حکم صراحتہً قرآن میں نازل نہیں ہوا اور آپ سے بھی اس کے متعلق کوئی ارشاد ہم نے نہ سنا ہو تو ہم کیا کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسے کام کے لئے اپنے لوگوں میں سے عبادت گذار فقہاء کو جمع کرو اور ان کے مشورہ سے اس کا فیصلہ کر کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

اس حدیث شریف سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مشورہ صرف دنیوی معاملات میں نہیں بلکہ جن احکام شرعیہ میں قرآن وحدیث کی صریح نصوص نہ ہوں ان احکام میں بھی باہمی مشورہ مسنون ہے اور دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشورہ ایسے لوگوں سے لینا چاہئے جو موجودہ لوگوں میں تفقہ اور عبادت گذاری میں معروف ہوں (اخرجہ الخطیب کذا فی الروح)

نیز خطیب بغدادیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے:

استرشدوا العاقل ولا تعصوہ فتندموا۔

"یعنی عقل مند آدمی سے مشورہ لو اور اس کے خلاف نہ کرو ورنہ ندامت اٹھانی ہوگی۔"

ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ مجلس شورہ کے ارکان میں دو وصف ضروری ہیں ایک صاحب عقل و رائے ہونا دوسرے عبادت گذار ہونا جس کا حاصل ذی رائے اور متقی ہونا اور اگر مسئلہ شرعی ہے تو فقیہ ہونا بھی لازم ہے۔

تیسرا مسئلہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کا درجہ

آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیا گیا کہ صحابہ کرام سے مشورہ لیں۔ اس میں یہ اشکال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور صاحب وحی ہیں۔ آپ کو کسی سے مشورہ کی کیا حاجت ہے آپ کو ہر چیز حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی معلوم ہو سکتی ہے اس لئے بعض علماء نے اس حکم مشورہ کو اس پر محمول کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مشورہ کی ضرورت تھی نہ اس مشورہ پر آپؐ کے کسی کام کا مدار تھا صرف صحابہ کرام کے اعزاز اور دل جوئی کے لئے مشورہ کا حکم آپ کو دیا گیا ہے۔ لیکن امام ابو بکر جصاص نے فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ معلوم ہو کہ ہمارے مشورہ پر کوئی عمل نہیں ہوگا اور نہ مشورہ کا کسی کام پر کوئی اثر ہے تو پھر اس مشورہ پر کوئی دل جوئی اور اعزاز بھی نہیں رہتا بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عام امور میں تو براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی ایک طریق کار متعین کر دیا جاتا ہے مگر بمقتضائے حکمت و رحمت بعض امور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا ہے ایسے ہی امور میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی قسم کے امور میں مشورہ لینے کا آپ کو حکم دیا گیا

رسول کریم کی مجالس مشاورت کی تاریخ بھی یہی بتلاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے لئے صحابہ کرم سے مشورہ لیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اگر آپؐ ہمیں دریا میں کود پڑنے کا حکم دیں تو ہم اس میں کود پڑیں گے اور اگر آپؐ ہمیں برک الغماد جیسے دور دراز مقام کی طرف چلنے کا ارشاد فرمائیں گے تو ہم آپؐ کے ساتھ ہوں گے ہم موسی علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح یہ نہ کہیں گے۔ کہ آپ اور آپ کا رب کفار سے مقابلہ کریں بلکہ ہم یہ عرض کریں گے کہ آپؐ تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ آپؐ سے آگے اور پیچھے اور دائیں بائیں دشمن کا مقابلہ کریں گے۔

اسی طرح غزوہ احد میں اس بارہ میں مشورہ کیا کہ کیا مدینہ شہر کے اندر رہ کر مدافعت کریں یا شہر سے باہر نکل کر۔ عام طور سے صحابہ کرام کی رائے باہر نکلنے کی ہوئی تو آپؐ نے اسی کو قبول فرمایا۔ غزوہ خندق میں ایک خاص معاہدہ پر صلح کرنے کا معاملہ در پیش آیا تو سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ نے اس معاہدہ کو مناسب نہ سمجھ کر اختلاف کیا آپؐ نے انہی دونوں کی رائیں قبول فرمائیں۔ حدیبیہ کے ایک معاملہ میں مشورہ لیا تو صدیق اکبرؓ کی رائے پر فیصلہ فرمادیا۔ قصہ افک میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا۔ یہ سب معاملات وہ تھے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بذریعہ وحی کوئی خاص جانب متعین نہیں کی گئی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبوت ورسالت اور صاحب وحی ہونا کچھ مشورہ کے منافی نہیں اور یہ بھی نہیں کہ یہ مشورہ محض نمائشی دل جوئی کے لئے ہو اس کا اثر معاملات پر نہ ہو بلکہ بہت مرتبہ مشورہ دینے والوں کی رائے کو آپؐ نے اپنی رائے کے خلاف بھی قبول فرمالیا بلکہ بعض امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بذریعہ وحی کوئی

خاص صورت متعین نہ فرمانے اور مشورہ لے کر کام کرنے میں حکمت و مصلحت یہ بھی ہے کہ آئندہ امت کے لئے ایک سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے جاری ہو جائے کہ جب آپ کو بھی مشورہ سے استغناء نہیں تو پھر ایسا کون ہے جو استغناء کا دعوی کر سکے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام میں ایسے مسائل میں مشاورت کا طریق ہمیشہ جاری رہا جن میں کوئی نص شرعی نہ تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کا بھی یہی معمول رہا بلکہ بعد میں تو ایسے احکام شرعیہ کی دریافت کے لئے بھی مشورہ کا معمول رہا جن میں قرآن و حدیث کا کوئی صریح فیصلہ نہ تھا کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریق کار بتلایا تھا۔

چوتھا مسئلہ: حکومت اسلامی میں مشورہ کا درجہ کیا ہے

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے قرآن کریم نے دو جگہ مشورہ کا صریح حکم دیا ہے ایک یہی آیت مذکورہ اور دوسرے سورہ شوری کی آیت جس میں سچے مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے وامرھم شوری بینھم یعنی اور ان کا کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔ ان دونوں جگہ پر مشورہ کے ساتھ لفظ امر مذکور ہے اور لفظ امر کی مفصل تحقیق اوپر بیان ہو چکی ہے کہ ہر مہتم بالشان قول و فعل کو بھی کہا جاتا ہے اور حکم اور حکومت کے لئے بھی بولا جاتا ہے امر کے خواہ معنی اول مراد لیں یا دوسرے معنی حکومت کے معاملات میں مشورہ لینا بہر صورت ان آیات سے ضروری معلوم ہوتا ہے حکم یا حکومت مراد لینے کی صورت میں تو ظاہر ہی ہے اور اگر معنی عام لئے جائیں جب بھی حکم اور حکومت کے معاملات مہتم بالشان ہونے کی حیثیت سے قابل مشورہ ٹھیریں گے اس لئے امیر اسلام کے فرائض میں سے ہے کہ

حکومت کے اہم معاملات میں اہل حل و عقد سے مشورہ لیا کرے۔ قرآن کی آیات مذکورہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا مسلسل تعامل اس کی روشن سند ہے۔

ان دونوں آیتوں میں جس طرح معاملات حکومت میں مشورہ کی ضرورت واضح ہوئی اسی طرح ان سے اسلام کے طرز حکومت اور آئین کے کچھ بنیادی اصول بھی سامنے آگئے کہ اسلامی حکومت ایک شورائی حکومت ہے جس میں امر کا انتخاب مشورہ سے ہوتا ہے...... خاندانی وراثت سے نہیں۔ آج تو اسلامی تعلیمات کی برکت سے پوری دنیا میں اس اصول کا لوہا مانا جا چکا ہے۔ شخصی بادشاہتیں بھی طوعاً کرہاً اسی طرف آرہی ہیں لیکن اب سے چودہ سو برس پہلے زمانہ کی طرف مڑ کر دیکھئے جبکہ پوری دنیا پر آج کے تین بڑوں کی جگہ دو بڑوں کی حکومت تھی ایک کسریٰ، دوسری قیصر، اور ان دونوں کے آئین حکومت شخصی اور وراثتی بادشاہت ہونے میں مشترک تھے جس میں ایک شخص واحد لاکھوں کروڑوں انسانوں پر اپنی قابلیت و صلاحیت سے نہیں بلکہ وراثت کے ظالمانہ اصولوں کی بناء پر حکومت کرتا تھا اور انسانوں کو پالتو جانوروں کا درجہ دینا بھی بادشاہی انعام سمجھا جاتا تھا۔ یہی نظریہ حکومت دنیا کے بیشتر حصہ پر مسلط تھا صرف یونان میں جمہوریت کے چند دھندلے اور ناتمام نقوش پائے جاتے تھے لیکن وہ بھی اتنے ناقص اور مدہم تھے کہ ان پر کسی مملکت کی بنیاد رکھنا مشکل تھا اسی وجہ سے جمہوریت کے ان یونانی اصولوں پر کبھی کوئی مستحکم حکومت نہیں بن سکی بلکہ وہ اصول ارسطو کے فلسفہ کی ایک شاخ بن کر رہ گئے اس کے برخلاف اسلام نے حکومت میں وراثت کا غیر فطری اصول باطل کر کے امیر مملکت کا عزل و نصب جمہور کے اختیار میں دے دیا جس کو وہ اپنے نمائندوں اہل حل و عقد کے ذریعہ استعمال کر سکیں۔ ارشاد

پرستی کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا اسلامی تعلیمات ہی کے ذریعہ اس عادلانہ اور فطری نظام سے آشنا ہوئی اور یہی روح ہے اسی طرز حکومت کی جس کو آج جموریت کا نام دیا جاتا ہے۔

لیکن موجودہ طرز کی جمہوریتیں چونکہ بادشاہی ظلم و ستم کے رد عمل کے طور پر وجود میں آئیں تو وہ بھی اس بے اعتدالی کے ساتھ آئیں کہ عوام کو مطلق العنان بنا کر پورے آئین حکومت اور قانون مملکت کا ایسا آزاد مالک بنایا کہ ان کے قلب و دماغ زمین و آسمان اور تمام انسانوں کے پیدا کرنے والے خدا اور اس کی مالکیت و حکومت کے تصور سے بھی بیگانہ ہوگئے اب ان کی جمہوریت خدا تعالی ہی کے بخشے ہوئے عوامی اختیار پر خدا تعالی کی عائد کردہ پابندیوں کو بھی بار خاطر خلاف تصور کرنے لگیں۔

اسلامی آئین نے جس طرح خلق خدا کو کسریٰ و قیصر اور دوسری شخصی بادشاہتوں کے جبر و استبداد کے پنجہ سے نجات دلائی اسی طرح ناخدا آشنا مغربی جمہوریتوں کو بھی خدا شناسی اور خدا پرستی کا راستہ دکھلایا اور بتلایا کہ ملک کے حکام ہوں یا عوام خدا تعالی کے دیئے ہوئے قانون کے سب پابند ہیں ان کے عوام اور عوامی اسمبلی کے اختیارات، قانون سازی، عزل و نصب خدا تعالی کے مقرر کردہ حدود کے اندر ہیں ان پر لازم ہے کہ امیر کے انتخاب میں اور پھر عہدوں اور منصبوں کی تقسیم میں ایک طرف قابلیت اور صلاحیت کی پوری رعایت کریں تو دوسری طرف ان کی دیانت و امانت کو پرکھیں۔ اپنا امیر ایسے شخص کو منتخب کریں جو علم تقوی، دیانت، امانت، صلاحیت، اور سیاسی تجربہ میں سب سے بہتر ہو پھر یہ امیر منتخب بھی آزاد اور مطلق العنان نہیں بلکہ اہل الرائے سے مشورہ لینے کا پابند رہے۔ قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا تعامل اس پر شاہد عدل ہیں

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے:

لا خلافة الا عن مشوره.

"یعنی شورائیت کے بغیر خلافت نہیں ہے۔"

(کنزالعمال بحوالہ ابن ابی شیبہ)

شورائیت اور مشورہ کو اسلامی حکومت کے لئے اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے حتیٰ کہ اگر امیر مملکت مشورہ سے آزاد ہو جائے یا ایسے لوگوں سے مشورہ لے جو شرعی نقطہ نظر سے مشورہ کے اہل نہ ہوں تو اس کا عزل کرنا ضروری ہے۔

ذکر ابن عطية ان الشورى من قواعد الشريعة والدين فعزله واجب هذا مالا خلاف له. البحر المحيط لابی حيان

"ابن عطیہؒ نے فرمایا کہ شورائیت شریعت کے قواعد اور بنیادی اصولوں میں سے ہے جو امیر کہ اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہ لے اس کا عزل کرنا واجب ہے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

مشورہ کے ضروری ہونے سے اسلامی حکومت اور اس کے باشندوں پر ج ثمرات اور برکات حاصل ہوں گے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کو رحمت سے تعبیر فرمایا۔ ابن عدی اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو اس مشورہ کی حاجت نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو میری امت کے لئے ایک رحمت بنایا ہے (بیان القرآن)

مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنے رسول کو ہر کام بذریعہ وحی بتلا دیتا کسی کام میں بھی مشورہ کی ضرورت نہ چھوڑتا لیکن امت کی مصلحت اس میں تھی کہ

آپؐ کے ذریعہ مشورہ کی سنت جاری کرائی جائے اس لئے بہت سے امور ایسے چھوڑ دیئے جن میں صراحتہ کوئی وحی نازل نہیں ہوئی ان میں آپؐ کو مشورہ لینے کی ہدایت فرمائی گئی۔

پانچواں مسئلہ: مشورہ میں اختلاف رائے ہو جائے تو فیصلہ کی کیا صورت ہو گی؟

• مسئلہ میں اگر اختلاف رائے ہو جائے تو کیا آج کل کے پارلیمانی اصول پر اکثریت کا فیصلہ نافذ کرنے پر امیر مجبور ہو گا یا اس کو اختیار ہو گا کہ اکثریت ہو یا قلیت جس طرف دلائل کی قوت اور مملکت کی مصلحت زیادہ نظر آئے اس کو اختیار کرے؟ قرآن و حدیث اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے تعامل سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اختلاف رائے کی صورت میں امیر اکثریت رائے کے فیصلہ کا پابند و مجبور ہے بلکہ قرآن کریم کے بعض ارشادات اور حدیث اور تعامل صحابہ کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلاف رائے کی صورت میں امیر اپنی صوابدید کے مطابق کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا ہے خواہ اکثریت کے مطابق ہو یا اقلیت کے۔ البتہ امیر اپنا اطمینان حاصل کرنے کے لئے جس طرح دوسرے دلائل پر نظر کرے گا اسی طرح اکثریت کا ایک چیز پر متفق ہونا بھی بعض اوقات اس کے لئے سبب اطمینان بن سکتا ہے۔

• آیت مذکورہ میں غور فرمایئے اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا گیا ہے فاذا عزمت فتوکل علے اللہ، یعنی مشورہ کے بعد آپؐ جب کسی جانب کو طے کر کے عزم کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کیجئے اس میں عزمت کے لفظ میں عزم یعنی نفاذ حکم کا پختہ ارادہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا عزمتم نہیں فرمایا جس سے عزم و تنفیذ میں صحابہ کی شرکت

معلوم ہوئی اس کے اشارہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مشورہ لینے کے بعد نفاذ اور عزم صرف امیر کا معتبر ہے حضرت عمر بن الخطابؓ بعض وقت دلائل کے لحاظ سے اگر عبداللہ بن عباسؓ کی رائے زیادہ مضبوط ہوتی تھی تو ان کی رائے پر فیصلہ نافذ فرماتے تھے حالانکہ مجلس میں اکثر ایسے صحابہ موجود ہوتے تھے جو ابن عباسؓ سے عمر اور علم اور تعداد میں زیادہ ہوتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مرتبہ حضرات شیخین صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی رائے کو جمہور صحابہ کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے حتی کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ آیت مذکورہ صرف ان دونوں حضرات سے مشورہ لینے کے نازل ہوئی حاکم نے مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے:

عن ابن عباسؓ فی قوله تعالی (وشاورهم فی الامر) قال ابوبکرؓ و عمرؓ (ابن کثیر)

”ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں شاورہم کی ضمیر سے مراد حضرات شیخینؓ ہیں۔“

کلبی کی روایت اس سے بھی زیادہ واضح ہے:

عن ابن عباسؓ قال نزلت فی ابی بکر و عمر و کانا حوارئے رسول الله صلی الله علیه وسلم و وزیریه و ابوی المسلمین. (ابن کثیر)

”ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے مشورہ لینے کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ دونوں حضرات جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابی اور وزیر تھے اور مسلمانوں کے مربی تھے۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرات شیخینؓ کو خطاب

کرتے ہوئے فرمایا تھا:

لو اجتمعتما فی مشوره ما خالفتكما (ابن کثیر بحواله مسند احمد)

”جب تم دونوں کسی رائے پر متفق ہو جاؤ تو میں تم دونوں کے خلاف نہیں کرتا۔“

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں یہ اشکال کیا جا سکتا ہے کہ یہ تو جمہوریت کے منافی ہے اور شخصی حکومت کا طرز ہے اور اس سے جمہور کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ اسلامی آئین نے اس کی رعایت پہلے کرلی ہے کیونکہ عوام کو یہ اختیار ہی نہیں دیا کہ جس کو چاہیں امیر بنا دیں بلکہ ان پر لازم قرار دیا ہے کہ علم و عمل اور صلاحیت کار اور حذ [illegible] سی اور دیانت کی رو سے جس شخص کو سب سے بہتر سمجھیں صرف اس کو امیر منتخب کریں تو جس شخص کو ان اعلی اوصاف اور اعلی صفات کے تحت منتخب کیا گیا ہو اس پر ایسی پابندیاں عائد کرنا جو بد دیانت اور فساق فجار پر عائد کی جاتی ہیں عقل و انصاف کا خون کرنا اور کام کرنے والوں کی ہمت شکنی اور ملک و ملت کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کے مرادف ہوگا۔

چھٹا مسئلہ: ہر کام میں مکمل تدبیر کرنے کے بعد اللہ تعالی پر توکل کرنا

اس جگہ یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ نظام حکومت اور دوسرے اہم امور میں تدبیر اور مشورہ کے احکام کے بعد یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سب تدبیریں

کرنے کے بعد بھی جب کام کرنے کا عزم کرو تو اپنی عقل و رائے اور تدبیروں پر بھروسہ نہ کرو بلکہ بھروسہ صرف اللہ تعالی پر کرو کیونکہ یہ سب تدبیر مدبر الامور کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ انسان کیا اور اس کی رائے و تدبیر کیا ہر انسان اپنی عمر کے ہزاروں واقعات میں ان چیزوں کی رسوائی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

خویش را دیدیم و رسوائی خویش
امتحان ما مکن اے شاہ بیش

اس جملہ **واذا عزمت فتوکل علی اللہ** سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ توکل ترکِ اسباب اور ترکِ تدبیر کا نام نہیں بلکہ اسباب قریبہ کو چھوڑ کر توکل کرنا سنت انبیاء اور تعلیمِ قرآن کے خلاف ہے، ہاں اسباب بعیدہ اور دور از کار فکروں میں پڑے رہنا یا صرف اسباب اور تدابیر ہی کو موثر سمجھ کو مسبب الاسباب اور مدبر الامور سے غافل ہو جانا بے شک خلاف توکل ہے۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ آیت ایک سو انسٹھ میں اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں۔ رحمت، درگذر کرنا صحابہ کے لئے استغفار کرنا۔ ان سے مشورہ کرنا۔ اور اللہ پر بھروسہ کرنا جن کی بنا پر آپ نے شکست خوردہ صحابہ کو جمع فرمالیا تھا اور اس میں یہ تعلیم ہے کہ جس مسلمان سربراہ یا کمانڈر میں یہ صفات ہونگی وہ منتشر مسلمانوں یا مجاہدین کو جمع کرے گا۔

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ ۚ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ ؕ وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ کَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ

مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ
رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ
الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ اَوَ لَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ
مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ
اللّٰهِ وَ لِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَ قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ
لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا
لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ○ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ
بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ○ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ○

اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہو سکے گا اور اگر مدد نہ کرے تمہاری تو پھر ایسا کون ہے جو مدد کر سکے تمہاری اس کے بعد اور اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے مسلمانوں کو اور نبی کا کام نہیں کہ چھپا رکھے اور جو کوئی چھپاوے گا وہ لائے گا اپنی چھپائی چیز دن قیامت کے پھر پورا پاوے گا ہر کوئی

جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا کیا ایک شخص جو تابع ہے اللہ کی مرضی کا برابر ہو سکتا ہے اس کے جس نے کمایا غصہ اللہ اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ پہنچا لوگوں کے مختلف درجے ہیں اللہ کے ہاں ! اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ کرتے ہیں اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی بات اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے کیا جس وقت پہنچی تم کو ایک تکلیف کہ تم پہنچا چکے ہو اس سے دو چند تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی تو کہہ دے یہ تکلیف تم کو پہنچی تمہاری ہی طرف سے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو کچھ تم کو پیش آیا اس دن کہ ملیں دو فوجیں سو اللہ کے حکم سے اور اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کی اور تاکہ معلوم کرے ان کو جو منافق تھے اور کہا گیا ان کو کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا دفع کرو دشمن کو بولے اگر ہم کو معلوم ہو لڑائی تو البتہ تمہارے ساتھ رہیں وہ لوگ اس دن کفر کے قریب ہیں بہ نسبت ایمان کے کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ان کے دل میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو چھپاتے ہیں وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو اور آپ بیٹھ رہے ہیں، اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے تو کہہ دے اب ہٹا دیجیو اپنے اوپر سے موت کو اگر تم سچے ہو اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان

پر اور نہ ان کو غم خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی۔

ربطِ آیات :

واقعہ احد میں عارضی شکست اور مسلمانوں کی پریشانی پر حضرات صحابہ کرام کی تسلی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چند امور کا حکم ہوا تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا خطرہ تو زائل ہو گیا، لیکن ان حضرات کو اس واقعہ مغلوبیت سے حسرت بھی تھی۔ اس لئے متذکرہ بالا بارہ آیات میں سے پہلی آیت میں ان کی حسرت مغلوبیت کو دل سے اتارتے ہیں نیز بدر کے روز مال غنیمت میں ایک چادر گم ہو گئی بعض (کم سمجھ یا منافق) لوگوں نے کہا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہو اور یہ امر حقیقۃً یا صورۃً خیانت ہے، نبیؐ کی شان اس سے منزہ ہے لہذا دوسری تیسری اور چوتھی آیات کے اندر جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان صفت امانت اور اس خیال کی غلطی کو بیان کرنے پانچویں آیت کے اندر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود کا نعمت عظمیٰ ہونا اور آپؐ کی بعثت کا انسانیت کے لئے احسان عظیم ہونا واضح فرمایا گیا ہے۔

چونکہ مومنین کو اس شکست کی سخت کلفت تھی کہ باوجود مسلمان ہونے کے یہ مصیبت کیوں اور کدھر سے آ گئی اس پر صحابہ کرام کو تعجب اور افسوس تھا نیز منافقین کہا کرتے تھے کہ اگر یہ لوگ گھروں میں بیٹھے رہتے تو ہلاک نہ ہوتے اور ان شہداء کی موت کو بدنصیبی اور محرومی قرار دیتے تھے اس لئے چھٹی، ساتویں، اور آٹھویں آیات کے اندر دوسرے عنوان سے اس عارضی مصیبت و تکلیف کی علت و حکمت واضح فرمائی گئی اور اس کے ضمن میں منافقین کی تردید بھی۔

اور نویں آیت میں ان کے غلط عقیدہ کی تردید کہ گھروں میں بیٹھے رہنا ہلاکت سے نجات کا سبب ہے تردید کی گئی اور دسویں، گیارہویں اور بارہویں آیات میں حضرات شہداء کرام کی اعلی درجہ کی کامیابی اور حیات حقیقیہ اور دائمی نعمتوں کا اثبات فرمادیا گیا ہے:

تفسیر:

مال غنیمت میں چوری گناہ عظیم ہے کسی نبی سے ایسے گناہ کا احتمال نہیں

آیتہ ما کان لنبی ان یغل، ایک خاص واقعہ کے متعلق آئی ہے اس کے ضمن میں غلول، یعنی مال غنیمت کی چوری کا مسئلہ بھی آگیا۔

واقعہ حسب روایت ترمذیؒ یہ ہے کہ غزوہ بدر میں مالِ غنیمت میں ایک چادر گم ہوگئی بعض لوگوں نے کہا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہو۔ یہ کہنے والے اگر منافق تھے تو کوئی بعید بات نہیں اور ممکن ہے کہ کوئی ناسمجھ مسلمان ہی ہو تو اس نے یہ سمجھا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کا اختیار ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں غلول کا گناہ عظیم ہونا اور قیامت کے روز اس کی سزائے شدید کا ذکر ہے اور یہ کہ کسی نبی کے متعلق یہ گمان کرنا کہ اس نے یہ گناہ کیا ہوگا نہایت بیہودہ جسارت ہے کیونکہ انبیاء ہر گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

لفظِ غلول مطلق خیانت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور خاص کر مال غنیمت کی خیانت کے لئے بھی اور مال غنیمت میں چوری اور خیانت کا جرم عام چوریوں اور خیانتوں سے زیادہ اشد ہے کیونکہ مال غنیمت میں پورے لشکر اسلام کا حق ہوتا ہے تو

جس نے اس میں چوری کی اس نے سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی چوری کی اگر کسی وقت اس کو تلافی کا خیال بھی آوے تو بہت مشکل ہے کہ سب کو ان کا حق پہنچائے یا معاف کرائے بخلاف دوسری چوریوں کے کہ مال کا مالک معلوم و متعین ہے کسی وقت اللہ نے توبہ کی توفیق دی تو اس کا حق ادا کر کے یا معاف کر کر بری ہو سکتا ہے یہی وجہ تھی کہ ایک غزوہ میں ایک شخص نے اون کا کچھ حصہ چھپا کر اپنے پاس رکھ لیا تھا مال غنیمت تقسیم ہونے کے بعد اس کو خیال آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا آپؐ نے باوجود رحمۃ للعالمین ہونے اور امت پر ماں باپ سے زیادہ شفیق ہونے کے اس کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اب میں اس کو کس طرح...... سارے لشکر میں تقسیم کروں اب تو قیامت کے روز ہی تم اس لے کر حاضر ہو گے۔

اسی لئے غلول کی سزا بھی عام چوریوں سے زیادہ اشد ہے کہ میدان حشر میں جہاں ساری مخلوق جمع ہو گی سب کے سامنے اس کو اس طرح رسوا کیا جائے گا کہ جو مال چوری کیا تھا وہ اس کی گرن پر لدا ہو گا شیخین میں بروایت حضرت ابو ہریرۃؓ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ قیامت میں کسی کو اس طرح دیکھوں کہ اس کی گردن پر ایک اونٹ لدا ہوا ہو (اور یہ اعلان ہوتا ہو کہ اس نے مال غنیمت کا اونٹ چرایا تھا) وہ شخص اگر مجھ سے شفاعت کا طالب ہو گا تو میں اس کو صاف جواب دے دوں گا کہ میں نے حکم الٰہی پہنچا دیا تھا اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔

اللہ بچائے یہ میدان حشر کی رسوائی ایسی ہو گی کہ بعض روایات میں ہے کہ جن کے ساتھ یہ معاملہ ہو گا وہ تمنا کریں گے کہ ہمیں جہنم میں بھیج دیا جائے مگر اس رسوائی سے بچ جائیں۔

اموال اوقاف اور سرکاری خزانہ میں چوری بحکم غلول ہے

یہی حال مساجد، مدارس، خانقاہوں اور اوقاف کے اموال کا ہے جس میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا چندہ ہوتا ہے اگر معاف بھی کرائے تو کس کس سے معاف کرائے اسی طرح حکومت کے سرکاری خزانے (بیت المال) کا حکم ہے کیونکہ اس میں پورے ملک کے باشندوں کا حق ہے جو اس میں چوری کرے اس نے سب کی چوری کی مگر چونکہ یہی اموال عموماً ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا نگرانی کرنے والے بے پروائی کرتے ہیں، چوری کے مواقع بکثرت ہوتے ہیں اس لئے آج کل دنیا میں سب سے زیادہ چوری اور خیانت انہی اموال میں ہو رہی ہے اور لوگ اس کے انجام بد اور وبال عظیم سے غافل ہیں کہ اس جرم کی سزا علاوہ عذاب جہنم کے میدان حشر کی رسوائی بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی بھی (نعوذ باللہ منہ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود پوری انسانیت پر سب سے بڑا احسان ہے

آیت لقد من اللہ علی المومنین الآیۃ اسی مضمون کی ایک آیت تقریبا انہی الفاظ کے ساتھ سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے جس کی تفسیر و تشریح تفصیل کے ساتھ معارف القرآن جلد اول صفحہ ۲۷۲ میں آچکی ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔ یہاں آیت میں ایک لفظ زائد ہے لقد من اللہ علے المومنین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرما کر حق تعالی نے مومنین پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

اس کے متعلق پہلی بات تو یہ قابل غور ہے کہ قرآن کریم کی تصریح سے

مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اور پورے عالم کے لئے آپ کا وجود نعمت کبری اور احسان عظیم ہے اس جگہ اس کو صرف مومنین کے لئے فرمانا ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم کو ہدی للمتقین فرمانا کہ قرآن کا سارے عالم کے لئے ہدایت ہونا دوسری آیات سے ثابت ہے مگر بعض جگہ اس کو متقین کے ساتھ مخصوص کر کے بیان فرمایا اس کی وجہ دونوں جگہ مشترک ایک ہی ہے کہ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود سارے عالم اور ہر مومن و کافر کے لئے نعمت کبری اور احسان عظیم ہے اسی طرح قرآن کریم سارے عالم انسانیت کے لئے صحیفہ ہدایت ہے مگر چونکہ اس نعمت و ہدایت کا نفع صرف مومنین اور متقین نے حاصل کیا اس لئے کسی جگہ اس کو ان کے ساتھ مخصوص کر کے بھی بیان کر دیا گیا۔

دوسری بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین کے لئے یا پورے عالم کے لئے نعمت کبری اور احسان عظیم ہونے کی تشریح و توضیح ہے۔

یہ بات ایسی ہے کہ اگر آج کل کا انسان روحانیت فراموش اور مادیت کا پرستار نہ ہوتا تو یہ مضمون کسی توضیح و تشریح کا محتاج نہیں تھا عقل سے کام لینے والا انسان اس احسان عظیم کی حقیقت سے خود واقف ہوتا مگر ہو یہ رہا ہے کہ آج کا انسان دنیا کے جانوروں میں ہوشیار ترین جانور سے زیادہ کچھ نہیں رہا اس کو احسان و انعام صرف وہ چیز نظر آتی ہے جو اس کے پیٹ اور نفسانی خواہشات کا سامان مہیا کرے۔ اس کے وجود کی اصل حقیقت جو اس کی روح ہے اس کی خوبی اور خرابی ہے وہ یکسر غافل ہو گیا ہے۔ اس لئے اس تشریح کی ضرورت ہوئی کہ انسان کو پہلے تو یہ بتلایا جائے کہ اس کی حقیقت صرف چند ہڈیوں اور گوشت پوست کا مجموعہ نہیں بلکہ حقیقت انسان وہ روح ہے جو اس کے بدن کے ساتھ متعلق ہے جب تک یہ روح اس کے بدن میں ہے اس وقت تک

انسان انسان ہے اس کے حقوق انسانیت قائم ہیں خواہ وہ کتنا ہی ضعیف و کمزور لب دم کیوں نہ ہو کسی کی مجال نہیں کہ اس کی جائیداد اور اموال پر قبضہ کر سکے یا اس کے حقوق سلب کر سکے لیکن جس وقت یہ روح اس کے بدن سے الگ ہو گئی تو خواہ وہ کتنا ہی قوی اور پہلوان ہو اور اس کے اعضاء سب اپنی اصلی ہیئت میں ہوں وہ انسان نہیں رہا اس کا کوئی حق خود اپنی جائداد اور اموال میں باقی نہیں رہا۔

انبیاء علیہم السلام دنیا میں آتے ہیں اس لئے کہ وہ انسانی روح کی صحیح تربیت کر کے انسان کو حقیقی انسان بنائیں تا کہ اس کے بدن سے جو اعمال وافعال صادر ہوں وہ انسانیت کے لئے مفید ثابت ہوں وہ درندے اور زہریلے جانوروں کی طرح دوسرے انسانوں کو ایذاء اور تکلیف دیتا نہ پھرے اور خود اپنے بھی انجام کو سمجھ کر آخرت کی دائمی زندگی کا سامان مہیا کرے ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے زمرہ انبیاء میں امامت وسیادت کا منصب حاصل ہے انسان کو صحیح انسان بنانے میں بھی آپؐ کی شان تمام انبیاء علیہم السلام سے بہت ممتاز ہے۔ آپؐ نے اپنی مکی زندگی میں صرف یہی کام افراد سازی کا انجام دیا اور انسانوں کا ایسا معاشرہ تیار کر دیا جس کا مقام فرشتوں کی صفوف سے آگے ہے اور زمین و آسمان نے اس سے پہلے انسان نہیں دیکھے ان میں سے ایک ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ نظر آتا ہے۔ ان کے بعد کے لئے بھی آپؐ نے جو تعلیمات اور ان کے رواج دینے کے طریقے چھوڑے ہیں اس پر پورا عمل کرنے والے اسی مقام کو پا سکتے ہیں جو صحابہ کرام نے پایا ہے۔ یہ تعلیمات سارے عالم کے لئے ہیں اس لئے آپؐ کا وجود باوجود پورے عالم انسان کے لئے احسان عظیم ہے گو اس سے پورا نفع مومنین ہی نے اٹھایا ہے۔

واقعہ احد میں مسلمانوں کو عارضی شکست اور زخم و قتل کے مصائب پیش آنے کے بعد اسباب اور حکمتیں

آیۃ او لما اصابتکم الآیۃ سابقہ آیات میں کئی جگہ اس مضمون کا ذکر آچکا ہے یہاں پھر اس کی تاکید مزید توضیح کے ساتھ بیان کی گئی ہے کیونکہ مسلمانوں کو اس واقعہ سے سخت کلفت تھی یہاں تک کہ بعض حضرات کی زبان پر یہ بھی آیا انی ھذا کہ یہ مصیبت ہم پر کہاں سے آپڑی جب کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریکِ جہاد ہیں۔

آیت مذکورہ میں اول تو یہ بات یاد دلائی کہ جتنی مصیبت تم پر آج پڑی ہے تم اس سے دوگنی اپنے مخالف پر اس سے پہلے غزوہ بدر میں ڈال چکے ہو کیونکہ غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے اور غزوہ بدر میں مشرکین کے ستر سردار مارے گئے تھے اور ستر گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تھے اس بات کے یاد دلانے سے ایک تو یہ مقصد ہے کہ مسلمانوں کو اپنی موجودہ تکلیف و پریشانی کا احساس گھٹ جائے کہ جس شخص کی دوگنی جیت ہو چکی ہو اگر ایک دفعہ آدھی ہار و شکست بھی ہو جائے تو زیادہ غم اور تعجب نہیں ہونا چاہئے۔

دوسرا اصل مقصد آیت کے آخری جملہ قل ھو من عند انفسکم میں بتلایا کہ یہ تکلیف و مصیبت در حقیقت دشمن کی قوت و کثرت کے سبب سے نہیں بلکہ تمہاری اپنی بعض کوتاہیوں کے سبب سے ہے کہ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل میں تم سے کوتاہی ہو گئی۔

اس کے بعد کی آیت فباذن اللہ میں اس طرف اشارہ کیا گیا کہ یہ جو کچھ ہوا حق تعالیٰ کے اذن و مشیت سے ہوا جس میں بہت سی حکمتیں مستور ہیں جن میں سے

بعض کا بیان پہلے آ چکا ہے اور ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی مومنین مخلصین کو بھی دیکھ لیں اور منافقین کو بھی یعنی مومنین کا اخلاص اور منافقین کی منافقت ایسی واضح ہو جائے کہ ہر دیکھنے والا دیکھ سکے یہاں اللہ تعالی کے دیکھنے سے مراد یہی ہے کہ دنیا میں جو دیکھنے کی صورت متعارف ہے اس صورت میں دیکھ لیں ورنہ اللہ تعالی تو ہر وقت ہر چیز کو دیکھ رہے ہیں چنانچہ یہ حکمت اس طرح واضح ہو گئی کہ اس شدت کے وقت منافقین الگ ہو کر کھڑے ہو گئے اور مخلص مومن معرکہ میں ڈٹے رہے۔

اور ایک وجہ تسلی یہ بھی ہے کہ جو مسلمان اس معرکہ میں شہید ہو گئے ہیں ان کو جو حق تعالی نے وہ انعامات دیئے ہیں کہ دوسروں کو ان پر رشک آنا چاہئے اس مناسبت سے اس کے بعد کی آیت لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا میں شہداء کے خاص فضائل بیان فرمائے گئے ہیں۔

اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے خاص فضائل اور درجات

اس آیت میں شہداء کے خاص فضائل کا بیان ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کی بڑی تفصیل وارد ہوئی ہے امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ شہداء کے بھی درجات اور حالات مختلف ہوتے ہیں اس لئے روایات حدیث میں جو مختلف صورتیں آئی ہیں وہ مختلف حالات کے اعتبار سے ہیں۔

یہاں شہداء کی پہلی فضیلت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مرے نہیں بلکہ دائمی زندگی کے مالک ہو گئے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ بظاہر ان کا مرنا اور قبر میں دفن ہونا تو مشاہدہ اور محسوس ہے پھر قرآن کی متعدد آیات میں ان کو مردہ نہ کہنے اور نہ سمجھنے کی جو ہدایت آئی ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر کہا جائے کہ حیاتِ برزخی مراد ہے تو وہ ہر شخص مومن و کافر کو حاصل ہے کہ مرنے کے بعد اس کی روح زندہ رہتی ہے اور

قبر کے سوال وجواب کے بعد مومنین صالحین کے لئے سامان راحت اور کفار فجار کے لئے قبر کا عذاب قرآن وسنت سے ثابت ہے تو یہ حیات برزخی جب سب کے لئے عام ہے تو شہداء کی کیا خصوصیت ہوئی؟

جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی اسی آیت نے یہ بتلایا ہے کہ شہداء کو اللہ کی طرف سے جنت کا رزق ملتا ہے اور رزق زندہ آدمی کو ملا کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا سے منتقل ہوتے ہی شہید کے لئے رزق جنت جاری ہو جاتا ہے اور ایک خاص قسم کی زندگی اسی وقت سے اس کو مل جاتی ہے جو عام مردوں سے ممتاز حیثیت کی ہے۔ (قرطبی)

اب رہا یہ کہ وہ امتیاز کیا ہے؟ اور وہ زندگی کیسی ہے؟ اس کی حقیقت سوائے خالق کائنات کے نہ کوئی جان سکتا ہے نہ جاننے کی ضرورت ہے البتہ بسا اوقات ان کی حیات خاص کا اثر اس دنیا میں بھی ان کے بدن پر ظاہر ہوتا ہے کہ زمین انکو نہیں کھاتی وہ صحیح سالم باقی رہتے ہیں (قرطبی) جس کے بہت سے واقعات مشاہدہ کئے گئے ہیں۔

شہداء کی پہلی فضیلت اس آیت میں ان کے ممتاز دائمی حیات ہے دوسری یہ کہ ان کو اللہ تعالی کی طرف سے رزق ملتا ہے تیسری فضیلت **فرحین بما اتھم اللہ** میں یہ بیان کی گئی کہ وہ ہمیشہ خوش وخرم رہیں گے ان نعمتوں میں جو ان کو اللہ تعالی نے عطا فرمائی ہیں چوتھی فضیلت یہ ہے **و یستبشرون بالذین لم یلحقوابھم** یعنی وہ اپنے جن متعلقین کو دنیا میں چھوڑ گئے تھے ان کے متعلق بھی ان کو یہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں رہ کر اور نیک عمل اور جہاد میں مصروف ہیں تو ان کو بھی یہاں آکر یہی نعمتیں اور درجات عالیہ ملیں گے۔

اور سدیؒ نے بیان فرمایا کہ شہید کا جو کوئی عزیز دوست مرنے والا ہوتا ہے

شہید کو پہلے سے اس کی اطلاع کر دی جاتی ہے کہ فلاں شخص اب تمہارے پاس آ رہا ہے وہ اس سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسے دنیا میں کسی دور افتادہ دوست سے بعد مدت ملاقات کی خوشی ہوتی ہے۔

اس آیت کی شان نزول جو ابو داؤدؒ نے باسناد صحیح حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ جب واقعہ احد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے جسم میں رکھ کر آزاد کر دیا وہ جنت کی نہروں اور باغات کے پھلوں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں اور پھر ان قندیلوں میں آ جاتے ہیں جو ان کے لئے عرش رحمٰن کے نیچے معلق ہیں۔ جب ان لوگوں نے اپنی راحت و عیش کی یہ زندگی دیکھی تو کہنے لگے کہ (ہمارے متعلقین دنیا میں ہمارے مرنے سے غمگین ہیں) کیا کوئی ہمارے حالات کی خبر ان کو پہنچا سکتا ہے تاکہ وہ ہم پر غم نہ کریں اور وہ بھی جہاد میں کوشش کرتے رہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہاری یہ خبر ان کو پہنچائے دیتے ہیں اس پر یہ آیت نازل فرمائی گئی (قرطبی)

بدر صغریٰ میں مسلمانوں کو اللہ پر بھروسہ کرنے کے باعث کامیابی نصیب ہوئی تھی

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِمَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ط لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ o اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ق وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ o فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ لا وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ o اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ

اَوْلِيَاءَهٗ ص فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o

جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے پہنچ چکے تھے ان کو زخم جو ان میں نیک ہیں اور پرہیزگار ان کو ثواب بڑا ہے جن کو کہا لوگوں نے کہ مکہ والے آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان تمہارے مقابلہ کے لئے سو تم ان سے ڈرو اور زیادہ ہوا ان کا ایمان اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے پھر چلے آئے مسلمان اللہ کے احسان اور فضل کے ساتھ کچھ نہ پہونچی ان کو برائی اور تابع ہوئے اللہ کی مرضی کے اور اللہ کا فضل بڑا ہے یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے سو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر :

ربط آیات اور شان نزول

اوپر غزوہ احد کے قصہ کا ذکر تھا مذکورہ آیات میں اسی غزوہ سے متعلق ایک دوسرے غزوہ کا ذکر ہے جو غزوہ حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے۔ حمراء الاسد مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔

واقعہ اس غزوہ کا یہ ہے کہ جب کفارِ مکہ احد کے میدان سے واپس ہو گئے تو راستے میں جا کر اس پر افسوس ہوا کہ ہم غالب آجانے کے باوجود خواہ مخواہ واپس لوٹ آئے۔ ہمیں چاہئے تھا کہ ایک ہلہ کر کے سب مسلمانوں کو ختم کر دیتے اور اس خیال نے کچھ ایسا اثر کیا کہ پھر واپس مدینہ کی طرف لوٹنے کا ارادہ ہونے لگا مگر اللہ تعالی نے ان کے دلوں پر رعب ڈال دیا اور سیدھے مکہ مکرمہ کو ہو لئے لیکن بعض مسافروں سے جو مدینہ کی طرف جا رہے تھے یہ کہہ گئے کہ تم جا کر کسی طرح مسلمانوں کے دل میں

ہمارا رعب جماؤ کہ وہ پھر لوٹ کر آرہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ بات معلوم ہوگئی اس لئے آپؐ ان کے تعاقب میں حمراء الاسد تک پہنچے (ابن جریر کذافی الروح)

تفسیر قرطبی میں ہے کہ احد کے دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مجاہدین میں اعلان فرمایا کہ ہمیں مشرکین کا تعاقب کرنا ہے مگر اس میں صرف وہی لوگ جاسکیں گے جو کل کے معرکہ میں ہمارے ساتھ تھے اس اعلان پر دو سو مجاہدین کھڑے ہوگئے۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ کون ہے جو مشرکین کے تعاقب میں جائے تو ستر حضرات کھڑے ہوگئے جن میں ایسے لوگ بھی تھے جو گذشتہ کل کے معرکہ میں شدید زخمی ہوچکے تھے دوسروں کے سہارے چلتے تھے یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشرکین کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ مقام حمراء آلاسد پر پہونچے تو وہاں نعیم بن مسعود ملا جس نے خبر دی کہ ابوسفیان نے اپنے ساتھ مزید لشکر جمع کر کے پھر یہ طے کیا ہے کہ پھر مدینہ پر چڑھائی کریں اور اہل مدینہ کا استیصال کریں زخم خوردہ ضعیف صحابہ اس خبر وحشت اثر کو سن کر یک زبان ہو کر بولے کہ ہم اس کو نہیں جانتے حسبنا اللہ و نعم الوکیل یعنی اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہی بہتر مددگار ہے۔

اس طرف تو مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے یہ خبر دی گئی اور مسلمان اس سے متاثر نہیں ہوئے دوسری طرف معبد خزاعی بنی خزاعہ کا ایک آدمی مدینہ سے مکہ کی طرف جارہا تھا یہ اگرچہ مسلمان نہ تھا مگر مسلمانوں کا خیر خواہ تھا اس کا قبیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف تھا اس لئے جب راستہ میں مدینہ سے لوٹے ہوئے

ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ اپنے لوٹنے پر پچھتا رہا ہے اور پھر واپسی کی فکر میں ہے تو اس نے ابوسفیان کو بتایا کہ تم دھوکے میں ہو کہ مسلمان کمزور ہو گئے میں ان کے بڑے لشکر کو حمراءالاسد میں چھوڑ کر آیا ہوں جو پورے ساز و سامان سے تمہارے تعاقب میں نکلا ہے ابوسفیان پر اس کی خبر نے رعب ڈال دیا۔

اس واقعہ کا بیان مذکورہ تین آیتوں میں فرمایا گیا ہے پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ غزوہ احد میں زخم خوردہ ہونے اور مشقتیں برداشت کرنے کے باوجود جب ان کو دوسرے جہاد کی طرف اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا تو وہ اس کے لئے بھی تیار ہو گئے اس مقام پر ایک امر قابل غور ہے وہ یہ کہ یہاں جن مسلمانوں کی تعریف بیان کی جارہی ہے ان کے دو وصف بیان کئے گئے ایک تو **من بعد ما اصابهم القرح** یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر تیار ہونے والے وہ لوگ ہیں جن کو احد میں زخم پہونچ چکے تھے اور ان کے ستر نامور بہادر شہید ہو چکے تھے اور ان کے جسم بھی زخموں سے چور تھے لیکن جب ان کو دوسری دفعہ بلایا گیا تو وہ فورا جہاد کے لئے تیار ہو گئے۔

دوسرا وصف **للذین احسنوا منهم واتقوا** میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ عملی جدوجہد اور جاں نثاری کے عظیم کارناموں کے ساتھ یہ حضرات احسان و تقوی کی صفات کمال سے بھی آراستہ تھے اور یہ مجموعہ ہی ان کے اجر عظیم کا سبب ہے۔

اس آیت میں لفظ **منهم** سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ سب لوگ احسان و تقوی کے حامل نہیں بلکہ ان میں سے بعض تھے اس لئے کہ یہاں حرف من تبعیض کے لئے نہیں بلکہ بیانیہ ہے جس پر خود اسی آیت کے ابتدائی الفاظ **الذین استجابوا** شاہد ہیں کیونکہ یہ استجابت واطاعت بغیر احسان و تقوی کے ہو ہی نہیں سکتی اس لئے اکثر

مفسرین نے اس جگہ "من" کو بیان قرار دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ سب لوگ جو احسان و تقویٰ کی صفات سے آراستہ تھے ان کے لئے اجر عظیم ہے۔

☆☆☆

کسی کام کے لئے صرف جدو جہد اور جاں نثاری کافی نہیں جب تک اخلاص نہ ہو

البتہ اس خاص عنوان سے ایک اہم فائدہ یہ حاصل ہوا کہ کوئی کام کتنا ہی نیک ہو اور اس کے لئے کوئی شخص کتنی ہی جاں نثاری دکھلائے اللہ کے نزدیک وہ موجب اجر اسی وقت ہو گی جب کہ اس کے ساتھ احسان و تقویٰ بھی ہو جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ عمل خالص اللہ کے لئے ہو ورنہ محض جاں نثاری اور بہادری کے واقعات تو کفار میں بھی کچھ کم نہیں۔

حکم رسولؐ در حقیقت حکم خدا ہے

اس واقعہ میں مشرکین کے تعاقب میں جانے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ قرآن کی کسی آیت میں مذکور نہیں مگر اس آیت میں جب ان لوگوں کی اطاعت شعاری کی مدح فرمائی تو اس حکم کو اللہ اور رسول دونوں کی طرف منسوب کر کے اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ فرمایا گیا جس نے واضح طور پر ثابت کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیتے ہیں وہ اللہ کا حکم بھی ہوتا ہے اگرچہ اللہ کی کتاب میں مذکور نہ ہو۔

جو بے دین حدیث کا انکار کرتے ہیں اور رسول کی حیثیت صرف ایک قاصد کی بتلاتے ہیں (معاذ اللہ) ان کے سمجھنے کے لئے یہ جملہ بھی کافی ہے کہ رسولؐ کے حکم

کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہی حکم قرار دیا جس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ رسولؐ خود بھی اپنی صواب دید پر مصلحت کے مطابق کچھ احکام دے سکتے ہیں اور ان کا وہی درجہ ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے دیئے ہوئے احکام کا ہے۔

احسان کی تعریف :

احسان کی تعریف حدیث جبرئیلؑ کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی ہے

اَنْ تَعْبُدَ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ

''یعنی تم اپنے پروردگار کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ حالت پیدا نہ ہو تو کم از کم یہ حالت تو ہو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔''

تقویٰ کی تعریف :

تقویٰ کی تعریف متعدد تعبیرات سے کی گی لیکن سب سے زیادہ جامع تعریف وہ ہے جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے پر فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تھا کہ تقویٰ کیا ہے ؟ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ امیر المومنین کبھی آپ کا ایسے راستہ پر بھی گذر ہوا ہو گا جو کانٹوں سے پر ہو حضرت عمرؓ نے فرمایا کئی بار ہوا۔ حضرت ابن بن کعبؓ نے فرمایا ایسے مواقع پر آپ نے کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دامن سمیٹ لئے اور نہایت احتیاط سے چلا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ بس تقوی اسی کا نام ہے یہ دنیا ایک خارستان ہے گناہوں کے کانٹوں سے بھری پڑی ہے اس لئے دنیا میں اس طرح چلنا اور زندگی گذارنا چاہئے کہ دامن گناہوں کے کانٹوں سے نہ الجھے اسی کا نام تقویٰ ہے جو سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے۔

يَقُوْلُ الْمَرْءُ فَائِدَتِیْ وَمَالِیْ
وَتَقْوَی اللهِ اَفْضَلُ مَا اسْتَفَادَا

”یعنی لوگ اپنے دنیوی فائدے اور مال کے پیچھے پڑے رہتے ہیں حالانکہ تقوی سب سے بہتر سرمایہ ہے۔“

دوسری آیت میں اس جہاد کے لئے بڑھنے والے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مزید توصیف وتعریف اس طرح کی گئی :

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا یعنی یہ وہ حضرات ہیں کہ جب ان لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف دشمنوں نے بڑا سامان اکٹھا کیا ہے ان سے ڈرو، جنگ کا ارادہ نہ کرو تو اس خبر نے ان کا جوش ایمان اور بڑھادیا۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت جب ان حضرات نے قبول کی تھی تو پہلے ہی دن سے محسوس کرلیا تھا کہ ہم نے جس راستہ پر سفر شروع کیا ہے وہ خطرات سے پُر ہے، قدم قدم پر مشکلات وموانع پیش آئیں گے، ہمارا راستہ روکا جائے گا اور ہماری انقلابی تحریک کو مٹانے کے لئے مسلح کوششیں کی جائیں گی ؛ اس لئے جب یہ حضرات اس قسم کی مشکلات کو دیکھتے تھے تو ایمان کی قوت پہلے سے زیادہ ہو جاتی تھی اور پہلے سے زیادہ جانفشانی اور فداکاری کے ساتھ کام کرنے لگتے تھے۔

ظاہر ہے کہ ان حضرات کا ایمان تو اسلام لانے کے اول روز ہی سے کامل تھا لہذا ان دونوں آیتوں میں ایمان کی زیادتی سے ایمان کی صفات اور ایمان کے ثمرات کی زیادتی مراد ہے اور اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر تیار ہو جانے والے صحابہ کی اس حالت کو بھی اس جگہ خصوصیت کے ساتھ بیان کیا کہ اس جہاد کے سفر میں تمام راستہ یہ جملہ ان کے وردِ زبان رہا حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ اس

جملہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے اور وہی بہتر کارساز ہے۔

یہاں یہ بات خصوصیت سے قابلِ غور ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کہ صحابہ کرامؓ سے زیادہ تو دنیا میں کسی کا توکل و اعتماد اللہ تعالیٰ پر نہیں ہو سکتا، لیکن آپؐ کی صورتِ توکل یہ نہ تھی کہ اسباب ظاہرہ کو چھوڑ کر بیٹھے رہتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے، وہ بیٹھے بٹھائے ہمیں غلبہ عطا فرماوے گا۔ نہیں بلکہ آپؐ نے صحابہؓ کرام کو جمع کیا، زخم خوردہ لوگوں کے دلوں میں نئی روح پیدا فرمائی، جہاد کے لئے تیار کیا اور نکل کھڑے ہوئے۔ جتنے اسباب و ذرائع اپنے اختیار میں تھے وہ سب مہیا اور استعمال کرنے کے بعد فرمایا کہ "ہمیں اللہ کافی ہے۔" یہی وہ صحیح توکل ہے جس کی تعلیم قرآن میں دی گئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا اور کرایا۔ اسبابِ ظاہرہ دنیویہ بھی خدا تعالیٰ کا انعام ہیں، ان کو ترک کر دینا اس کی ناشکری ہے ترکِ اسباب کر کے توکل کرنا سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے۔ کوئی مغلوب الحال ہو تو وہ معذور سمجھا جا سکتا ہے ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ ؂

بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک واقعہ میں اسی آیت حسبنا اللہ و نعم الوکیل کے بارے میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے:

عوف بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں کا مقدمہ آیا۔ آپؐ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا۔ یہ فیصلہ جس شخص کے خلاف تھا، اس نے فیصلہ نہایت سکون سے سنا اور یہ کہتے ہوئے چلنے لگا کہ حسبی اللہ و نعم الوکیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو میرے پاس لاؤ اور فرمایا:

اِنَّ اللهَ يَلُوْمُ عَلَى الْعَجْزِ وَ لٰكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ فَاِذَا غَلَبَكَ اَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِيَ اللهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ

”یعنی اللہ تعالی ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کو ناپسند کرتا ہے کہ تم کو چاہئے کہ تمام ذرائع اختیار کرو پھر بھی عاجز ہو جاؤ اس وقت کہو حسبی اللہ و نعم الوکیل۔

تیسری آیت میں ان حضرات صحابہ کے اقدام جہاد اور حسبنا اللہ و نعم الوکیل کہنے کے فوائد و ثمرات اور برکات کا بیان ہے، فرمایا ہے:

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللهِ یعنی یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ واپس آئے کہ انہیں کوئی ناگواری ذرا نہ پیش آئی اور یہ لوگ رضائے الٰہی کے تابع رہے۔

اللہ تعالی نے ان حضرات کو تین نعمتیں عطا کیں۔ پہلی نعمت تو یہ کہ کافروں کے قلوب میں رعب و ہیبت ڈال دی اور وہ لوگ بھاگ گئے جس کی وجہ سے یہ حضرات قتل و قتال سے محفوظ رہے اس نعمت کو اللہ تعالی نے نعمت ہی کے لفظ سے تعبیر فرمایا؛ اور دوسری نعمت اللہ تعالی نے یہ عطا فرمائی کہ ان حضرات کو حمراء الاسد کے بازار میں تجارت کا موقع ملا اور اس مال سے منافع حاصل ہوئے اس کو لفظ فضل سے تعبیر فرمایا ہے

تیسری نعمت جو ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے وہ رضائے الٰہی کا حصول ہے جو اس جہاد میں ان حضرات کو خاص انداز میں حاصل ہوئی۔

حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ کے جو فوائد و برکات قرآن کریم نے بیان فرمائے وہ کچھ صحابہ کرامؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ جو شخص بھی جذبہ ایمانی کے

ساتھ اس کا ورد کرے وہ یہ برکات حاصل کرے گا۔

مشائخ و علماء نے حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھنے کے فوائد میں لکھا ہے کہ اس آیت کو ایک ہزار مرتبہ جذبۂ ایمان و انقیاد کے ساتھ پڑھا جائے اور دعا مانگی جائے تو اللہ تعالی رد نہیں فرماتا۔ ہجوم افکار و مصائب کے وقت حسبنا اللہ و نعم الوکیل کا پڑھنا مجرب ہے۔

چوتھی آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے مشرکین کے دوبارہ لوٹنے کی خبر دینے والا اصل میں شیطان ہے جو تم کو اپنے اولیاء یعنی ہم مذہب کفار سے ڈرانا چاہتا ہے تو گویا اصل عبارت میں یخوف کا ایک مفعول محذوف ہے یعنی یخوفکم اور دوسرا مفعول اولیاءٗ مذکور ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کو ایسی خبروں سے ہرگز ڈرنا نہیں چاہئے البتہ مجھ سے ڈرتے رہنا ضروری ہے یعنی میری اطاعت کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے ہر مومن کو ڈرنا ضروری ہے اللہ تعالی کی مدد ساتھ ہو تو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا۔

خوف خدا سے مراد کیا ہے :

اس آیت میں حق تعالی نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور دوسری آیت میں ان لوگوں کی مدح فرمائی جو اللہ سے ڈرتے ہیں یخافون ربھم من فوقھم مگر بعض اکابر نے فرمایا کہ خوفِ خدا رونے اور آنسو پونچھنے کا نام نہیں بلکہ اللہ سے ڈرنے والا وہ ہے جو ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس پر اللہ کی طرف سے عذاب کا خطرہ ہو۔

ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر بن فواک بیمار تھے میں ان کی عیادت کو گیا۔ مجھے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے کہا گھبرایئے نہیں

اللہ تعالیٰ آپ کو شفاء و عافیت دیں گے۔ وہ فرمانے لگے کہ کیا تم یہ سمجھے کہ میں موت کے خوف سے روتا ہوں۔ بات یہ نہیں مابعد الموت کا خوف ہے کہ وہاں کوئی عذاب نہ ہو۔ (قرطبی)

وَلَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْئًا ط یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْئًا ج وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ط اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ج وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ○

اور غم میں نہ ڈالیں تجھ کو وہ لوگ جو دوڑتے ہیں کفر کی طرف وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اللہ چاہتا ہے کہ ان کو فائدہ نہ دے آخرت میں اور ان کے لئے عذاب ہے بڑا جنہوں نے مول لیا کفر کو ایمان کے بدلے وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک اور یہ نہ سمجھیں کافر کہ ہم جو مہلت دیتے ہیں ان کو کچھ بھلا ہے ان کے حق میں ہم تو مہلت دیتے ہیں ان کو تاکہ ترقی کریں وہ گناہ میں اور ان کے لئے عذاب ہے رسوا کرنے والا۔

ربطِ آیات:

سابقہ آیات میں منافقین کی بے وفائی، بدخواہی کا ذکر تھا۔ مذکورہ آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے کہ آپؐ ان کفار کی حرکتوں سے رنجیدہ اور شکستہ خاطر نہ ہوں۔ وہ کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ آخری آیت میں اس خیال کا جواب ہے کہ بظاہر تو دنیا میں یہ کفار پھلتے پھولتے نظر آتے ہیں تو ان کو مقہور و

مغضوب کیسے سمجھا جائے؟

کفار کی دنیوی عیش و عشرت بھی در حقیقت عذاب ہی کی تکمیل ہے:

یہاں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مہلت اور عمر دراز اور عافیت وراحت کے سامان اس لئے دیئے ہیں کہ وہ اپنے جرم میں اور بڑھتے جائیں تو پھر کفار بے قصور ہوئے کیونکہ مقصود آیت کا یہ ہے کہ کفار کی اس چند روزہ مہلت اور عیش و عشرت سے مسلمان پریشان نہ ہوں کیونکہ باوجود کفر و عصیان کے ان کو دنیوی قوت، طاقت، سامانِ دنیا یہ بھی ان کے عذاب ہی کی ایک صورت ہے جس کا احساس آج نہیں اس دنیا سے جانے کے بعد ہوگا کہ یہ دنیا کا سامان راحت جو انہوں نے گناہوں میں خرچ کیا در حقیقت جہنم کے انگارے تھے جیسا کئی آیتوں میں خود حق تعالیٰ نے فرمایا: **انما یرید اللہ لیعذبھم بھا** یعنی کفار کے اموال اور عیش و عشرت ان کے لئے کوئی فخر کرنے کی چیز نہیں یہ تو اللہ کی طرف سے عذاب ہی کی ایک قسط ہے جو ان کے عذاب آخرت بڑھانے کا سبب ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ o

اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے مسلمانوں کو اس حالت پر جس پر تم ہو جب تک کہ جدا نہ کر دے ناپاک کو پاک سے اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے سو تم یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم یقین پر رہو اور پرہیزگاری پر تو تم

کو بڑا ثواب ہے۔

ربطِ آیات :

پچھلی آیت میں اس شبہ کا جواب تھا کہ جب کفار اللہ تعالی کے نزدیک مبغوض اور مردود ہیں تو دنیا میں ان کو اموال و جائداد اور عیش و عشرت کے سامان کیوں حاصل ہیں۔ مذکورہ آیت میں اس کے بالمقابل اس شبہ کا ازالہ ہے کہ مومن مسلمان جو اللہ کے مقبول بندے ہیں ان پر تکالیف و مصائب کیوں آتے ہیں۔ مقبولیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ راحتیں اور سامان راحت ان کو ملتا اور کفر کے ناپسندیدہ ہونے میں کوئی شبہ نہ کرو (بلکہ) اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لے آؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور (کفر و معاصی) سے پرہیز رکھو تو پھر تم کو اجر عظیم ملے۔

تفسیر :

مومن و منافق میں امتیاز وحی کے بجائے عملی طور پر کرنے کی حکمت :

اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ مومن مخلص اور منافق میں امتیاز کے لئے حق تعالی ایسے حالات حوادث و مشکلات کے پیدا فرماتے ہیں جن سے عملی طور پر منافقین کا نفاق کھل جائے اور یہ امتیاز اگرچہ یوں بھی ہو سکتا تھا کہ بذریعہ وحی منافقین کے نام تعین کر کے بتلا دیا جائے مگر بمقتضائے حکمت ایسا نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالی کے افعال کی پوری حکمتیں تو اسی کو معلوم ہیں یہاں ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر مسلمانوں کو بذریعہ وحی بتلا دیا جائے کہ فلاں منافق ہے تو مسلمانوں کو اس سے قطع تعلق اور معاملات میں احتیاط کے لئے کوئی ایسی واضح حجت نہ ہوتی جس کو منافق بھی تسلیم کر لیں وہ کہتے کہ تم غلط کہتے ہو ہم تو پکے سچے مسلمان ہیں۔

بخلاف اس پر عملی امتیاز کے جو مصائب کے ابتلاء کے ذریعہ ہوا کہ منافق بھاگ کھڑے ہوئے عملی طور پر ان کا نفاق کھل گیا اب ان کا یہ منہ نہیں رہا کہ مومن و مخلص ہونے کا دعوی کریں۔

اور اس طرح نفاق کھل جانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں کا ان کے ساتھ ظاہری اختلاط بھی قطع ہوا ورنہ دل میں اختلاف کے باوجود ظاہری اختلاط رہتا تو وہ بھی مضر ہی ہوتا۔

امورِ غیب پر کسی کو مطلع کر دیا جائے تو وہ علمِ غیب نہیں :-

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حق تعالی امورِ غیب پر بذریعہ وحی اطلاع ہر شخص کو نہیں دیتے البتہ اپنے انبیاء کا انتخاب کر کے ان کو دیتے ہیں۔

اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر تو انبیاء بھی علمِ غیب کے شریک اور عالم الغیب ہو گئے کیونکہ وہ علمِ غیب جو حق تعالی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے کسی مخلوق کو اس میں شریک قرار دینا شرک ہے۔ وہ دو چیزوں کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک یہ کہ وہ علمِ ذاتی ہو، کسی دوسرے کا دیا ہوا نہ ہو، دوسرے تمام کائنات ماضی و مستقبل کا علم محیط ہو جس سے کسی ذرے کا علم بھی مخفی نہ ہو، حق تعالی خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امورِ غیبیہ بتلاتے ہیں وہ حقیقۃً علمِ غیب نہیں ہے بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو انبیاء کو دی گئی ہیں جن کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا: **من انباء الغیب نوحیھا الیک۔**

غزوہ احد کی تفسیر احادیث حاشیہ قرآن عزیز مولانا احمد علی اور معارف القرآن مفتی محمد شفیع رحمہما اللہ سے نقل کی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا

جَمِيْعًاo وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا oوَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًاo فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ط وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًاo وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ج وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًاo سورۃ النساء آیت ۷۱ تا ۷۵

اے ایمان والو اپنے ہتھیار لے لو پھر جدا جدا فوج ہو کر نکلو یا سب اکٹھے ہو کر نکلو اور بے شک تم میں بعض ایسا بھی ہے جو لڑائی سے جی چراتا ہے پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آجائے تو کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہ تھا اور اگر اللہ کی طرف سے تم پر فضل ہو تو اس طرح کہنے لگتا ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان دوستی کا کوئی تعلق ہی نہیں کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا سو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں وہ لوگ لڑیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچتے ہیں اور جو کوئی اللہ کی راہ میں لڑے پھر مارا جائے یا غالب رہے تو اسے ہم بڑا ثواب دیں گے اور کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے واسطے اپنے ہاں سے کوئی حمایتی کر دے اور

ہمارے واسطے اپنے ہاں سے کوئی مددگار بنادے۔

تفسیر :

یہ سورہ النساء کی آیات ہیں اور یہ آیات سورہ آل عمران کی آیت ایک سو بہتر سے لے کر آیت ایک سو اسی تک کی تفسیر ہے کیونکہ آیت ایک سو بہتر میں ہے کہ مومن وہ ہیں جنہوں نے حکم مانا اللہ اور اس کے رسول کا تاآخر۔ اس آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان صحابہ کو وہ حکم کب دیا گیا تھا اور سورۃ النساء کی ان آیتوں میں اس حکم کا ذکر ہے کہ ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بہت سی ہدایات دی گئی ہیں اور یہ ہدایات اس وقت دی گئی تھیں جب قریشِ مکہ نے اور ان کے ساتھ چند اور قبائل نے مل کر دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا تھا اور انہوں نے مسلمانوں کو اس کی اطلاع بھی کر دی تھی (ماجدی) اور مسلمانوں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس وقت مسلمان بہت کم تعداد میں میدان احد میں رہ چکے تھے ان میں سے بعض تو مدینہ چلے گئے تھے اور بعض شہید ہو گئے تھے اور بعض زخمی تھے اور منافقین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اور اسلام کے خلاف بدستور منافرت پھیلا رہے تھے اس وقت یہ آیات اتری ہیں اور اس وقت جو مسلمان مجاہدین میدانِ جہاد میں موجود تھے انہیں ان آیات میں بہت سی ہدایات دی گئی ہیں اور انہوں نے ان ہدایات پر عمل کیا تو اللہ تعالی نے غزوہ بدر صغراء میں انہیں کامیابی عطا فرمائی اور یہ اصول ہے کہ بعض آیات کا شان نزول خاص ہوتا ہے کہ لیکن حکم عام ہوتا ہے جیسا کہ یہاں بھی ہے یعنی یہ ہدایات صرف ان کے لئے خالص نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے ہیں۔

ہدایت اول :

آیت اکہتر میں پہلی ہدایت دی ہے کہ میدان جہاد میں دشمن کے مقابلہ کے

لئے ہر قسم کے ضرورت کے اسلحہ سے لیس ہو کر سارے یا حسب ضرورت جتنی نفری درکار ہو وہ لے کر نکلو۔ سورہ انفال میں جو فرمایا واعدو اللھم ماستطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل تا آخر اس کا مقصد یہ ہے کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے مقدور بھر فوج تیار کرو جس سے اس کو مرعوب کیا جا سکے اور سورہ النساء کی اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ وہ اسلحہ ساتھ لے کر چلو اور یہ ہدایت اس لئے دی کہ غزوہ احد میں مسلمان مجاہدین کے پاس اتنا اسلحہ نہیں تھا جتنا کہ کافروں کے پاس تھا اسی لئے تو شکست ہو گئی۔ اور اس آیت میں بتا دیا کہ آئندہ جب بھی اور جہاں بھی جہاد کے لئے جانا ہو تو پوری طرح مسلح ہو کر جایا کرو۔

ہدایت دوم :

آیت بہتر اور تہتر میں مسلمان مجاہدین کو دوسری ہدایت دی ہے کہ منافقین کی بری خصائل سے بچو۔ منافق جہاد میں حصہ نہیں لیتے جیسا کہ غزوہ احد میں انہوں نے حصہ نہیں لیا تھا اور جہاد میں شامل نہ ہونا یہ منافق کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں منافقین کی ایک علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ مسلمانوں کی شکست پر وہ خوش ہوتے ہیں اور فتح پر غم زدہ ہوتے ہیں اور مالِ غنیمت کی خاطر افسوس کرتے ہیں کہ ہم بھی اگر شریک ہوتے تو ہمیں بھی مال ملتا۔

ہدایت سوم :

آیت ۷۴ میں مسلمان مجاہدین کو تیسری ہدایت دی گئی ہے کہ جہاد میں وہی لوگ جائیں اور انہیں لوگوں کو بھرتی کیا جائے جو سر فروش جانباز اور جی دار اور خدا پرست قسم کے ہوں منکرِ خدا۔ مشرک۔ منافق اور فاسق قسم کے لوگوں کو جہاد میں شامل نہیں کرنا۔ یہ مضمون فی سبیل اللہ سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ فی سبیل اللہ سے

مراد دین کا ہر وہ اصول ہے جس سے اللہ تعالی کا تعارف اور اس تک رسائی ہوتی ہے اور اس سے مراد عقیدۂ توحید و رسالت اور قیامت بھی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مجاہدین خود اسلامی عقائد سے آراستہ اور اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونے چاہئیں اور ان کی زندگی کا نصب العین بھی یہی ہونا چاہئے انہیں کامیابی نصیب ہوگی اور جو لوگ خدا ہی کے منکر ہوں یا اس کے ساتھ شرک کرتے ہوں یا اسلامی نظام کے مخالف ہوں انہیں اگر مجاہدین میں شامل کیا جائے گا تو مسلمانوں کو کامیابی نہیں ہوگی کیونکہ جو لوگ اسلامی عقائد کے اور اسلامی نظام کے مخالف ہوں گے وہ ان کی خاطر کیسے قربانی دیں گے اور آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ ایسے لوگ جب اللہ کے راستہ میں لڑیں گے تو اگر وہ مارے جائیں یا غالب رہیں دونوں صورتوں میں اللہ تعالی انہیں اجر دے گا۔ مگر اس آیت میں اجمال ہے تفصیل نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالی کے راستے میں وہ لوگ لڑیں جو دنیا کی زندگی آخرة کے بدلے بیچتے ہیں مگر اس آیت میں خریدار کا ذکر نہیں ہے کہ وہ کون ہے اور سورة توبہ کی آیت ایک سو گیارہ اور ایک سو بارہ میں اس کی تفصیل ہے کہ ان کے مال اور جان کا خریدار اللہ تعالی ہے۔ یہ آیتیں انصار مدینہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ مدینہ میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت ہوئی تو مدینہ سے چھ آدمی آپ کے پاس مکہ میں آئے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے تھے۔ یہ بیعت جمرہ عقبہ کے پاس ہوئی تھی عقبہ کے معنی گھاٹی کے ہیں اور یہاں پہلے گھاٹی تھی۔ اب اس کو مٹا کر صاف کر دیا گیا ہے اور دوسرے سال اسی گھاٹی پر مدینہ سے آکر بارہ آدمی بیعت ہوئے۔ ان میں سے پانچ پہلے اور سات نئے تھے اور آپ کی نبوة کے تیرھویں سال ستر آدمی اسی جگہ جمع ہوئے جن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں اور ان سے جو بیعت کی گئی تھی اس کا ذکر ان دو آیتوں میں موجود ہے

اب چونکہ مدینہ میں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد ہو گئی تھی اس لئے انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے پاس کوئی معلم بھیجیں جو ہمیں قرآن پڑھائے تو آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیج دیا تو پھر مدینہ میں اسلام کی تعلیم عام ہو گئی تھی۔ ان کی شان میں یہ آیتیں اتری ہیں اور ان آیتوں میں بتایا ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے راستے میں مال و جان دینے کی بیعت کی ہے اور اللہ نے ان سے ان کے مالوں اور جانوں کے بدلے انہیں جنت دی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ وَ اَمۡوَالَھُمۡ بِاَنَّ لَھُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَ یُقۡتَلُوۡنَ ۟ وَعۡدًا عَلَیۡہِ حَقًّا فِی التَّوۡرٰىۃِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ ؕ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِعَھۡدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِہٖ ؕ وَ ذٰلِکَ ھُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ○ اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰکِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاھُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ الۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰہِ ؕ وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ○ (سورہ توبہ آیت ۱۱۱)

بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں یہ توریت اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اسے ضروری ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے سو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہ بڑی کامیابی ہے توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے شکر کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے اچھے کاموں کا حکم کرنے

والا بری باتوں سے روکنے والے اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے اور ایسے مومنوں کو خوش خبری سنا دے۔

تفسیر :

سورۃ توبہ کی یہ دو آیتیں سورۃ النساء ۷۴ کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا کہ مجاہدین کی فوج میں صرف وہ لوگ ہونے چاہئیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچتے ہوں۔ ایسے لوگ جب جہاد کریں گے تو خواہ قتل ہو جائیں یا غالب آ جائیں دونوں صورتوں میں اللہ انہیں اجر عظیم دے گا۔ اور سورۃ توبہ والی آیتوں میں تفصیل آگئی ہے اور ان آیتوں میں بتایا ہے کہ ایسے لوگوں کے مال اور جان کا خریدار اللہ تعالی ہے اور وہ اس کے بدلے انہیں جنت دے گا۔ اور اللہ تعالی نے توراۃ میں یہ وعدہ کیا ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی کافروں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم تھا اور اس اجر کا بھی وعدہ تھا جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے شروع کتاب میں گزر چکی ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کے اندر بھی حکم جہاد تھا اور اس پر اجر کا بھی وعدہ تھا مگر حضرت عیسی علیہ السلام اور آپؑ کی امت سے جہاد کرنے کا ثبوت نہیں کیونکہ آپؑ کے حواریوں کی تعداد صرف بارہ تھی اور انہیں آسمان پر اٹھالیا گیا تھا البتہ قیامت کے قریب وہ اس زمین پر تشریف لا کر یہ فریضۂ جہاد ادا کریں گے اور ان کی نصرت بھی ہو گی اور ان کو فتح بھی ہو گی اور آیت ایک سو بارہ میں ان مجاہدین کی بقیہ صفات کا بیان ہے۔

ہدایت چہارم :

آیت ۷۵ میں مسلمام مجاہدین کو چوتھی ہدایت دی گئی ہے کہ مظلوم مسلمانوں کی حمایت کے لئے لڑو۔ اس آیت کا شان نزول تفاسیر میں یوں لکھا ہے کہ کچھ لوگ تو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے اور کچھ ایسے تھے کہ ان کے پاس

ہجرت کی طاقت نہیں تھی اور وہ تھے بڑے مخلص مسلمان اور وہ اللہ تعالی سے دعائیں کیا کرتے تھے کہ اے اللہ مکہ رہنے والے ظالموں سے ہمیں نجات عطا فرما تو اللہ تعالی نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں اور مدینہ کے رہنے والے مجاہدین کو فرمایا ہے کہ ان مظلوموں کو ظالموں کے چنگل سے چھڑانے کے لئے بھی جہاد کرو اور یہ اس وقت فرمایا کہ جب کہ مسلمان غزوہ احد میں شکست کھا گئے تھے اور ان میں سستی اور کم ہمتی پیدا ہو گئی تھی اور اللہ تعالی نے بتایا کہ اس شکست سے بد دل ہو گئے ہو ابھی تو تم نے ان مظلوموں کو ظالموں کے چنگل سے چھڑانے کے لئے بھی جہاد کرنا ہے اور اصل میں یہ ان صحابہ مجاہدین کی تربیت کا طریقہ تھا اور ان میں جوش انتقام پیدا کرنا مقصود تھا کیونکہ یہ اصول ہے کہ جس وقت میدان جہاد میں پتہ چلے کہ میرے ساتھی شہید یا زخمی ہو گئے ہیں تو ان میں اشتعال پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالی کی اسی تربیت و تعلیم کا نتیجہ تھا کہ یہ زخم خوردہ صحابہ مجاہدین بدر صغری میں پہنچے تو مشرکین پر انکا اتنا رعب پڑا کہ وہ میدان میں آنہ سکے باوجودیکہ جنگ کے لئے اس جگہ کا انتخاب خود انہوں نے کیا تھا۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ج وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ج اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا o اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ج فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ج وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ج لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ط قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ج وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى قف وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا o اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ط وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ

يَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ ج وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ط
قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ ط فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ
حَدِيْثًا ○ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ
نَّفْسِكَ ط وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ○ مَنْ يُّطِعِ
الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ○ وَ
يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ
تَقُوْلُ ط وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ج فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ
كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ
لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ○ سورۃ النساء آیت ۷۶ تا ۸۲

جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں سو تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو بے شک شیطان کا فریب کمزور ہے کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو پھر جب انہیں لڑنے کا حکم دیا گیا اسوقت ان میں سے ایک جماعت لوگوں سے ایسا ڈرنے لگی جیسا اللہ کا ڈر ہو یا اس سے بھی زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے تو نے ہم پر لڑنا کیوں فرض کیا کیوں نہ ہمیں تھوڑی مدت اور مہلت دی ان سے کہہ دو دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے اور ایک تاگے برابر بھی تم سے بے انصافی نہیں کی جائے گی تم جہاں کہیں ہو گے موت تمہیں آ ہی پکڑے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہی ہو اور اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے

ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے کہہ دے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تجھے جو بھلائی بھی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے ہم نے تجھے لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے تجھے ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا اور کہتے ہیں قبول کیا پھر جب تیرے ہاں سے باہر گئے تو ان میں سے ایک گروہ رات کو جمع ہو کر تمہاری باتوں کے خلاف مشورہ کرتا ہے اور اللہ لکھتا ہے جو وہ مشورہ کرتے ہیں تو ان کی پرواہ نہ کر اور اللہ پر بھروسہ کر اور اللہ کارساز ہے کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ قرآن سوائے اللہ کے کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔

ہدایت پنجم:

آیت ۷۶ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدین کو اللہ تعالی نے پانچویں ہدایت دی ہے کہ تم خدا پرست ہو اور تمہارا مقابلہ طاغوتی طاقتوں سے ہے جو شیطان کے دوست اور آلہ کار ہیں ان کے ساتھ جہاد کرنا تمہارا فرض ہے اور آیت کے آخر میں ایک شبہ کا ازالہ فرمایا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ مسلمان تو بڑے کمزور ہیں یہ طاغوتی طاقتوں سے کیسے لڑ سکتے ہیں، ان کی تو فوج زیادہ ہے اور ان کے پاس اسلحہ بھی زیادہ ہے تو اس کے جواب میں فرمایا کہ ان كيد الشيطن كان ضعيفا ۝ شیطان کے چیلوں کی تدابیر اور منصوبہ کمزور ہے وہ تمہارے مقابلہ میں جیت نہیں سکیں گے۔

تنبیہ :

اور آیت ۷۷ میں اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدین صحابہ کو ڈانٹا ہے اور بڑی سخت تنبیہہ فرمائی ہے کہ کل تک مکہ میں تم خود جہاد کا مطالبہ کرتے تھے اور اب جبکہ جہاد اللہ تعالی کی طرف سے فرض ہو گیا ہے تو تم جاتے نہیں ہو اور سستی دکھاتے ہو اب دنیاوی لذات میں محو ہو گئے ہو اور تمہیں آخرت کی فکر نہیں رہی اور اللہ تعالی کی طرف سے ایسی تنبیہہ بھی ہدایت اور اصلاح کی خاطر ہوتی ہے اور مجاہدین کو مستعد کرنا مقصود ہوتا ہے۔

ہدایت ششم :

اور آیت ۷۸ کے شروع جملہ میں اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدین صحابہ کو چھٹی ہدایت دی ہے کہ موت کا خیال نکال کر جہاد کے لئے جانا ہے یعنی یہ نہ سمجھنا کہ مر جائیں گے کیونکہ مقدر میں اگر موت نہیں ہے تو میدان جہاد کے اندر بھی نہیں آئے گی اور اگر مقدر میں موت ہے تو گھر میں بھی آجائے گی لہذا موت کا ڈر دل سے نکال کر جہاد پر جاؤ۔

ہدایت ہفتم :

آیت ۷۸ کے دوسرے جملہ میں اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ساتویں ہدایت دی ہے کہ سفر جہاد میں فتح اور شکست کو تقدیر الہی پر محمول کر کے جہاد سے گریز نہ کرنا۔ اصل میں منافقین لوگ جو تھے وہ تو ہر وقت اس انتظار میں رہتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی بات ملے تو اس کا پروپیگنڈا کر کے لوگوں کو آپ کے خلاف متنفر کر کے دین سے ہٹایا

جائے۔ چنانچہ مسئلہ تقدیر کو انہوں نے آڑ بنایا اور مسلمانوں کو کہنا کہ شروع کیا کہ جب ہر چیز اللہ تعالی کے اختیار میں ہے تو فتح اور شکست بھی تو اسی کے اختیار میں ہے وہ اگر چاہے گا تو فتح ہو جائے گی وہ اگر چاہے گا تو شکست ہو جائے گی تم لوگ خواہ مخواہ موت کے منہ میں کیوں جاتے ہو۔ اور یہ موجودہ احد کی شکست بھی تو اسی نے دی ہے اور یہ سب کچھ اسی کے اختیار سے ہوا ہے۔ اس سے اندیشہ تھا کہ شاید کہ کچھ صحابہ ان کے جھانسے میں آکر جہاد سے روگردانی کر جائیں اور نیز اگر کہیں شکست ہو جاتی تو وہ منافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ افواہیں بھی پھیلاتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں ہیں اگر نبی ہوتے تو انہیں شکست کیوں ہوتی اور اس افواہ سے بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بھٹکنے کا خطرہ تھا تو اللہ تعالی نے صحابہ کے ایمان کا تحفظ فرمایا ہے یہ تو و ان تصيبهم حسنة سے لے کر من عندك تک کا مضمون ہے) اور یہ منافقین کا مقولہ اللہ نے بطور شکوہ نقل فرمایا ہے اور آگے دو جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ دیا ہے قل كل من عندالله یعنی فتح و شکست دونوں اللہ تعالی کی طرف سے ہیں منافق نا سمجھ ہیں غور کریں تو بات سمجھ آجائے گی مگر وہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور دوسرا جواب یہ دیا ہے ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك یعنی جو بھلائی تجھے پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی تجھے پہنچے تو وہ تیری طرف سے ہے۔ شبہ ظاہر ہے منافقین کے اعتراض میں اور جناب باری تعالی کے جواب میں کوئی فرق نہیں کیونکہ منافقین یہی کہتے تھے کہ نیکی اور بھلائی تو اللہ کی طرف سے ہے اور برائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور اللہ تعالی نے بھی یہی فرمادیا ہے پس اس کا جواب یہ ہے کہ منافقین جب بات کہتے تھے کہ نیکی اللہ تعالی کی طرف سے ہے اور برائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس سے ان کا مقصد آپ کی

نبوت پر اعتراض کرنا تھا کہ آپ اللہ تعالی کے نبی نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالی نے جو فرمایا ہے کہ اے نبی بھلائی اللہ کی طرف سے ہے یعنی غلطی تمہاری طرف سے ہوتی ہے اور اس کی سزا اللہ تعالی کی طرف سے ہوتی ہے اور یہ درحقیقت تعریض ہے یعنی بظاہر خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور حقیقت آپ کی امت کو سمجھنا مقصود ہے اور یہ تعریض عربی محاورات میں مشہور و معروف ہے اور آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اے نبی ہم نے آپ کو رسول بنایا ہے اور اللہ تعالی گواہ کافی ہے کوئی مانے یا نہ مانے آپ اپنا فریضہ ادا کرتے جائیں۔

ہدایت ہشتم:

آیت ۸۰ میں اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو آٹھویں ہدایت دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو ہدایات تمہیں مل رہی ہیں انکی پیروی کرو۔ وہ درحقیقت اللہ تعالی ہی کی پیروی ہے کیونکہ دینی معاملات میں وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتا۔ وہ جو بات کرتا ہے وہ اللہ تعالی کی طرف سے وحی ہوتی ہے جیساکہ سورۃ النجم میں یہ آیت موجود ہے وما ینطق عن الھو ان ھوا لا وحی یوحی وہ اپنی مرضی سے نہیں بولتا وہ تو وہی بولتا ہے جو اس پر وحی کی جاتی ہے لہذا اس آیت میں تعلیم دی گئی ہے کہ جس طرح باقی معاملات میں اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں نبی کی اطاعت کرتے ہو اسی طرح میدان جہاد میں بھی نبی کی اطاعت کرو اور آیت کے آخر میں فرمایا کہ جو آپ کی اطاعت سے منہ موڑے گا تو وہ اپنا نقصان کرے گا آپ اس کے نگہبان نہیں ہیں یعنی آپ سے ان کے بارے میں کسی قسم کی باز پرس نہیں ہوگی۔

☆☆☆

ہدایت نہم :

آیت اکیاسی میں اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو نونویں ہدایت دی ہے کہ منافقین کی طرح زبانی جمع خرچ کا وطیرہ نہ اپنائیں کیونکہ وہ تو زبانی طور پر کہتے ہیں کہ مسلمان ہیں تابعدار ہیں مگر عملی طور پر اس کی مخالفت کرتے ہیں ایسا نہ کر بلکہ دل وجان سے نبی کی اطاعت کرنا اور آخر میں فرمایا ہے کہ اے نبی اگر تیری اطاعت کوئی نہ کرے تو پرواہ نہ کر اور اللہ پر بھروسہ کر۔ نہ سمجھنا کہ میں ناکام ہو جاؤں گا اللہ کارساز کافی ہے۔

ہدایت دہم :

اللہ تعالی نے آیت ۸۲ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو دسویں ہدایت دی ہے کہ تمام غیر مسلموں اور منافقین کو تدبر فی القرآن کی دعوت دو یعنی تمام غیر مسلم قوم کو یہ کہنا ہے کہ ہمارا اصلی مقصد دنیا میں دعوت قرآن کو پھیلانا ہے اور اگر غیر مسلم قرآن کو مان جائیں تو ہمارا ان سے کوئی جھگڑا نہیں ہو گا لہذا انہیں جہاد کے ذریعہ تدبیر فی القرآن کی طرف مائل کرو کیونکہ جہاد کے سوا بعض لوگ قرآن میں تدبر کرنا تو کجا اس کو سنا یا پڑھنا بھی گوارہ نہیں کریں گے اور جب جہاد کے ذریعہ ان کے تمام اسباب متاع کو تہس نہس اور نیست نابود کر دیا جائے گا اور ان کے خداؤں کو شکست وریز کر دیا جائے گا تو پھر وہ قرآن میں غور کریں گے اسے پڑھیں گے سنیں گے تو ان کے تمام شبہات دور ہو جائیں گے۔ اسی لئے یہ آیت جہاد کے موضوع میں لائی گئی ہے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ اللہ تعالی کی کتاب ہے کسی اور کی یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بنائی ہوئی نہیں ہے کیونکہ دنیا میں اگر کوئی بڑے سے بڑا مفکر مدبر جب کوئی کتاب تالیف اور تصنیف کرتا ہے تو اس میں ضرور غلطیاں رہ

جاتی ہیں اور قرآن مجید کے نزول کے وقت سے لے کر آج تک کوئی سر کردہ اور چوٹی کا دانش اور مفکر بھی اس میں کسی قسم کا عیب نہیں نکال سکا اور انشاء اللہ قیامت تک نہیں نکال سکتا۔ پس اس سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی کتاب ہے۔

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ فَقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ○ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ مُّقِيْتًا ○ وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَسِيْبًا ○ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ○ فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ○ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۔ سورۃ النساء آیت ۸۳ تا ۸۹

اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا ڈر کی پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک

پہنچاتے تو اس کی تحقیق کرتے جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو البتہ تم شیطان کے پیچھے ہو لیتے سوائے چند لوگوں کے سو تو اللہ کی راہ میں لڑ تو سوائے اپنی جان کے کسی کا ذمہ دار نہیں اور مسلمانوں کو تاکید کر قریب ہے کہ اللہ کافروں کی لڑائی بند کر دے اور اللہ لڑائی میں بہت ہی سخت ہے اور سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے جو کوئی اچھی بات میں سفارش کرے اسے بھی اس میں سے ایک حصہ ملے گا اور جو کوئی بری بات میں سفارش کرے اس میں سے ایک بوجھ اس پر بھی ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور جب تمہیں کوئی دعا دے تو تم اس سے بہتر دعا دو یا الٹ کر ویسی ہی کہو بے شک اللہ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے اللہ وہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں بیشک قیامت کے دن تم سب کو جمع کرے گا اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقوں کے معاملہ میں دو گروہ ہو رہے ہو اور اللہ نے ان کے اعمال کے سبب سے انہیں الٹ دیا ہے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ جسے اللہ نے گمراہ کیا ہو اسے راہ پر لائے اور جسے اللہ گمراہ کرے تو اس کے لئے ہرگز کوئی راہ نہیں پائے گا وہ تو چاہتے ہیں کہ جیسے وہ کافر ہوئے ہیں تم بھی کافر ہو جاؤ پھر تم سب برابر ہو جاؤ لہذا ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے نہ آجائیں پھر اگر وہ اس بات کو قبول نہ کریں تو جہاں پاؤ انہیں پکڑو اور قتل کرو اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ۔

☆☆☆

ہدایت یازدہم تحقیقاتی کمیٹی کی تصدیق کے سوا کوئی خبر شائع نہ کی جائے

آیت ۸۳ میں اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو گیارہویں ہدایت دی ہے کہ تحقیقاتی کمیٹی کی تصدیق کے سوا کوئی بھی خبر شائع اور نشر نہ کی جائے۔ اصل میں یہ آیت منافقین کی مذمت میں اتاری گئی ہے کیونکہ منافق لوگ جہاد کے موقعہ پر بے بنیاد خبریں اڑا کر مسلمان مجاہدین میں خوف وہراس پھیلانا چاہتے تھے تاکہ وہ مجاہدین میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر بھی ایسی خبریں اڑائی گئی تھیں اور احد کے موقعہ پر بھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمیٹی مقرر فرمائی ہوئی تھی اور تمام صحابہ کو یہ حکم تھا کہ جو بھی خبر ہو پہلے اس کمیٹی کے پاس پہنچاؤ کہ اگر وہ اجازت دیں تو وہ خبر مشہور کرو اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو مت مشہور کرو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکمِ جہاد

آیت ۸۴ میں اللہ تعالی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو حکم دیئے۔ ایک اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنے کا اور دوسرا عام مسلمانوں کو اس کی ترغیب اور تبلیغ کرنے کا۔ اللہ تعالی نے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقل طور پر جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اس کے دو مقصد ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اس سے جہاد کی اہمیت بتلانا مقصود ہے کہ جہاد اتنا مقدس اور اہم فریضہ ہے کہ اور کوئی جہاد پر جائے یا نہ جائے نبی کے لئے جانا ضروری ہے اور اس حکم کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ نبی بنفسِ نفیس میدانِ جہاد میں جب جائے گا تو مجاہدین میں ایک قسم کا جوش اور جذبہ پیدا

ہو گا اور پھر وہ جہاد پر جائیں گے بھی اور پھر جرأت و استقامت سے لڑیں گے بھی اور بڑے جوش و خروش سے مجاہدین کی فوج میں بھرتی بھی ہونگے اور آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ ایسے سر فروش اور جانباز مجاہدین کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کفار کو عبرت ناک اور ذلت آمیز شکست دیں گے۔

ہدایت دوازدہم جمعیت غزاۃ کو بڑھانے کی سعی کی جائے

آیت ۸۴ میں اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کو جہاد میں بھرتی ہونے کی ترغیب دیں اور اس آیت ۸۵ میں آپ کی امت کو ترغیب ہے کہ لوگوں کو جہاد میں شامل کرو۔ جتنا ثواب اس مجاہد کو ہو گا اتنا ہی ثواب بھرتی کی ترغیب یا بھرتی کرانے والے کو ہو گا اور جو جہاد کی مخالفت کرے گا یا جہاد میں بھرتی سے روکے گا تو جتنا گناہ جہاد سے رکنے والوں کو ہو گا اتنا ہی گناہ روکنے والوں کو ہو گا۔

ہدایت سیز ازدہم

آیت ۸۶ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو تیرہویں ہدایت دی ہے کہ جس طرح السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام کہنا ہے اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک کو کلمہ پڑھایا ہے اور اسے مجاہد بنایا ہے اسی طرح اسے چاہئے کہ ایک مجاہد بنا کر حضور کے سامنے پیش کر دے یا اس سے زیادہ بنائے تو اچھا ہے اگر ایسا کرو گے تو ٹھیک ہے ورنہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے وہ قیامت کے دن حساب لے گا اور آیت ستاسی میں عقیدہ و قیامت کا بطور تاکید اعادہ فرمایا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ یہ جہاد وغیرہ ان ہی دو عقیدوں کی خاطر ہے۔

☆☆☆

ہدایت چہاردہم ذووجھین کفار سے بھی جہاد کرنا ہے

آیت ۸۸ اور ۸۹ میں اللہ تعالیٰ نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو چودھویں ہدایت دی ہے کہ آپس میں اختلاف نہیں کرنا۔ بات اصل میں یہ ہوئی تھی مکہ سے کچھ لوگ مدینہ آئے تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ تعاون حاصل کیا اور چلے گئے بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے مکہ کے مظلوم مسلمانوں کی حمایت کی خاطر مجاہدین کو حکم دیا کہ جہاد کرو تو اس وقت ان لوگون کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض مجاہدین کہنے لگے کہ وہ تو مسلمان ہیں ان کے خلاف لڑنے کا حکم نہیں ہو سکتا۔ اور بعض کہنے لگے کہ وہ مرتد ہو گئے ہیں اگر وہ مخلص مسلمان ہوتے تو ہجرت کرتے۔ لہذا جس طرح دوسرے کافروں کے خلاف جہاد جائز ہے ان کے خلاف بھی جائز ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے بھی ثانی جماعت کی تائید فرمائی کہ ان کے خلاف بھی جہاد جائز ہے کیونکہ وہ مرتد ہو گئے ہیں۔ اگر وہ مسلمان ہوتے تو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آجاتے۔ جب انہوں نے ہجرت نہیں کی تو وہ دوسرے کافروں کی طرح کافر ہیں۔ ان کے خلاف بھی جہاد جائز ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَ بَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْکُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ.

البتہ وہ کافر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جا ملیں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو یا تمہارے پاس آتے ہیں اور لڑائی سے دل برداشتہ ہیں نہ تم سے لڑتے ہیں۔

اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَھُمْ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَسَلَّطَھُمْ عَلَیْکُمْ فَلَقٰتَلُوْکُمْ ج فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ لا فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ

عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَ يُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَ يَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ؗ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

سورۃ النساء: آیت ۹۱-۹۴

اور نہ اپنی قوم سے اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا پھر وہ تم سے لڑتے سو اگر وہ تم سے یک سو رہیں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہیں ان پر کوئی راہ نہیں دی ایک اور قسم کے منافق تم دیکھو گے جو چاہتے ہیں تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی جب کبھی وہ فساد کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اس میں کود پڑتے ہیں پھر اگر وہ تم سے یک سو نہ رہیں اور تمہارے آگے صلح پیش نہ کریں اور اپنے

ہاتھ نہ روکیں تو انہیں جہاں پاؤ پکڑو اور مار ڈالو اور ان پر ہاتھ اٹھانے کے لئے ہم نے تمہیں کھلی حجت دے دی ہے اور مسلمان کا یہ کام نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو ایک مسلمان کی گردن آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے مگر یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں پھر اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہے تو ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے اور اگر وہ مقتول مسلمان کی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا پھر جو غلام نہ پائے وہ پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے اللہ سے گناہ بخشوانے کے لئے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور جو کوئی کسی مسلمان کو جان کر قتل کرے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا ہے اے ایمان والو! جب اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم پر سلام کہے اس کو مت کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو سو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں تم بھی تو ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب تحقیق کرو اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ط اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝ وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَکَ وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ قف فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ

وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا
حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ
اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ
بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا
حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ وَلَا تَهِنُوْا
فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ
تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

سورۃ النساء
آیت ۱۰۱ تا ۱۰۴

اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں کہ کچھ کم کرو نماز میں سے اگر تم کو ڈر ہو کہ ستاویں گے تم کو کافر البتہ کافر تمہارے دشمن ہیں صریح اور جب تو ان میں ہو پھر ان کو نماز میں کھڑا کرے تو چاہئے ایک جماعت ان کی کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لیویں اپنے ہتھیار پھر جب سجدہ کر چکیں تو پرے ہو جاویں اور آوے دوسری جماعت جن نے نماز ادا نہیں کی وہ نماز ادا کریں تیرے ساتھ اور پاس لیویں اپنا بچاؤ اور ہتھیار کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تو تم پر جھک پڑیں ایک حملہ کر کر اور گناہ نہیں تم پر اگر تم کو تکلیف ہو مینہ سے یا تم بیمار ہو کہ اتار رکھو اپنے ہتھیار اور ساتھ لو اپنا بچاؤ اللہ نے رکھی ہے منکروں کے واسطے ذلت کی مار پھر جب نماز ادا کر چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور پڑے (لیٹے)۔ پھر جب خاطر جمع سے ہو تو درست کرو نماز کو۔ یہ نماز ہے مسلمانوں پر وقت

باندھا۔ حکم اور مت ہار وان کا پیچھا کرنے سے، اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو وہ بھی بے آرام ہیں جس طرح تم ہو اور تم کو اللہ سے امید ہے جو ان کو نہیں اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

ہدایت پانزدہم معاہد کفار کا قتل ناجائز ہے

اللہ تعالی نے آیت ۹۰ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو تین قسم کے کفار سے لڑنے کو منع فرمایا ہے (۱) معاہد۔ (۲) معاہد کا معاہد اور (۳) عاجزوں سے اور آیت 91 میں ان کفار کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے جو معاہدہ کر کے توڑ دیں اس کی پوری تفصیل انشاء اللہ بعد میں آرہی ہے اور آیت بانویں۔ ترانویں۔ اور چرانویں میں مسلمانوں میں قتال کے انسداد اور میدان جہاد میں مومن اور کافر کے مابین امتیاز کی تعلیم دی ہے اس کی پوری تفصیل خلاصہ تفسیر جلد ثامن اللہ تعالی کے نظامِ عدل میں گزر گئی ہے اور آیت ایک سو ایک سے لے کر ایک سو چار تک میدان جہاد میں نماز کی پابندی اور تاکید اور اس کے پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے اس کی پوری تفصیل خلاصہ تفسیر جلد ثانی میں بیان کر دی گئی ہے۔

بہر حال سورہ نساء کی آیات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جہاد کے بارے میں جو ہدایات دی گئی ہیں ان پر ان زخمی صحابہ نے جب عمل کیا اور بدر صغری میں پہنچ گئے تو اللہ تعالی نے کفار کے دلوں میں ان کا اتنا رعب ڈالا کہ وہ خود اعلان جنگ کر کے میدان میں نہ آسکے اور مسلمان مجاہدین کامیاب واپس ہوئے تھے۔

☆☆☆

غیر مسلموں کے ساتھ معاہدہ کی اجازت ہے بشرطیکہ پیش کش ان کی طرف سے ہو۔ اگر وہ خلاف ورزی کریں تو پھر اعلانیہ معاہدہ توڑ دینا چاہئے

اَلَّذِیْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ o فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ o وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ o وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ o (سورہ الانفال آیت ۵۶۔۵۷۔۵۸۔۶۱)

جن لوگوں سے تو نے عہد لیا ہے پھر ہر دفعہ وہ عہد توڑتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے سو اگر کبھی تو انہیں لڑائی میں پائے تو انہیں ایسی سزا دے کہ ان کے پچھلے دیکھ کر بھاگ جائیں تاکہ انہیں عبرت ہو اور اگر تمہیں کسی قوم سے دغابازی کا ڈر ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو ایسی طرح پر کہ تم اور وہ برابر ہو جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا اور اگر وہ صلح کے لئے مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو بے شک وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے ساتھ صلح اور معاہدہ جائز ہے اور اگر وہ عہد شکنی کریں تو اسے توڑا بھی جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ عملی نمونہ پیش کرتے ہیں کہ پہلے آپ نے یہودیوں سے معاہدات کئے اور جب انہوں نے دغابازی کی تو آپ نے انہیں اس کی سزا دی۔

یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کو عہد شکنی کی سزا

اور اسلامی حکومت کی ابتدا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ○ ھُوَ الَّذِیۡٓ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِھِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ ؕ مَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّھُمۡ مَّانِعَتُھُمۡ حُصُوۡنُھُمۡ مِّنَ اللّٰہِ فَاَتٰھُمُ اللّٰہُ مِنۡ حَیۡثُ لَمۡ یَحۡتَسِبُوۡا ٭ وَ قَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمُ الرُّعۡبَ یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَھُمۡ بِاَیۡدِیۡھِمۡ وَ اَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ٭ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ ○ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیۡھِمُ الۡجَلَآءَ لَعَذَّبَھُمۡ فِی الدُّنۡیَا ؕ وَلَھُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابُ النَّارِ ○ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ شَآقُّوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ ۚ وَ مَنۡ یُّشَآقِّ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ○ مَا قَطَعۡتُمۡ مِّنۡ لِّیۡنَۃٍ اَوۡ تَرَکۡتُمُوۡھَا قَآئِمَۃً عَلٰۤی اُصُوۡلِھَا فَبِاِذۡنِ اللّٰہِ وَلِیُخۡزِیَ الۡفٰسِقِیۡنَ ○ سورۃ الحشر آیت ۱ تا ۵

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں۔ اور وہی ہے زبردست حکمت والا، وہی ہے جس نے نکال دیا ان کو جو منکر ہوئے کتاب والوں میں ان کے گھروں سے پہلے ہی اجتماع پر لشکر کے، تم نہ اٹکل کرتے تھے کہ نکلیں گے اور وہ خیال رکھتے تھے کہ انکو بچالیں گے ان کے قلعے اللہ کے ہاتھ سے پھر پہنچا ان پر اللہ جہاں سے ان کو خیال نہ تھا، اور ڈال دی ان کے دلوں میں دھاک اجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں، سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو، اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لکھ دیا تھا اللہ نے ان پر جلاوطن ہونا تو ان کو عذاب دیتا دنیا میں اور آخرت میں ان کے لئے ہے آگ کا عذاب، یہ اس لئے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے

اور جو کوئی مخالف ہو اللہ سے تو اللہ کا عذاب سخت ہے، جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر سو اللہ کے حکم سے اور تا کہ رسوا کرے نافرمانوں کو۔

ربط سورت اور شان نزول

پچھلی سورت میں یہود کی دوستی جو منافقین نے اختیار کر رکھی تھی اس کی مذمت کا بیان تھا، اس سورت میں یہود پر دنیا میں جلاوطنی کی سزا اور آخرت کا عذاب مذکور ہے۔ اور قصہ ان یہود کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہود سے معاہدہ صلح کا ہو چکا تھا اور ان یہودیوں کے مختلف قبائل ہیں ایک قبیلہ بنو نضیر کا تھا وہ بھی معاہدہ صلح میں داخل تھا اور یہ لوگ مدینہ طیبہ سے دو میل پر رہتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ عمر بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے دو قتل ہو گئے تھے جس کا خون بہا سب کو مل کر ادا کرنا تھا آپؐ نے اپنے مسلمانوں سے اس کے لئے چندہ حاصل کیا، پھر یہ ارادہ ہوا کہ یہود بھی از روئے صلح نامہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں خونبہا کی رقم میں ان کو بھی شریک کیا جائے اس کام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے یہ سازش کی کہ آپؐ کو قتل کر دینے کا موقع ہمارے ہاتھ آگیا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ بٹھلا دیا اور کہا کہ ہم خون بہا کی رقم جمع کرنے کا انتظام کرتے ہیں اور خفیہ مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ جس دیوار کے نیچے آپؐ تشریف فرما ہیں کوئی شخص اوپر چڑھ کر کوئی بڑا بھاری پتھر آپؐ کے اوپر چھوڑ دے کہ آپؐ کا کام تمام ہو جائے آپ کو فوراً بذریعہ وحی ان کی یہ سازش معلوم ہو گئی آپؐ وہاں سے اٹھ کر واپس تشریف لائے اور ان سے کہلا بھیجا کہ تم نے عہد شکنی کر کے صلح توڑ دی اس لئے اب تمہیں دس روز کی مہلت دی جاتی ہے اس میں تم جہاں چاہو چلے جاؤ۔ اس مدت کے بعد جو شخص یہاں

نظر آوے گا اس کی گردن ماردی جائے گی انہوں نے چلے جانے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن ابی منافق نے ان کو روکا کہ کہیں نہ جاؤ میری پاس دوہزار آدمیوں کی جمعیت ہے جو اپنی جان دے دیں گے، تم پر آنچ نہ آنے دیں گے اور روح المعانی میں ابن اسحٰق کی روایت سے اس میں عبداللہ کے ساتھ ودیعہ بن مالک اور سوید اور راعس کا شریک ہونا بھی لکھا ہے۔ یہ لوگ ان کے کہنے میں آگئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا کہ ہم کہیں نہیں جائیں گے آپؐ سے جو کچھ ہو سکے کر لیجئے۔ آپؐ صحابہ کرامؓ کے ساتھ اس قبیلہ پر حملہ آور ہوئے اور یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے اور منافقین منہ چھپا کر بیٹھ گئے۔ آپؐ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان کے درخت جلوا دیئے، کچھ کٹوا دیئے آخر تنگ آکر انہوں نے جلاوطن ہونا منظور کر لیا آپؐ نے اس حال میں بھی ان کے ساتھ رعایت کی کہ حکم دے دیا کہ جتنا سامان تم ساتھ لے جاسکتے ہو لے جاؤ بجز ہتھیار کے وہ ضبط کر لئے جاویں گے یہ لوگ نکل کر کچھ شام میں چلے گئے کچھ خیبر میں اور حرصِ دنیا کی وجہ سے اپنے گھروں کی کڑیاں تختے کواڑ تک اکھاڑ کر لے گئے اور یہ قصہ غزوہ بدر کے بعد ربیع الاول ۴ھ میں پیش آیا پھر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو دوسرے یہود کے ساتھ ملک شام کی طرف نکال دیا یہ دونوں جلاوطنی حشر اول اور حشر ثانی کہلاتی ہیں کذافی زاد المعاد۔

تفسیر :

سورہ حشر کی خصوصیات اور قبیلہ بنو نضیر کی تاریخ

سورہ حشر پوری یہود کے قبیلہ بنو نضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے (قالہ ابن اسحٰق) اور حضرت ابن عباسؓ اس سورت کا نام ہی سورہ بنی نضیر کہا کرتے تھے (ابن کثیر) بنو نضیر یہود کا ایک قبیلہ ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہے۔ ان کے آباؤ

اجداد تورات کے عالم تھے جس میں حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام کی خبر اور آپؐ کا حلیہ اور علامات ذکر تھے اور یہ کہ ان کی ہجرت یثرب (مدینہ) کی طرف ہوگی۔ یہ خاندان اس طمع میں کہ خاتم الانبیاء کے ساتھ رہیں شام سے مدینہ طیبہ منتقل ہوا تھا ان کے موجودہ لوگوں میں بھی کچھ تورات کے عالم تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد علامات دیکھ کر پہچان بھی لیا تھا کہ یہ وہی خاتم الانبیاءؐ ہیں لیکن ان کا خیال تھا کہ وہ آخری نبی ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ان کے خاندان میں ہوں گے اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسمٰعیل میں مبعوث ہوئے تو اس حسد نے ان لوگوں کو ایمان لانے سے روک دیا مگر دل میں ان کے اکثر لوگ آپؐ کے آخر الانبیاء ہونے کو جانتے پہچانتے تھے اور غزوہ بدر میں مسلمانوں کی حیرت انگیز فتح اور مشرکین کی شکست دیکھ کر ان کو یہ یقین کچھ اور بڑھا بھی تھا اس کا اقرار ان کی زبانوں سے سنا بھی گیا مگر اس ظاہری فتح وشکست کو حق وباطل کے پہچاننے کا معیار بنالینا ہی ایک بودی اور کمزوری بنیاد تھی نتیجہ یہ ہوا کہ غزوہ احد میں جب ابتدا مسلمانوں کو شکست ہوئی کچھ حضرات صحابہ شہید ہوئے تو ان کا یقین متزلزل ہو گیا اور اس کے بعد سے انہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ سازباز شروع کر دی۔

اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ پہونچ کر حکیمانہ سیاست کے مقتضی پر سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ مدینہ طیبہ میں اور شہر کے آس پاس کچھ یہود کے قبائل آباد تھے ان سے معاہدہ صلح اس پر کر لیا تھا کہ یہ لوگ نہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے اور نہ کسی جنگ کرنے والے کی امداد کریں گے۔ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہوا تو مسلمان ان کی امداد کریں گے۔ صلح نامہ میں اور بھی بہت سی دفعات تھیں جن کی تفصیل سیرت ابن ہشام وغیرہ میں مذکور ہے اسی

طرح یہود کے تمام قبائل کی جن میں بنو نضیر بھی داخل تھے مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلہ پر ان کی بستی اور مضبوط قلعے اور باغات تھے۔

غزوہ احد تک تو یہ لوگ بظاہر اس صلح نامہ کے پابند نظر آئے مگر احد کے بعد انہوں نے غداری کی اور خفیہ خیانت شروع کر دی۔ اس غدر و خیانت کی ابتدا اس سے ہوئی کہ بنو نضیر کا ایک سردار کعب بن اشرف غزوہ احد کے بعد اپنے یہودیوں کے چالیس آدمیوں کے ایک قافلہ کے ساتھ مکہ معظمہ پہونچا اور یہاں کے کفار قریش جو غزوہ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کی نیت سے غزوہ احد پر گئے تھے اور اس میں بالآخر شکست کھا کر واپس ہو چکے تھے ان سے ملاقات کی اور ان دونوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کا ایک معاہدہ قرار پایا جس کی تکمیل اس طرح کی گئی کہ کعب بن اشرف اپنے چالیس یہودیوں کے ساتھ اور ان کے بالمقابل ابوسفیان اپنے چالیس قریشیوں کے ساتھ حرم بیت اللہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر یہ معاہدہ کیا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے۔

کعب بن اشرف اس معاہدہ کے بعد مدینہ طیبہ واپس آیا تو جبریل امینؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا واقعہ اور معاہدہ کی تفصیل بتلا دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم جاری فرما دیا۔ چنانچہ محمدؓ بن مسلمہ صحابی نے اس کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد بنو نضیر کی مختلف خیانتیں اور سازشیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتی رہیں جن میں ایک وہ واقعہ ہے جو اوپر شان نزول کے عنوان سے لکھا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی اور اگر فوری طور پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذریعۂ وحی اس سازش پر مطلع نہ ہوتے تو یہ لوگ اپنی سازشِ قتل میں کامیاب ہو جاتے کیونکہ جس مکان کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے بٹھایا تھا اس کی چھت پر چڑھ کر ایک بڑا پتھر آپؐ کے سر مبارک پر چھوڑ دینے کا منصوبہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ جو شخص اس منصوبہ کو عملی صورت دینے والا تھا اس کا نام عمر بن حجاش تھا۔ حق تعالیٰ شانہ نے آپؐ کی حفاظت فرمائی اور یہ منصوبہ فیل ہو گیا۔

ایک عبرت:

یہ بھی عجیب معاملہ ہے کہ بعد کے واقعہ میں سارے ہی بنو نضیر جلاوطن ہو کر مدینہ سے نکل گئے مگر ان میں سے صرف دو آدمی مسلمان ہو کر محفوظ و مامون رہے۔ ان دو میں ایک یہی عمر بن حجاش تھے دوسرے ان کے چچا یامین بن عمرو بن کعب تھے۔ (ابن کثیر)

عمرو بن امیہ ضمری کا واقعہ:

شانِ نزول کے واقعہ میں جو یہ ذکر آیا ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے دو قتل ہو گئے تھے ان کا خون بہا جمع کرنے کی کوشش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ خون بہا کے سلسلے میں بنو نضیر کا چندہ حاصل کرنے کے لئے آپؐ ان کی بستی میں تشریف لے گئے تھے۔ اس کا واقعہ ابن کثیر نے یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف کفار کی سازشیں اور مظالم کی داستان تو بہت طویل ہے ان میں سے ایک واقعہ بیر معونہ کا تاریخ اسلامی میں معروف و مشہور ہے کہ بعض منافقین و کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بستی میں تبلیغِ اسلام کے لئے صحابہ کرام کی ایک جماعت بھیجنے کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر صحابہ کرام ان

کے ساتھ کیئے۔ بعد میں حقیقت کھلی کہ ان لوگوں نے یہ محض سازش کی تھی۔ ان سب کو گھیر کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں سے صرف عمرو بن امیہ ضمری کسی طرح نکل کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ جو بزرگ ابھی کفار کی یہ غداری اور خیانت اور اپنے انہتر بھائیوں کا بے دردی سے قتل دیکھ کر آرہے تھے ان کا جذبہ کفار کے مقابلہ میں کیا ہو گا ہر شخص خود اندازہ کر سکتا ہے۔

اتفاق یہ ہوا کہ مدینہ طیبہ واپس آنے کے وقت راستہ میں ان کو دو کافروں سے سابقہ پڑا انہوں نے دونوں کو قتل کر دیا بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں آدمی قبیلہ بنی عامر کے تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ صلح تھا۔

مسلمانوں کے معاہدات آج کل کے سیاسی لوگوں کے معاہدات تو ہوتے نہیں کہ پہلے ہی خلاف ورزی اور عہد شکنی کی راہیں تلاش کر لی جاتی ہیں۔ یہاں تو جو کچھ زبان یا قلم سے نکلتا تھا دین و مذہب اور خدا تعالی کے حکم کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کی پابندی لازمی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غلطی کا علم ہوا تو آپؐ نے اصول شرعیہ کے مطابق ان دونوں مقتولوں کی دیت (خون بہا) ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس کے لئے مسلمانوں سے چندہ کیا۔ اس میں بنو نضیر کے پاس بھی چندہ کے سلسلے میں جانا ہوا۔ (ابن کثیر)

بنو نضیر کو جلاوطن کرنے کے وقت اسلام اور مسلمانوں کی کی رواداری۔ موجودہ اہل سیاست کے لئے سبق آموز معاملہ

آج کے بڑے حکمران اور بڑی حکومتیں جو انسانی حقوق کے تحفظ پر بڑے ڑے لیکچر دیتے ہیں اور اس کے لئے ادارے قائم کرتے ہیں اور دنیا میں تحفظ حقوق نسانیت کے چوہدری کہلاتے ہیں ذرا اس واقعہ پر نظر ڈالیں کہ بنو نضیر کی مسلسل

سازشیں، خیانتیں، قتل رسولؐ کے منصوبہ جو آپ کے سامنے آتے رہے اگر آج کل کے کسی حکمران اور کسی سربراہ مملکت کے سامنے آئے ہوتے تو ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا۔ آج کل تو زندہ لوگوں پر پیٹرول چھڑک کر میدان صاف کر دینا کسی بڑے اقتدار و حکومت کا بھی محتاج نہیں۔ کچھ غنڈے شریر جمع ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ کر ڈالتے ہیں شاہانہ غیظ و غضب کے کرشمے کچھ اس سے آگے ہی ہوتے ہیں۔

مگر یہ حکومت خدا کی اور اس کے رسولؐ کی ہے۔ جب خیانتیں اور غداریاں انتہا کو پہونچ گئیں تو اس وقت بھی ان کے قتل عام کا ارادہ نہیں فرمایا۔ ان کے مال و اسباب چھین لینے کا کوئی تصور نہیں تھا بلکہ (۱) اپنا سب سامان لے کر صرف شہر خالی کر دینے کا فیصلہ کیا، اور

(۲) اس کے لئے بھی دس روز کی مہلت دی کہ آسانی سے اپنا سامان ساتھ لے کر اطمینان سے کسی دوسرے مقام پر منتقل ہو جائیں جب اس کی بھی خلاف ورزی کی تو قومی اقدام کی ضرورت پیش آئی،

(۳) اس لئے کچھ درخت تو جلائے گئے کچھ کاٹے گئے کہ ان پر اثر پڑے مگر قلعہ کو آگ لگا دینے یا ان کے قتل عام کا حکم اس وقت بھی نہیں دیا گیا۔

(۴) پھر جب مجبور ہو کر ان لوگوں نے شہر خالی کر دینا منظور کر لیا تو اس فوجی اقدام کے باوجود ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ ایک اونٹ پر جس قدر سامان ایک آدمی لے جا سکتا ہے لے جائے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنے مکانوں کی کڑیاں، تختے، دروازے کواڑ تک اتار کر لاد لیے۔

(۵) اس سازوسامان کے ساتھ منتقل ہونیوالوں کو کسی مسلمان نے ترچھی نظر

سے نہیں دیکھا امن و عافیت اور پورے اطمینان کے ساتھ سامان لے کر رخصت ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ معاملات اس وقت کے ہیں جبکہ آپ کو اپنے دشمن سے انتقام پورا پورا لے لینے کی مکمل قدرت وطاقت حاصل تھی۔ ان غدار، خائن، سازشی دشمنوں کے ساتھ اس وقت آپ کا یہ معاملہ اسی کی نظیر ہے جو فتح مکہ کے بعد اپنے قدیمی دشمنوں کے ساتھ آپؐ نے فرمایا۔

لاول الحشر۔ بنو نضیر کی اس جلاوطنی کو قرآن کریم نے اول حشر فرمایا حشر کے معنی اٹھ جانے کھڑے ہو جانے کے ہیں اول حشر کہنے کی ایک وجہ خلاصہ تفسیر میں بیان ہو چکی ہے کہ یہ لوگ زمانہ قدیم میں ایک جگہ آباد تھے نقل مکانی اور جلاوطنی کا یہ واقعہ ان کو پہلی بار پیش آیا۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کا اصل حکم آگے یہ آنیوالا تھا کہ جزیرۃ العرب کو غیر مسلموں سے خالی کرایا جائے تاکہ وہ اسلام کا ایک مستحکم قلعہ بن سکے۔ اس کے نتیجہ میں ایک دوسرا حشر آئندہ بشکل جلاوطنی ہونے والا تھا جو عملاً حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ہوا کہ ان میں سے جو لوگ منتقل ہو کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے ان کو جزیرۃ العرب سے باہر چلے جانے کا حکم دیا گیا۔ اس لحاظ سے بنو نضیر کی یہ جلاوطنی پہلا حشر اور دوسری جلاوطنی بعہد عمری دوسرا حشر ہوا۔

فاتاھم اللہ من حیث لم یحتسبوا اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ آگیا ان کے پاس اللہ تعالی اس انداز سے کہ ان کو اس کا گمان بھی نہ تھا۔ اللہ کے آنے سے مراد اس کا حکم اور حکم بردار فرشتوں کا آنا ہے۔

یخرجون بیوتھم بایدیھم و ایدی المومنون ان کا اپنے مکانات کا اپنے ہاتھوں خراب کرنا تو اس طرح ہوا کہ اپنے دروازے کواڑ تک ساتھ لے جانے

کے لئے اکھاڑے اور مسلمانوں کے ہاتھوں اس طرح کہ جب یہ قلعہ بند تھے تو قلعہ سے باہر مسلمانوں نے ان پر اثر ڈالنے کے لئے درختوں اور مکانوں کو ویران کیا۔

ما قطعتم من لینة او ترکتموھا قائمة علی اصولھا فباذن اللہ و لیخزی الفسقین۔ لفظ لینہ کھجور کے ہر درخت یا عجوہ کے علاوہ باقی درختوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ بنو نضیر کے باغات کھجور کے تھے۔ جب قلعہ بند ہو گئے تو بعض صحابہ کرام نے ان لوگوں کو غیظ دلانے اور ان پر رعب ڈالنے کے لئے ان کی کھجوروں کے چند درختوں کو کاٹ کر یا جلا کر ختم کر دیا اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے خیال کیا کہ انشاء اللہ فتح ہماری ہو گی اور یہ درخت اور باغات مسلمانوں کے ہاتھ آئیں گے تو کیوں ان کو ضائع کیا جائے، وہ ان کے کاٹنے جلانے سے باز رہے۔ یہ ایک رائے کا اختلاف تھا۔ بعد میں جب آپس میں گفتگو ہوئی تو جن حضرات نے کچھ درخت کاٹے یا جلائے تھے ان کو یہ فکر ہوئی کہ ہم گنہگار ہو گئے کہ جو مال مسلمانوں کو ملنے والا تھا اس کو نقصان پہونچایا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی جس نے دونوں فریق کے عمل کو جائز و درست فرمایا اور دونوں کو باذن اللہ میں داخل کر کے حکم الہی کی تعمیل قرار دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم درحقیقت اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے۔ منکرینِ حدیث کے لئے تنبیہ

اس آیت میں ان درختوں کے کاٹنے جلانے یا انکو باقی چھوڑنے کے دونوں مختلف عملوں کو باذن اللہ فرمایا ہے حالانکہ قرآن کی کسی آیت میں دونوں میں سے کوئی بھی حکم مذکور نہیں۔ ظاہر تو یہ ہے کہ دونوں حضرات نے جو عمل کیا وہ اپنے اجتہاد سے کیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی ہو مگر قرآن نے اس اجازت کو جو کہ ایک حدیث تھی اذن اللہ قرار دے کر

واضح کردیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی طرف سے تشریع احکام کا اختیار دیا گیا ہے اور جو حکم آپ جاری فرمادیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم میں داخل ہے اس کی تعمیل قرآنی آیات کی تعمیل کی طرح فرض ہے۔

اجتہادی اختلاف کی دونوں جانبوں میں کسی کو گناہ نہیں کہہ سکتے

دوسرا اہم اصول اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ اجتہاد شرعی کی صلاحیت رکھتے ہیں اگر ان کا اجتہاد کسی مسئلے میں مختلف ہو جائے۔ ایک فریق جائز قرار دے اور دوسرا ناجائز تو عند اللہ یہ دونوں حکم درست اور جائز ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو گناہ و معصیت نہیں کہہ سکتے اور اسی لئے اس پر نہی عن المنکر کا قانون جاری نہیں ہوتا کیونکہ ان میں سے کوئی جانب بھی منکر شرعی نہیں اور ولیخزی الفاسقین میں درختوں کے کاٹنے یا جلانے والوں کے عمل کی توجیہہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بھی فساد میں داخل نہیں بلکہ کفار کو ذلیل کرنے کے قصد سے موجب ثواب ہے۔

مسئلہ: حالتِ جنگ کفار کے گھروں کو منہدم کرنا یا جلانا اسی طرح درختوں کھیتوں کو برباد کرنا جائز ہے یا نہیں، اس میں ائمہ فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے حالتِ جنگ ان سب کاموں کا جائز ہونا منقول ہے مگر شیخ ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ یہ جواز اس وقت میں ہے جبکہ اس کے بغیر کفار پر غلبہ پانا مشکل ہو یا اس صورت میں جبکہ مسلمانو کی فتح کا گمان غالب نہ ہو تو یہ سب کام اس لئے جائز ہیں کہ ان سے کفار کی طاقت و شوکت کو توڑنا مقصود ہے یا عدم فتح کی صورت میں ان کے مال کو ضائع کرنا بھی ان کی قوت کو کمزور کردینے کے لئے اس میں داخل ہے۔ (مظہری)

☆☆☆

اسلامی حکومت کے اسباب بقا۔ مال فے کی منصفانہ تقسیم

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌo مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ لا کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ ط وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ج وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ج وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِo لِلْفُقَرَآءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَ اَمْوَالِھِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَo وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ھَاجَرَ اِلَیْھِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِھِمْ حَاجَۃً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ ط وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌo سورۃ الحشر آیت ۶ تا ۱۰

اور جو مال کہ لوٹادیا اللہ نے اپنے رسولؐ پر ان سے سو تم نے نہیں دوڑائے ان پر گھوڑے اور نہ اونٹ ولیکن اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے، جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول کے اور قرابت والے کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کے، تاکہ نہ آئے لینے دینے میں

دولت مندوں کے تم میں سے، اور جو دے تم کو رسول سو لے کو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو، اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے، واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی، وہ لوگ وہی ہیں سچے، اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے ہیں اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔

تفسیر :

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم الایہ، لفظ افاء، فئی سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں۔ اسی لئے دوپہر کے بعد جو چیزوں کا سایہ مشرق کی طرف لوٹتا ہے اس کو بھی فئی کہا جاتا ہے اموال غنیمت جو کفار سے حاصل ہوتے ہیں ان سب کی اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کے باغی ہونے کی وجہ سے ان کے اموال حق سرکار ضبط ہو جاتے ہیں اور ان کی ملکیت سے نکل کر پھر مالک حقیقی حق تعالیٰ کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے حاصل ہونے کو افاء کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ اس کا تقاضا یہ تھا

کہ کفار سے حاصل ہونے والے تمام قسم کے اموال کو فیٔ ہی کہا جاتا مگر جو مال جہاد و قتال کے ذریعہ حاصل ہوا اس میں انسانی عمل اور جدو جہد کو بھی ایک قسم کا دخل ہے اس لئے اس کو تو لفظ غنیمت سے تعبیر فرمایا گیا **واعلموا انما غنمتم من شی ء** لیکن جس کے حصول میں جہاد و قتال کی بھی کوئی ضرورت نہ پڑی اس کو لفظ فیٔ سے تعبیر فرمایا گیا۔ اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ جو مال بغیر جہاد و قتال کے حاصل ہوا ہے وہ مجاہدین و غانمین میں مالِ غنیمت کے قانون کے مطابق تقسیم نہیں ہوگا بلکہ اس میں کلی اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوگا جس کو جتنا چاہیں عطا فرمادیں یا اپنے لئے رکھیں البتہ یہ پابندی لگادی گئی کہ چند اقسام مستحقین کی متعین کردی گئیں کہ اس مال کی تقسیم انہی اقسام میں دائر رہنی چاہئے۔ اس کا بیان اگلی آیت میں اس طرح فرمایا **ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری** اس میں اہل قری سے مراد بنو نضیر اور ان جیسے دوسرے قبائل بنو قریظہ وغیرہ ہیں جن کے اموال بغیر قتال کے حاصل ہوئے آگے مصارف و مستحقین کی پانچ قسمیں بتلائی گئی ہیں جن کا بیان آگے آتا ہے۔

آیات مذکورہ میں فیٔ کے احکام اس کے مستحقین اور ان میں تقسیم کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے۔ سورہ انفال کے شروع میں مالِ غنیمت اور فیٔ کا فرق واضح طور پر بیان ہو چکا ہے کہ غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو کفار سے جہاد و قتال کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ہاتھ آتا ہے اور فیٔ وہ مال ہے جو بغیر جہاد و قتال کے ان سے حاصل ہو خواہ اس طرح کہ وہ اپنا مال چھوڑ کر بھاگ گئے یا رضامندی سے بصورت جزیہ و خراج یا تجارتی ڈیوٹی وغیرہ کے ذریعہ ان سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کی کچھ تفصیل شروع سورہ انفال میں معارف القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۷۴ میں اور مزید تفصیل اسی سورہ انفال کی آیت ۴۱ کے تحت معارف القرآن جلد

چہارم صفحہ ۲۳۶ میں لکھی جاچکی ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ سورہ انفال کی آیت ۴۱ میں جو الفاظ خمس غنیمت کے متعلق آئے ہیں تقریبا وہی الفاظ یہاں مال فئی کے بارے میں ہیں سورہ انفال میں ہے :۔ واعلمو انما غنمتم من شی ء فان لله خمسه و للرسول و لذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل۔

ان دونوں آیتوں میں مال کے حقداروں میں چھ نام ذکر کئے گئے اللہ، رسول، ذوی القربیٰ، یتیم، مسکین، مسافر یہ ظاہر ہے کہ اللہ جل شانہ تو دنیا و آخرت اور تمام مخلوقات کا مالک حقیقی ہے اس کا نام مبارک تو حصوں کے بیان میں محض تبرکاً اس فائدہ کے لئے ہے کہ اس سے مال کی شرافت و فضیلت اور حلال و طیب ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے حسن بصری، قتادہ، عطا، ابراہیم، شعبی اور عام مفسرین کا یہی قول ہے۔ (مظہری)

اللہ جل شانہ کا نام ذکر کرنے سے اس مال کی فضیلت و شرافت کی طرف اشارہ کس طرح ہوا اس کا تفصیلی بیان سورہ انفال کی تفسیر میں ہو چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لئے مال صدقہ جو مسلمانوں سے حاصل ہوتا ہے، وہ بھی حلال نہیں فرمایا۔ مال غنیمت اور فئی جو کافروں سے حاصل ہوا اس پر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیسے حلال ہوا؟ اس شبہ کا ازالہ اللہ جل شانہ کا نام اس جگہ ذکر کر کے اس طرح کیا گیا کہ در حقیقت ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے فضل سے ایک خاص قانون کے تحت انسانوں کو حق ملکیت دیا ہے۔ لیکن جو انسان باغی ہو جائیں ان کو صحیح راستہ پر لانے کے لئے اول تو انبیاء علیہم السلام اور آسمانی ہدایات بھیجی گئیں۔ جو ان سے بھی متاثر نہیں ہوئے ان کو یہ حق دیا گیا

کہ کم از کم اسلامی قانون کی اطاعت قبول کرلیں اور مقرر جزیہ و خراج اپنے مال میں سے حکومت کو ادا کیا کریں۔ جن لوگوں نے اس سے بھی بغاوت کی ان کے مقابلہ میں جہاد و قتال کا حکم ہو گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی جان اور مال قابل احترام نہیں ان کے اموال حق حکومت الہیہ ضبط ہو گئے اور بذریعہ جہاد و قتال جو مال ان سے حاصل ہو اوہ کسی انسان کی ذاتی ملکیت نہیں رہا بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ملک میں واپس ہو گیا اور لفظ فیٔ میں اس مفہوم کی طرف اشارہ بھی ہے کہ اس کے اصلی معنی لوٹنے ہی کے ہیں اس مال کو فیٔ اس لئے کہا گیا کہ یہ اصل مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کی ملکیت کی طرف لوٹ گیا۔ اب اس میں کسی انسانی ملکیت کا کوئی دخل نہیں اس کے بعد جن مستحقین کو اس میں کوئی حصہ دیا جائے یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گا اس لئے ایسا ہی حلال طیب ہو گا جیسے پانی اور خود اگنے والی گھاس جو براہ راست حق تعالیٰ کا عطیہ انسان کے لئے ہے اور حلال طیب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام اس جگہ ذکر کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ سارا مال دراصل اللہ کا ہے اس کی طرف سے مستحقین کو دیا جاتا ہے یہ کسی کا صدقہ و خیرات نہیں۔

اب مستحقین اور مصارف کل پانچ رہ گئے (۱) رسول، (۲) ذوی القربیٰ (۳) یتیم (۴) مسکین (۵) مسافر یہی پانچ مصارف مال غنیمت کے خمس کے ہیں جس کا بیان سورہ انفال میں آیا ہے اور یہی مصارف مال فیٔ کے ہیں اور دونوں کا حکم یہ ہے کہ یہ سب اموال درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء کے مکمل اختیار میں ہوتے ہیں وہ چاہیں تو ان سب اموال کو عام مسلمانوں کے مفاد کے لئے روک لیں اور بیت المال میں جمع کردیں کسی کو کچھ نہ دیں اور چاہیں تقسیم کردیں

البتہ تقسیم کیے جاویں تو ان پانچ اقسام میں دائر رہیں۔ (قرطبی)

خلفائے راشدینؓ اور دوسرے صحابہ کرام کے تعامل سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو مال فئی آپؐ کے اختیار میں تھا آپؐ کی صواب دید کے مطابق صرف کیا جاتا تھا۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء کے اختیار اور صواب دید پر رہا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حصہ اس مال میں رکھا گیا تھا وہ آپؐ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا۔ ذوی القربی کو اس مال میں سے دینے کی دو وجہ تھیں ایک نصرت رسولؐ اسلامی کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا اس لحاظ سے اغنیاء ذوی القربی کو بھی اس میں سے حصہ دیا جاتا تھا۔

دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربی پر مال صدقہ حرام کر دیا گیا ہے تو ان کے فقرا و مساکین کو صدقہ کے بدلہ میں مال فئی سے حصہ دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نصرت و امداد کا سلسلہ ختم ہو گیا تو یہ وجہ باقی نہ رہی اس لئے اغنیاء ذوی القربی کا حصہ بھی حصہ رسولؐ کی طرح ختم ہو گیا البتہ فقراء ذوی القربی کا حصہ بحیثیت فقر و احتیاج کے اس مال میں باقی رہا اور وہ اس مال میں دوسرے فقراء و مساکین کے مقابلہ میں مقدم رکھے جاویں گے (کذا فی الہدایہ) اس کی پوری تفصیل سورہ انفال میں آچکی ہے۔

کیلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم، دولة بضم دال اس مال کو کہا جاتا ہے جس کا آپس میں لین دین کیا جائے (قرطبی) معنی آیت کے یہ ہیں کہ مال فئے کے مستحقین اس لئے متعین کر دیئے تاکہ یہ مال تمہارے مالداروں اور تونگروں میں گردش کرنے والی دولت نہ بن جائے۔ اس میں اشارہ اس رسم جاہلیت کو مٹانے کی

طرف ہے جس میں اس طرح کے تمام اموال پر رئیس خود قابض و مالک ہو جاتا تھا۔ غریبوں، مسکینوں کے حق کا اس میں کوئی حصہ نہ رہتا تھا۔

اکتنازِ دولت پر اسلامی قوانین کی ضرب کاری:

حق تعالی رب العالمین ہے اس کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے انسانی ضروریات میں تمام انسانوں کا یکساں حق ہے اس میں مومن و کافر کا بھی فرق نہیں کیا گیا۔ خاندانی اور طبقاتی امیر و غریب کا کیا امتیاز ہوتا اللہ تعالی نے دنیا میں تقسیم دولت کا بہت بڑا حصہ جو انسان کی فطری اور اصلی ضروریات پر مشتمل ہے اس کی تقسیم خود اپنے دست قدرت میں رکھ کر اس طرح فرمائی ہے کہ اس سے ہر طبقہ ہر خطہ ہر کمزور و قوی یکساں فائدہ اٹھا سکے۔ ایسی اشیاء کو اللہ جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ سے عام انسانی دستبرد اور قبضہ و تسلط سے مافوق بنادیا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس پر ذاتی قبضہ جما سکے۔ ہوا، فضاء، آفتاب، ماہتاب اور سیاروں کی روشنی فضاء میں پیدا ہونے والے بادل ان کی بارش یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے بغیر انسان تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان سب کو قدرت حق سبحانہ و تعالی نے ایسے وقف عام بنادیا کہ کوئی بڑی سے بڑی حکومت و طاقت اس پر قبضہ نہیں جما سکتی۔ یہ چیزیں اللہ کی مخلوق کو ہر جگہ یکساں ملتی ہیں۔

اشیاء ضرورت کی دوسری قسط زمین سے نکلنے والا پانی اور کھانے کی چیزیں ہیں۔ یہ اگرچہ اتنی عام نہیں مگر اسلامی قانون میں پہاڑوں اور غیر آباد جنگلوں اور قدرتی چشموں کو وقف عام چھوڑ کر ایک خاص قانون کے تحت خاص خاص انسانوں کو زمین کے بعض حصوں پر جائز حق ملکیت بھی دیا جاتا ہے اور ناجائز قبضہ و تسلط جمانے والے بھی زمین پر قبضہ جما لیتے ہیں لیکن قدرتی طور پر زمین کے فوائد کوئی بڑا سرمایہ دار بھی

بغیر غریبوں، کسانوں مزدوروں کو ساتھ لئے حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لئے ایک گونہ قبضہ کے باوجود وہ اس میں دوسرے کمزور غریبوں کو حصہ دینے پر مجبور ہے۔

تیسری قسط سونا چاندی روپیہ پیسہ ہے جو اصلی اور فطری ضروریات میں داخل نہیں مگر حق تعالی نے اس کو تمام ضروریات کی تحصیل کا ذریعہ بنادیا ہے اور یہ معادن سے نکالنے کے بعد خاص قانون کے تحت نکالنے والوں کی ملکیت ہو جاتا ہے اور ان سے ان کی ملکیت مختلف طریقوں پر دوسروں کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے اور اگر اس کی گردش پورے انسانوں میں خاطر خواہ ہوتی رہے تو کوئی انسان بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ مال سے صرف خود ہی فائدہ اٹھائے دوسروں تک اس کا فائدہ نہ پہونچے، اس بخل و حرص نے دنیا میں اکتناز دولت اور سرمایہ پرستی کے پرانے اور نئے بہت سے طریقے ایجاد کرائے جن کے ذریعہ ان دولت کی گردش صرف سرمایہ داروں اور بڑے لوگوں کے ہاتھوں تک محدود ہو کر رہ گئی۔ عام غریب مساکین محروم کردیئے گئے جس کے رد عمل نے دنیا میں کمیونزم اور سوشلزم جیسے نامعقول طریقے ایجاد کئے۔

اسلامی قانون نے ایک طرف تو شخصی ملکیت کا اتنا احترام کیا کہ ایک شخص کے مال کو اس کی جان کی برابر اور جان کو بیت اللہ کی حرمت کے برابر قرار دیا اس پر کسی کے ناجائز تصرف کو شدت سے روکا اور دوسری طرف جو ہاتھ ناجائز طور پر اس کی طرف بڑھا وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا تیسری طرف ایسے تمام دروازے بند کردیئے کہ قدرتی وسائل سے حاصل ہونے والی چیزوں پر کوئی خاص شخص یا جماعت قبضہ کر کے بیٹھ جائے اور عوام کو محروم کردے۔

کسب واکتساب کے مروجہ طریقوں میں سود، سٹہ، جو ایسی چیزیں ہیں کہ ان

کے ذریعہ دولت سمٹ کر چند افراد اشخاص میں دائر ہو کر رہ جاتی ہے ان سب کو سخت حرام قرار دے کر تمام معاملات تجارت اور کرایہ داری وغیرہ میں ان کی جڑ کاٹ دی اور جو دولت کسی شخص کے پاس جائز طریقوں سے جمع ہوئی اس میں بھی غریبوں فقیروں، کے حقوق زکوۃ عشر، صدقۃ الفطر کفارات وغیرہ مقرر فرائض کی صورت میں اور اس سے زائد رضاکارانہ صورت میں قائم فرمادیئے اور ان سب اخراجات کے بعد بھی جو کچھ انسان کے مرنے کے وقت تک باقی رہ گیا اس کو ایک خاص حکیمانہ اصول کے مطابق تقسیم کردیا کہ اس کا حق دار اسی مرنے والے کے رشتہ داروں کو اقرب فالاقرب کے اصول پر بنادیا اس کو عام فقراء میں تقسیم کرنے کا قانون اس لئے نہ بنایا کہ ایسا ہوتا تو مرنے والا اپنے مرنے سے پہلے ہی اس کو جا و بے جا خرچ کر کے فارغ ہونے کی خواہش طبعی طور پر رکھتا اپنے بھی خویش و عزیز کو ملتا دیکھ کر یہ داعیہ اس کے دل میں پرورش نہ پائے گا۔

یہ طریقے تو کسب و اکتساب کے عام مروجہ طریقوں میں اکتناز دولت سے بچانے کا اختیار کیا دوسرا طریقہ دولت حاصل ہونے کا جنگ و جہاد ہے اس سے حاصل ہونے والے اموال میں وہ تقسیم شرعی جاری فرمادی جس کا ذکر کچھ سورہ انفال میں گذرا ہے اور کچھ اس سورت میں بیان ہوا ہے کیسے بے بصیرت ہیں وہ لوگ جو اسلام کے اس منصفانہ عادلانہ اور حکیمانہ نظام کو چھوڑ کر نئے نئے ازموں کو اختیار کر کے امن عالم کو برباد کر رہے ہیں۔

ما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا واتقوا الله الآیہ۔ یہ آیت اگرچہ مال فئے کی تقسیم کے سلسلے میں آئی ہے اور اس سلسلے کے مناسب اس کا مفہوم یہ ہے کہ مال فئے میں اگرچہ اللہ تعالی نے مستحقین کے طبقات بیان کردیئے ہیں

مگر ان میں کس کو اور کتنا دیں اس کی تعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر رکھی ہے اس لئے مسلمانوں کو اس آیت میں ہدایت دی گئی کہ جس کو جتنا آپ عطا فرما دیں اس کو راضی ہو کر لے لیں اور جو نہ دیں اس کی فکر میں نہ پڑیں آگے اس کو اتقوا اللہ کے حکم سے موکد کر دیا کہ اگر اس معاملے میں کچھ غلط حیلے بہانے بنا کر زائد وصول کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے وہ اس کی سزا دے گا۔

حکم رسولؐ مثل حکم قرآن کے واجب التعمیل ہے

لیکن الفاظ آیت عام ہیں صرف اموال کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ احکام بھی اس میں داخل ہیں اس لئے عام انداز میں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو کوئی حکم یا مال یا اور کوئی چیز آپؐ کسی کو عطا فرما دیں وہ اس کو لے لینا چاہئے اور اس کے مطابق عمل کے لئے تیار ہو جانا چاہئے اور جس چیز سے روک دیں اس سے رکنا چاہئے۔

بہت سے صحابہ کرام نے اسی عام مفہوم کو اختیار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو اس آیت کی بناء پر قرآن ہی کا حکم اور واجب التعمیل قرار دیا ہے۔ قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں آتی کے بالمقابل نہی کا لفظ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتی کے معنی یہاں امر کے ہیں جو نہی کا صحیح مقابل ہے۔ (اھ) اور قرآن کریم نے نہی کے مقابل میں امر کے لفظ کو چھوڑ کر اتی کا لفظ استعمال شاید اس لئے فرمایا تاکہ جس مضمون کے سیاق میں یہ آیت آئی ہے یعنی مال فئے کی تقسیم اس پر بھی آیت کا مضمون شامل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو حکم دیا کہ یہ کپڑے اتار دو۔ اس شخص نے کہا کہ آپ اس کے متعلق مجھے قرآن کی کوئی آیت بتا سکتے ہیں؟ جس میں سلے ہوئے کپڑوں کی ممانعت ہو۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہاں وہ آیت میں بتاتا ہوں پھر یہی آیت ما اتاکم الرسول پڑھ کر سنا دی۔ امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب قرآن سے دے سکتا ہوں پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک محرم نے زنبور (تتیا) مار ڈالا تو اس کا کیا حکم ہے ؟ امام شافعیؒ نے یہی آیت ما اتاکم الرسول تلاوت کر کے حدیث سے اس کا حکم بیان فرمادیا۔ (قرطبی)

للفقراء المهاجرين ان چند آیات میں آخر رکوع تک فقراء مہاجرین و انصار اور ان کے بعد آنے والی عام امت کے افراد کا بیان ہے۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے للفقراء کو لذی القربی کا بدل قرار دیا گیا جو اس سے پہلی آیت میں مذکور ہے (مظہری) اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ پچھلی آیت میں کو عام یتیموں، مساکین اور مسافرین کو ان کے فقر و احتیاج کی بناء پر مال فئی کے مستحقین میں شمار کیا گیا ہے ان آیات میں اس کی مزید تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ اگرچہ حقدار اس مال میں تمام ہی فقراء و مساکین ہیں لیکن پھر ان میں یہ حضرات اور سب لوگوں سے مقدم ہیں جن کی دینی خدمات اور ذاتی اوصاف و کمالات دینیہ معروف ہیں۔

اموال صدقات میں صلحاء اور دینی خدمات انجام دینے والے حاجت مندوں کو مقدم کیا جاتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اموال صدقات خصوصا مال فئے اگرچہ عام فقراء مسلمین کی حاجت رفع کرنے کے لئے ہیں لیکن ان میں بھی نیک صالح دیندار خصوصا دینی خدمات انجام دینے والے طلباء علماء اوروں سے مقدم رکھے جاویں۔ اسی لئے اسلامی حکومتوں میں تعلیم و تبلیغ اور اصلاح خلق میں مشغول علماء اور مفتیوں قاضیوں کو ان کے گذارہ کے اخراجات مال فئے ہی سے دینے کا رواج تھا کیونکہ ان آیات میں صحابہ

کرام میں بھی اول دو درجے قائم کئے گئے۔ ایک مہاجرین جنہوں نے سب سے پہلے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بڑی قربانیاں پیش کیں اور اسلام کے لئے بڑے مصائب جھیلے بالآخر وجائیداد وطن اور تمام خویش واقرباء کو خیر باد کہہ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی دوسرے انصار مدینہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھ آنے والے مہاجرین حضرات کو بلا کر دنیا کو اپنا مخالف بنایا اور ان حضرات کی ایسی میزبانی کی کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ ان دونوں طبقوں کے بعد تیسرا درجہ ان مسلمانوں کا قرار دیا جو حضرات صحابہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے اور ان کے نقش قدم پر چلے جس میں قیامت تک آنے والے مسلمان سب شریک ہیں ان تینوں طبقات کے کچھ فضائل وکمالات اور دینی خدمات کا بیان ہے۔

فضائل مہاجرین:

الذین اخرجوا من دیارھم و اموالھم یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا و ینصرون اللہ و رسولہ اولئک ھم الصدقون۔

اس میں مہاجرین کا پہلا وصف یہ بیان فرمایا کہ ان کو ان کے وطن اور مال وجائداد سے نکال دیا گیا یعنی کفار مکہ نے صرف اس جرم میں کہ یہ لوگ مسلمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی ومددگار ہوگئے تھے ان پر طرح طرح کے مظالم کئے یہاں تک کہ وہ اپنا وطن اور مال جائداد چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے بعض لوگ بھوک سے مجبور ہوکر پیٹ کو پتھر باندھ لیتے تھے اور بعض لوگ سردی کا سامان نہ ہونے کے سبب زمین میں گڑھا کھود کر اس میں سردی سے بچتے تھے۔ (مظہری)

☆☆☆

ایک اہم مسئلہ :

مسلمانوں کے اموال پر کفار کے قبضہ کا حکم

اس آیت میں حضرات مہاجرین کو فقراء فرمایا ہے اور فقیر وہ شخص ہوتا ہے جس کی ملک میں کچھ نہ ہو یا کم از کم بقدرِ نصاب کوئی چیز نہ ہو حالانکہ حضرات مہاجرین میں سے اکثر مکہ مکرمہ میں اصحابِ اموال و جائداد تھے۔ اگر ہجرت کے بعد بھی وہ اموال ان کی ملکیت ہوتے تو ان کو فقراء کہنا درست نہ ہوتا۔ قرآن کریم نے ان کو فقراء فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ ہجرت کے بعد ان کی جائداد اور مال جو مکہ میں چھوڑ آئے اور کفار نے ان پر قبضہ کر لیا وہ ان کے ملک سے نکل گئے۔

اسی لئے امام اعظم ابو حنیفہؒ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر مسلمان کسی جگہ ہجرت کر کے چلے آویں اور ان کے مال و جائداد کر کفار قابض ہو جائیں یا خدانخواستہ کسی دار الاسلام پر وہ غالب آکر مسلمانوں کے اموال و جائداد چھین لیں تو یہ اموال و جائداد کفار کے مکمل قبضہ مالکانہ کے بعد انہی کی ملک ہو جاتے ہیں ان کے تصرفات بیع و شراء ان اموال مسلمین میں نافذ ہوتے ہیں۔ روایاتِ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ تفسیر مظہری میں اس جگہ وہ سب روایات نقل کی ہیں۔

دوسری صفت مہاجرین کی اس آیت میں یہ ذکر فرمائی ہے یبتغون فضلاً من اللہ و رضواناً یعنی ان کے اسلام میں داخل ہونے اور پھر ہجرت کر کے مال وطن کو چھوڑنے کی کوئی دنیاوی غرض نہ تھی بلکہ صرف اللہ کا فضل و رضا مطلوب تھی جس سے ان کا کمال اخلاص معلوم ہوا۔ لفظ فضل عموماً دنیوی نعمت کے لئے اور رضوان آخرت کی نعمت کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس لئے مفہوم یہ ہوا کہ ان حضرات نے اپنے تمام سابقہ اسباب عیش مکان، جائداد وغیرہ کو تو چھوڑ دیا اب دنیاوی

ضروریات بھی اور آخرت کی نعمتیں بھی صرف اسلام کے سایہ میں مطلوب تھیں اور دنیا کی ضروریات زندگی بھی اللہ ورسول کی رضا کے تحت حاصل کرنا مقصود تھا۔

تیسرا وصف حضرات مہاجرین کا یہ بیان فرمایا و ینصرون اللہ و رسولہ یعنی یہ سب کام انہوں نے اس لئے اختیار کئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کریں۔ اللہ کی مدد سے مراد اس کے دین کی مدد ہے جس میں انہوں نے حیرت انگیز قربانیاں پیش کیں۔

چوتھا وصف ان کا اولئک ھم الصادقون یعنی یہی لوگ قول و عمل کے سچے ہیں۔ کلمہ اسلام پڑھ کر جو عہد اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھا تھا اس میں بالکل پورے اترے۔ اس آیت نے تمام صحابہ مہاجرین کے صادق ہونے کا عام اعلان کر دیا۔ جو شخص ان میں سے کسی کو جھوٹا قرار دے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اس آیت کا منکر ہے معاذ اللہ۔ روافض جو ان حضرات کو منافق کہتے ہیں یہ اس آیت کی کھلی تکذیب ہے۔ ان حضرات مہاجرین کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ مقام تھا کہ اپنی دعاؤں میں اللہ تعالی سے ان فقراء مہاجرین کا وسیلہ دے کر دعا فرماتے تھے۔ (کما رواہ البغوی، مظہری)

فضائل انصارؓ :

والذین تبوء والدار والایمان من قبلھم۔ الایہ۔ تبوء کے معنی ٹھکانے بنانے کے ہیں اور دار سے مراد ہجرت یا دار ایمان یعنی مدینہ طیبہ ہے۔

مدینہ طیبہ کی ایک خاص فضیلت

اسی لئے حضرت امام مالکؒ ایک حیثیت سے مدینہ طیبہ کو باقی دنیا کے سب شہروں سے افضل قرار دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ دنیا کے تمام شہر اور ملک جہاں جہاں

اسلام پہنچا اور پھیلا ہے سب جہاد کے ذریعہ فتح ہوئے ہیں یہاں تک کہ مکہ مکرمہ بھی بجز مدینہ طیبہ کے یہ صرف ایمان سے فتح ہوا ہے (قرطبی)

اس آیت میں تبو کے تحت میں دار کے ساتھ ایمان کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ حالانکہ ٹھکانا پکڑنے کا تعلق کسی مقام اور جگہ سے ہوتا ہے۔ ایمان کوئی ایسی چیز نہیں جس میں ٹھکانا پکڑا جائے۔ اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے یعنی اخلصوا یا تمکنوا مطلب یہ ہوگا کہ یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے دار الہجرت میں ٹھکانا بنایا اور ایمان میں مخلص اور مضبوط ہوئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں استعارہ کے طور پر ایمان کو ایک محفوظ مکان سے تشبیہ دے کر اس میں پناہ گزین ہو جانے کو بیان فرمایا ہو۔ اور لفظ من قبلھم یعنی مہاجرین سے پہلے کا مطلب یہ ہے کہ ان انصار مدینہ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شہر اللہ کے نزدیک دار الہجرت اور دار الایمان بننے والا تھا اس میں ان لوگوں کا قیام و قرار مہاجرین سے پہلے ہو چکا تھا اور مہاجرین کے یہاں منتقل ہونے سے پہلے ہی یہ حضرات ایمان قبول کر کے اس میں پختہ ہو چکے تھے۔

دوسری صفت : حضرات انصار کی اس آیت میں یہ بیان کی گئی ہے یحبون من ھاجر. الیھم یعنی یہ حضرات ان لوگوں سے محبت رکھتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے شہر میں چلے آئے ہیں جو عام دنیا کے انسانوں کے مزاج کے خلاف ہے۔ ایسے اجڑے ہوئے خستہ حال لوگوں کو اپنی بستی میں جگہ دینا کون پسند کرتا ہے، ہر جگہ ملکی اور غیر ملکی کے سوالات کھڑے ہوتے ہیں مگر ان حضرات انصار نے صرف یہی نہیں کیا کہ ان کو اپنی بستی میں جگہ دی بلکہ اپنے مکانوں میں آباد کیا اور اپنے اموال میں حصہ دار بنایا اور اس طرح عزت و احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا کہ ایک ایک مہاجر

کو اپنے پاس جگہ دینے کے لئے کئی کئی انصاری حضرات نے درخواست کی یہاں تک کہ قرعہ اندازی کرنا پڑی قرعہ کے ذریعہ جو مہاجر جس انصاری کے حصہ میں آیا اس کو سپرد کیا گیا۔ (مظہری)

تیسرا وصف حضرات انصار کا یہ بیان فرمایا ولایجدون فی صدورھم حجۃ مما اوتوا اس جملے کا تعلق ان خاص واقعہ سے ہے جو بنو نضیر کے جلاوطن ہونے اور ان کے باغات و مکانات پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے کے وقت پیش ایا۔

اموال بنو نضیر کی تقسیم کا واقعہ

صورت یہ تھی کہ جب اس آیت میں اموال فئے کی تقسیم مہاجرین و انصار وغیرہ میں کرنے کا اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا گیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ مہاجرین کے پاس نہ اپنا کوئی مکان تھا نہ جائداد۔ وہ حضرات انصار کے مکانوں میں رہتے اور انہی کی جائدادوں میں محنت مزدوری کر کے گذارہ کرتے تھے۔ جب بنو نضیر اور بنو قینقاع کے اموال بطور فئے کے مسلمانوں کو حاصل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارِ مدینہ کے سردار ثابت بن قیس بن شماسؓ کو بلا کر فرمایا کہ اپنی قوم انصار کو میرے پاس بلا دو۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے اپنے قبیلہ خزرج کو یا سب انصار کو؟ آپ نے فرمایا سب ہی کو بلانا ہے۔ یہ حضرات سب جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں حمد و صلوۃ کے بعد انصارِ مدینہ کی اس بات پر مدح و ثناء فرمائی کہ انہوں نے جو سلوک اپنے مہاجرین بھائیوں کے ساتھ کیا، وہ بڑے عزم و ہمت کا کام تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے بنو نضیر کے اموال آپ لوگوں کو دے دیئے ہیں اگر آپ چاہیں تو میں ان اموال کو مہاجرین و انصار سب میں تقسیم کر دوں اور مہاجرین بدستور سابق آپ کے

مکانوں میں رہائش پذیر رہیں اور آپ چاہیں تو ایسا کیا جائے کہ یہ بے گھر و بے زر لوگ ہیں۔ یہ اموال صرف ان میں تقسیم کر دیئے جائیں اور یہ لوگ آپ کے گھروں کو چھوڑ کر الگ اپنے اپنے گھر بسالیں۔

یہ سن کر انصارِ مدینہ کے دو بڑے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہؐ ہماری رائے یہ ہے کہ یہ سب اموال بھی صرف مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرمادیجئے اور وہ پھر بھی ہمارے مکانوں میں بدستور مقیم رہیں۔ ان کی بات سن کر تمام حاضرین انصار بول اٹھے کہ ہم اس فیصلے پر راضی اور خوش ہیں۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصار اور ابناء انصار کو دعا دی اور ان اموال کو صرف مہاجرین میں تقسیم فرمادیا۔ انصار میں سے صرف دو حضرات کو جو بہت حاجت مند تھے اس میں سے حصہ عطا فرمایا یعنی سہل بن حنیفؓ اور ابو دجانہؓ اور سعد بن معاذؓ کو ایک تلوار عطا فرمائی جو ابن ابی الحقیق کی ایک ممتاز تلوار تھی (مظہری حوالہ سبیل الرشاد محمد بن یوسف الصالحی)

آیت مذکورہ میں جو یہ ارشاد فرمایا **لا یجدون فی صدورھم حاجة مما اوتوا** اس میں حاجت سے مراد ہر ضرورت کی چیز ہے اور **مما اوتوا** کی ضمیر مہاجرین کی طرف راجع ہے۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ اس تقسیم میں جو کچھ مہاجرین کو دے دیا گیا انصار مدینہ نے خوشی سے اس کو اس طرح قبول کیا کہ گویا ان کو ان چیزوں کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ ان کو دینے سے برا ماننا یا شکایت کرنا اس کا تو دور دور کوئی امکان ہی نہ تھا اس کے بالمقابل جب بحرین فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ یہ پورا مال صرف انصار کے تقسیم کر دیا جائے مگر انصار نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ عرض کیا کہ ہم اس وقت تک نہ لیں گے جب تک ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اس میں سے حصہ نہ

دیا جائے (رواہ البخاری عن انس بن مالکؓ، از ابن کثیر)

چوتھا وصف: انصار مدینہ رضی اللہ عنہم کا اس آیت میں یہ ذکر فرمایا ہے: **و یوثرون علے انفسھم ولو کان بھم خصاصة** — **خصاصه** کے معنی فقرہ و فاقہ کے ہیں اور ایثار کے معنی دوسروں کی خواہش اور حاجت کو اپنی خواہش و حاجت پر مقدم رکھنے کے ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ حضرات انصار اپنے اوپر دوسروں کو یعنی مہاجرین کو ترجیح دیتے تھے کہ اپنی حاجت و ضرورت کو پورا کرنے سے پہلے ان کی حاجت کو پورا کرتے تھے اگرچہ یہ خود حاجت مند اور فقر و فاقہ میں ہوں۔

حضرات صحابہ خصوصا انصارؓ کے ایثار کے چند واقعات:

اگرچہ تفسیر آیات کے لئے بیان واقعات کی ضرورت نہیں مگر یہ واقعات ہر انسان کو اعلی انسانیت کا سبق دینے والے اور زندگی میں انقلاب لانے والے ہیں اس لئے حضرات مفسرین نے اس موقع پر ان کو تفصیل سے لکھا ہے خصوصا قرطبیؒ نے اسی سے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری کے گھر رات کو کوئی مہمان آگیا۔ ان کے پاس صرف اتنا کھانا تھا کہ یہ خود اور ان کے بچے کھا سکیں۔ انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچوں کو تو کسی طرح سلادو اور گھر کا چراغ گل کردو پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر برابر بیٹھ جاؤ کہ مہمان سمجھے کہ ہم بھی کھا رہے ہیں مگر ہم نہ کھائیں تاکہ مہمان بافراغت کھانا کھا سکے۔ اس پر یہ آیت مذکورہ **یوثرون علی انفسھم** نازل ہوئی (قال الترمذی ہذا حسن صحیح)

اور ترمذی ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک دوسرا واقعہ منقول ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بھوک

سے پریشان ہوں۔ آپؐ نے ازواج مطہرات میں سے ایک کے پاس اطلاع بھیجی تو ان کا جواب آیا کہ ہمارے پاس تو اس وقت بجز پانی کے کچھ نہیں۔ دوسری کے پاس پیغام بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ پھر تیسری، چوتھی یہاں تک کہ تمام امہات المومنین کے پاس بھیجا اور سب کا ایک ہی جواب آیا کہ پانی کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں۔ اب آپ نے حاضرینِ مجلس سے خطاب فرمایا کہ کون ہے جو آج رات اس شخص کی مہمانی کرے۔ ایک انصاری نے عرض کیا یارسول اللہؐ میں کروں گا ان کو ساتھ لے گئے اور جا کر گھر میں پوچھا کے کھانے کے لئے کچھ ہے تو بیوی نے بتلایا کہ صرف اتنا ہے کہ ہمارے بچے کھالیں۔ انصاری بزرگ نے بچوں کو سلا دینے کے لئے فرمایا اور فرمایا کہ مہمان کے سامنے کھانا رکھنے اور خود ساتھ بیٹھ جانے کے بعد اٹھ کر چراغ گل کر دینا کہ ہمارے نہ کھانے کا مہمان کو احساس نہ ہو۔ مہمان نے کھانا کھالیا جب یہ صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے تمہارے اس معاملہ کو جو تم نے گذشتہ رات اپنے مہمان کے ساتھ کیا بہت پسند فرمایا۔

اور مہدوی نے ایک ایسا ہی واقعہ ایک انصاری بزرگ کا حضرت ثابت بن قیسؓ کے ساتھ رات کو چراغ گل کر کے کھانا کھلانے کا ذکر کیا ہے اور تمام واقعات کے ساتھ روایت میں یہ بھی ہے کہ آیت مذکورہ اس واقعہ میں نازل ہوئی۔

اور قشیری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک بزرگ کو کسی شخص نے ایک بکری کا سر بطور ہدیہ پیش کیا اس بزرگ نے خیال کیا کہ ہمارا فلاں بھائی اور اس کے اہل و عیال ہم سے زیادہ ضرورت مند ہیں یہ سر ان کے پاس بھیج دیا۔ اس دوسرے بزرگ کے پاس پہنچا تو اسی طرح انہوں نے تیسرے

کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیج دیا یہاں تک کہ سات گھروں میں پھرنے کے بعد پھر پہلے بزرگ کے پاس واپس آگیا۔ اس واقعہ پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں یہی واقعہ ثعلبیؒ نے حضرت انسؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

موطا امام مالکؒ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مسکین نے ان سے سوال کیا ان کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی اور ان کا اس روز روزہ تھا آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ یہ روٹی اس کو دے دو۔ خادمہ نے کہا کہ اگر یہ دے دی گئی تو شام کو آپ کے افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہ رہے گی۔ حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ پھر بھی دے دو۔ یہ خادمہ کہتی ہیں کہ جب شام ہوئی تو ایک ایسے شخص نے جس کی طرف سے ہدیہ دینے کی کوئی رسم نہ تھی ایک سالم بکری بھنی ہوئی اور اس کے اوپر آٹے میدے کا خول چڑھا ہوا پختہ جو عرب میں سب سے بہترین کھانا سمجھا جاتا ہے ان کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیا حضرت صدیقہؓ نے خادمہ کو بلایا کہ آؤ یہ کھاؤ یہ تمہاری اس روٹی سے بہتر ہے۔

اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ بیمار تھے اور انگور کو جی چاہا۔ ان کے لئے ایک درہم میں ایک خوشہ انگور کا خرید کر لایا گیا۔ اتفاق سے ایک مسکین آگیا اور سوال کیا آپ نے فرمایا کہ یہ خوشہ اس کو دے دو۔ حاضرین میں سے ایک شخص خفیہ طور پر اس کے پیچھے گیا اور خوشہ اس مسکین سے خرید کر پھر ابن عمرؓ کو پیش کر دیا مگر یہ سائل پھر آیا اور سوال کیا تو حضرت ابن عمرؓ نے پھر اس کو دے دیا پھر کوئی صاحب خفیہ طور پر گئے اور اس مسکین کو ایک درہم دے کر خوشہ خرید لائے اور حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ سائل پھر آنا چاہتا تھا لوگوں نے منع کر دیا اگر حضرت ابن عمرؓ کو یہ اطلاع ہوتی کہ یہ وہی خوشہ ہے جو انہوں نے صدقہ میں دے

دیا تھا تو ہر گز نہ کھاتے مگر ان کو یہ خیال ہوا کہ لانے والا بازار سے لایا ہے اس لئے استعمال فرمالیا۔

اور ابن مبارک نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے چار سو دینار ایک تھیلی میں بھر کر تھیلی غلام کے سپرد کی کہ ابو عبیدہ بن جراحؓ کے پاس لے جاؤ کہ ہدیہ ہے۔ قبول کر کے اپنی ضرورت میں صرف کریں اور غلام کو ہدایت کردی کہ ہدیہ دینے کے بعد کچھ دیر گھر میں ٹھیر جانا اور یہ دیکھنا کہ ابو عبیدہ اس رقم کو کیا کرتے ہیں۔ غلام نے حسبِ ہدایت یہ تھیلی حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں پیش کردی اور ذرا ٹھیر گیا۔ ابو عبیدہؓ نے تھیلی لے کر کہا کہ اللہ تعالی ان کو یعنی عمر بن خطابؓ کو اس کا صلہ دے اور ان پر رحمت فرمائے اور اسی وقت اپنی کنیزہ کو کہا کہ لو یہ سات فلاں شخص کو پانچ فلاں کو دے آؤ یہاں تک کہ پورے چار سو دینار اسی وقت تقسیم کر دیئے۔

غلام نے واپس آکر واقعہ بیان کردیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اسی طرح چار سو دینار کی ایک دوسری تھیلی تیار کی ہوئی غلام کو دے کر ہدایت کی کہ معاذ بن جبلؓ کو دے آؤ اور وہاں بھی دیکھو وہ کیا کرتے ہیں۔ یہ غلام لے گیا انہوں نے تھیلی لے کر حضرت عمرؓ کے حق میں دعا دی رحمہ اللہ ووصلہ یعنی اللہ ان پر رحمت فرمایئے اور ان کو صلہ دے اور یہ بھی تھیلی لے کر فورا تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئے اور اس کے بہت سے حصے کر کے مختلف گھروں میں بھیجتے رہے اور حضرت معاذؓ کی بیوی یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھیں آخر میں بولیں کہ ہم بھی تو خدا مسکین ہیں، ہمیں ہمیں بھی کچھ ملنا چاہئے اس وقت تھیلی میں صرف دو دینار رہ گئے تھے وہ ان کو دے دیئے۔ غلام یہ دیکھنے کے بعد لوٹا اور حضرت عمرؓ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سب بھائی بھائی ہیں۔ سب کا

مزاج ایک ہی ہے۔

اور حذیفہ عدویؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگ یرموک میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش شہداء کی لاشوں میں کرنے کے لئے نکلا اور کچھ پانی ساتھ لیا کہ اگر ان میں کچھ جان ہوئی تو پانی پلادوں گا۔ ان کے پاس پہنچا تو کچھ رمق زندگی کی باقی تھی۔ میں نے کہا کہ کیا آپ کو پانی پلادوں، اشارہ سے کہا کہ ہاں مگر فوراً ہی قریب سے ایک دوسرے شہید کی آواز آہ آہ کی آئی تو میرے بھائی نے کہا کہ یہ پانی ان کو دے دو۔ ان کے پاس پہونچا اور پانی دینا چاہا تو تیسرے آدمی کی آواز ان کے کان میں آئی۔ اس نے بھی اس تیسرے کو دینے کے لئے کہہ دیا اسی طرح یکے بعد دیگرے سات شہیدوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا جب ساتویں شہید کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکے تھے یہاں اس کے اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔

یہ چند واقعات ہیں جن میں کچھ انصار کے کچھ مہاجرین کے ہیں اکثر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آیت ایثار اس واقعہ میں نازل ہوئی مگر ان میں کوئی تضاد و اختلاف نہیں کیونکہ جس طرح کے واقعہ میں ایک آیت نازل ہو چکی ہے اگر اسی طرح کا کوئی دوسرا واقعہ پیش آجائے تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس میں یہ آیت نازل ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سبھی واقعات نزول آیت کا سبب یا مصداق ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات ایثار جو اوپر بیان ہوئے ہیں ان پر ایک شبہ روایات حدیث سے یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پورا مال صدقہ کر ڈالنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بیضہ کے برابر سونے کا ٹکڑا

بغرض صدقہ پیش کیا تو آپؐ نے اس کو اسی کی طرف پھینک کر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ اپنا سارا مال صدقہ کرنے کو لے آتے ہیں پھر محتاج ہو کر لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں۔

جواب اس شبہ کا انہی روایات سے یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ ہر حال کا حکم الگ ہے پورا مال صدقہ کر ڈالنے کی ممانعت ان لوگوں کے لئے ہے جو بعد میں فقر و فاقہ پر صبر نہ کر سکیں اپنے صدقہ کئے ہوئے پر پچھتائیں یا پھر لوگوں سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں اور وہ لوگ جن کی عزم و ہمت اور ثبات و استقلال کا یہ حال ہو کہ سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے بعد فقر و فاقہ پر انہیں کوئی پریشانی نہ ہو بلکہ ہمت کے ساتھ اس پر صبر کر سکتے ہیں ان کے لئے سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالنا جائز ہے جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک جہاد میں چندہ میں اپنا سارا مال پیش کر دیا تھا اسی کے نظائر یہ واقعات ہیں جو اس جگہ مذکور ہیں ایسے حضرات نے اپنے اہل و عیال کو بھی اس صبر و استقلال کا خوگر بنا رکھا تھا اس لئے اس میں ان کی بھی کوئی حق تلفی نہ تھی۔ اگر مال خود اہل و عیال کے قبضہ میں ہوتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتے۔ (قرطبی باضافہ اشیاء)

حضرات مہاجرین کی طرف سے ایثار انصار کی مکافات

دنیا میں کوئی اجتماعی کام یک طرفہ رواداری و ایثار سے قائم نہیں رہتا جب تک دونوں طرف سے اسی طرح کا معاملہ نہ ہو، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا اس کی ترغیب دی کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دے کر باہمی محبت بڑھایا کریں اسی طرح جن کو ہدیہ دیا گیا ہے ان کو یہ بھی تعلیم دی کہ تم بھی ہدیہ دینے والے کے احسان کی مکافات کرو۔ اگر مالی وسعت اللہ تعالیٰ عطا فرما دے تو مال سے

ورنہ دعا ہی سے اس کی مکافات کرو۔ بے حسی کے ساتھ کسی کے احسانات کا بار سر پر لیتے رہنا شرافت اور خلق کے خلاف ہے۔

حضرات مہاجرین کے معاملہ میں حضرات انصار نے بڑے ایثار سے کام لیا۔ اپنے مکانوں، دکانوں، کاروبار، زمین اور زراعت میں ان کو شریک کر لیا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کو وسعت عطا فرمائی تو انہوں نے بھی حضرات انصار کے احسانات کی مکافات میں کمی نہیں کی۔

قرطبی نے بحوالہ صحیحین حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آئے تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا اور انصار مدینہ زمین و جائداد والے تھے۔ انصار نے ان حضرات کو ہر چیز نصا نصف تقسیم کر دی۔ اپنے باغات کے آدھے پھل سالانہ ان کو دینے لگے اور حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے اپنے چند درخت کھجور کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیئے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید کی والدہ ام ایمن کو عطا فرما دیئے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ مجھے حضرت انس بن مالکؓ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کے جہاد سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہو کر مدینہ طیبہ واپس آئے (اس غزوہ میں مسلمانوں کو اموال غنیمت کافی مقدار میں ہاتھ آئے) تو سب مہاجرین نے حضرات انصار کے سب عطایا کا حساب کر کے ان کو واپس کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری والدہ کے درخت ام ایمن سے لے کر ان کو واپس کر دیئے اور اس کی جگہ ایمنؓ کو اپنے باغ میں سے درخت عطا فرمائے۔

ومن یوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون حضرات انصار کے ایثار اور اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے کا ذکر کرنے کے بعد عام ضابطہ ارشاد فرمایا کہ

جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچ گئے تو اللہ کے نزدیک وہ ہی فلاح و کامیابی پانے والے ہیں۔ لفظ شح اور بخل تقریبا ہم معنی ہیں۔ لفظ شح میں کچھ مبالغہ ہے کہ بہت شدید بخل کو کہا جاتا ہے۔ بخل و شح اگر حقوق واجبہ میں کیا جائے خواہ وہ اللہ کے حقوق ہوں جیسے زکوۃ، صدقہ الفطر، عشر، قربانی وغیرہ کہ ان کی ادائیگی میں بوجہ بخل کے کوتاہی کرے یا انسانوں کے حقوق واجبہ ہوں جیسے اہل و عیال کا نفقہ یا اپنے حاجت مند والدین اور عزیزوں کا نفقہ واجبہ جو بخل ان حقوق واجبہ کی ادائیگی سے مانع ہو وہ قطعاً حرام ہے اور جو امور مستحبہ اور فضائل انفاق سے مانع ہو وہ مکروہ و مذموم ہے اور جو محض رسمی چیزوں میں خرچ سے مانع ہو وہ شرعاً بخل نہیں۔

بخل و شح اور دوسروں پر حسد ایسی مذموم خصلتیں ہیں کہ قرآن و حدیث میں ان کی بڑی مذمت آتی ہے اور جو ان سے بچ جائے اس کے لئے بڑی بشارت ہے حضرات انصار کی جو صفات اوپر بیان ہوئی ہیں ان میں ان کا بخل و حسد سے بری ہونا واضح ہے۔

کینہ اور حسد سے پاک ہونا جنتی ہونے کی علامت ہے۔

ابن کثیر نے بحوالہ امام حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے :۔

”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تمہارے سامنے ایک شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے۔ چنانچہ ایک صاحب انصار میں سے آئے جن کی ڈاڑھی سے تازہ وضو کے قطرات ٹپک رہے تھے اور بائیں ہاتھ میں اپنے نعلین لئے ہوئے تھے۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور یہی شخص اسی حالت کے سامنے آیا تیسرے روز پھر یہی واقعہ پیش آیا اور یہی شخص اپنی مذکورہ حالت میں داخل ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھ

گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اس شخص کے پیچھے لگے (تاکہ اس کے اہل جنت ہونے کا راز معلوم کریں) اور ان سے کہا کہ میں نے کسی جھگڑے میں قسم کھالی ہے کہ میں تین روز تک اپنے گھر نہ جاؤں گا اگر آپ مناسب سمجھیں تو تین روز مجھے اپنے یہاں رہنے کی جگہ دے دیں۔ انہوں نے منظور فرمالیا، عبداللہ بن عمروؓ نے یہ تین راتیں ان کے ساتھ گذاریں تو دیکھا کہ رات کو تہجد کے لئے نہیں اٹھتے البتہ جب سونے کے لئے بستر پر جاتے تو کچھ اللہ کا ذکر کرتے تھے پھر صبح کی نماز کے لئے اٹھ جاتے تھے البتہ اس پورے عرصہ میں میں نے ان کی زبان سے بجز کلمہ خیر کے کوئی کلمہ نہیں سنا۔ جب تین راتیں گذر گئیں اور قریب تھا کہ میرے دل میں ان کے عمل کی حقارت آجائے تو میں نے ان پر اپنا راز کھول دیا کہ ہمارے گھر کوئی جھگڑا نہیں تھا لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین روز تک یہ سنتا رہا کہ تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے اور اس کے بعد تینوں دن آپ ہی آئے۔ اس لئے میں نے چاہا کہ میں آپ کے ساتھ رہ کر دیکھوں کہ آپ کا وہ کیا عمل ہے جس کے سبب یہ فضیلت آپ کو حاصل ہوئی مگر عجیب بات ہے کہ میں نے آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا تو وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو اس درجہ پر پہونچایا۔ انہوں نے کہا میرے پاس تو بجز اس کے کوئی عمل نہیں جو آپ نے دیکھا ہے۔ میں یہ سن کر واپس آنے لگا تو مجھے بلا کر کہا کہ ہاں ایک بات ہے کہ "میں اپنے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ اور برائی نہیں پاتا اور کسی پر حسد نہیں کرتا جس کو اللہ نے کوئی خیر کی چیز عطا فرمائی ہو۔ عبداللہؓ بن عمرو نے کہا کہ

بس یہی وہ صفت ہے جس نے آپ کو یہ بلند مقام عطا کیا ہے"۔

ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ اس کو نسائی نے بھی عمل الیوم واللیلہ میں نقل کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح علی شرط الشیخین ہے۔"

مہاجرین وانصار کے بعد عام امت کے مسلمان

والذین جاء وا من بعدھم الایہ۔ اس آیت کے مفہوم میں صحابہ کرام مہاجرین وانصار کے بعد پیدا ہونے والے قیامت تک کے مسلمان شامل ہیں اور اس آیت نے ان سبکو مال فئی میں حقدار قرار دیا ہے۔ یہی سبب تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے دنیا کے بڑے ممالک عراق، شام، مصر وغیرہ فتح کیے تو ان کی زمینوں کو غانمین میں تقسیم نہیں فرمایا بلکہ ان کو اگلی آنے والی نسلوں کے لئے وقف عام رکھا کہ ان کی آمدنی اسلامی بیت المال میں آتی رہے اور اس سے قیامت تک آنے والے مسلمان فائدہ اٹھا سکیں بعض صحابہ کرام نے جو ان سے مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کا سوال کیا تو انہوں نے اسی آیت کا حوالہ دے کر فرمایا کہ اگر میرے سامنے آئندہ آنے والی نسلوں کا معاملہ نہ ہوتا تو میں جو ملک فتح کرتا اس کی سب زمینوں کو بھی غانمین میں تقسیم کر دیتا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبرؔ کی زمینوں کو تقسیم فرمادیا تھا اگر یہ ساری زمینیں موجودہ مسلمانوں میں تقسیم ہوگئیں تو آنے والے مسلمانوں کے لئے کیا باقی رہے گا (رواہ ملک، قرطبی)

امت کے حق پر ہونے کی پہچان صحابہ کرام کی محبت وعظمت ہے

اس مقام میں حق تعالی نے پوری امت محمدیہؐ کے تین طبقے کیے، مہاجرین، انصار اور باقی تمام امت، مہاجرین وانصار کے خاص اوصاف اور فضائل بھی اس جگہ ذکر فرمائے مگر باقی امت کے فضائل وکمالات اور اوصاف میں سے صرف ایک چیز یہ بتلائی

کہ وہ صحابہ کرام کی سبقت ایمانی اور ایمان کے ہم تک پہونچانے کا ذریعہ ہونے کو پہچانیں اور سب کے لئے دعائے مغفرت کریں اور اپنے لئے یہ دعا کریں کہ ہمارے دلوں میں کسی مسلمان سے کینہ و نفرت نہ رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے بعد والے جتنے مسلمان ہیں ان کا ایمان و اسلام قبول ہونے اور نجات پانے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ صحابہ کرام کی عظمت و محبت اپنے دلوں میں رکھتے ہوں ان کے لئے دعا کرتے ہوں جس میں یہ شرط نہیں پائی جاتی، وہ مسلمان کہلانے کے قابل نہیں۔ اسی لئے حضرت مصعب بن سعدؒ نے فرمایا کہ امت کے تمام مسلمان تین درجوں میں ہیں جن میں سے دو درجے تو گذر چکے ہیں یعنی مہاجرین و انصار اب صرف ایک درجہ باقی رہ گیا یعنی وہ جو صحابہ کرام سے محبت رکھے ان کی عظمت پہچانے اب اگر تمہیں امت میں کوئی جگہ حاصل کرنی ہے تو اسی تیسرے درجہ میں داخل ہو جاؤ۔

حضرت حسینؓ سے کسی نے حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں سوال کیا (جبکہ ان کی شہادت کا واقعہ پیش آچکا تھا) تو انہوں نے سوال کرنے والے سے پوچھا کہ تم مہاجرین میں سے ہو؟ اس نے انکار کیا پھر پوچھا کہ انصار میں سے ہو؟ اس نے اس کا بھی انکار کیا تو فرمایا بس اب تیسری آیت الذین جاء و ا من بعدھم کی رہ گئی اگر تم عثمان غنیؓ کی شان میں شک و شبہ پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس درجہ سے بھی نکل جاؤ گے۔

قرطبیؒ نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام کی محبت ہم پر واجب ہے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو شخص کسی صحابی کو برا کہے یا اس کے متعلق برائی کا اعتقاد رکھے اس کا مسلمانوں کے مال فئے میں کوئی حصہ نہیں پھر اسی آیت سے استدلال فرمایا اور چونکہ مال فئی میں حصہ ہر مسلمان کا ہے تو جس کا اس میں حصہ نہ رہا

اس کا اسلام و ایمان ہی مشکوک ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استغفار اور دعاء کرنے کا حکم دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان کے آپس میں جنگ و جدال کے فتنے بھی پیدا ہوں گے (اسی لئے کسی مسلمان کو مشاجرات صحابہ کی وجہ سے ان میں سے کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں)

حضرت صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ امت اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتی جب تک اس کے پچھلے لوگ اگلوں پر لعنت و ملالت نہ کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ کسی صحابی کو برا کہتا ہے تو اس سے کہو کہ جو تم میں سے زیادہ برا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، یہ ظاہر ہے کہ زیادہ برے صحابہ تو ہو نہیں سکتے۔ یہی ہو گا جو ان کی برائی کر رہا ہے خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی کو برا کہنا سبب لعنت ہے۔

اور عوام بن حوشبؒ نے فرمایا کہ میں نے اس امت کے پہلے لوگوں کو اس بات پر مستقیم اور مضبوط پایا کہ وہ لوگوں کو یہ تلقین کرتے تھے کہ صحابہ کرام کے فضائل اور محاسن بیان کیا کرو تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہو اور وہ مشاجرات اور اختلافات جو ان کے درمیان پیش آئے ہیں ان کا ذکر نہ کیا کرو جس سے ان کی جرأت بڑھے (اور وہ بے ادب ہو جاویں)۔ (یہ سب روایات تفسیر قرطبی سے لی گئی ہیں)

جو مال کفار سے بغیر جنگ ہاتھ آئے اس کی تقسیم احادیث کی روشنی میں

عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدْثَانِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنَّ

اللهَ قَدْ خَصَّ رَسُوْلَهٗ فِی هٰذَا الْفَیْءِ بِشَیْءٍ لَمْ یُعْطِهٖ اَحَدًا غَیْرَهٗ ثُمَّ قَرَءَ مَا اَفَآءَ اللهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ اِلٰی قَوْلِهٖ قَدِیْرٌ فَکَانَتْ هٰذِهٖ خَالِصَةً لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُنْفِقُ عَلٰی اَهْلِهٖ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ مِنْ هٰذَا الْمَالِ ثُمَّ یَاْخُذُ مَا بَقِیَ فَیَجْعَلُهٗ یَجْعَل مَالِ اللهِ متفق علیه.

حضرت مالکؓ بن اوس بن حد ثانؓ کہتے ہی کہ عمر بن خطابؓ نے کہا ہے کہ خداوند تعالی نے مال فئی میں سے ایک خاص چیز کو اپنے رسول کے لئے مخصوص کر دیا تھا کہ وہ چیز کسی دوسرے کو عطا نہیں کی گئی پھر حضرت عمر نے یہ آیت پڑھی ما افاء الله علی رسوله منهم الی قدیر تک پس یہ مال خالص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا آپ اس کو اپنے گھر والوں پر صرف فرماتے تھے اور سال بھر کا خرچ اس مال میں سے نکال لیتے تھے پھر جس قدر بچتا تھا اس کو خدا کا مال قرار دے کر مسلمانوں کے مصالح میں خرچ فرماتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

وَعَنْهُ عَنْ عُمَرَ قَالَ کَانَتْ اَمْوَالُ بَنِی النَّضِیْرِ مِمَّا اَفَاءَ اللهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِمَّا لَمْ یُوْجِفِ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَیْهِ بِخَیْلٍ وَلَا رِکَابٍ فَکَانَتْ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً یُنْفِقُ عَلٰی اَهْلِهٖ نَفَقَةَ سَنَةٍ ثُمَّ یَجْعَلُ مَا بَقِیَ فِی السِّلَاحِ وَالْکُرَاعِ عُدَّةً فِیْ سَبِیْلِ اللهِ متفق علیه.

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہود بنی نضیر کا مال اس قسم کے مال میں سے تھا جس کو اللہ تعالی نے اپنے رسول کو عطا فرمایا تھا کہ اس کے لئے مسلمانوں نے نہ تو گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ اس لئے وہ مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے لئے مخصوص ہو گیا جس کو آپ سال بھر تک اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے تھے اور جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو ہتھیاروں اور چارپائیوں کی خریداری پر خرچ کر دیتے تھے تاکہ وہ خدا کی راہ میں تیاری و سامان میں کام آئے۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ اَنْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَتَاهُ الْفَیْءُ قَسَمَهٗ فِیْ يَوْمِهٖ فَلَحْطٰی الاَهَلَ حَظَّيْنِ وَ اَعْطَى الْاَعْزَبَ حَظًّا فَدُعِيْتُ فَاَعْطَانِیْ حَظَّيْنِ وَكَانَ لِیْ اَهْلٌ ثُمَّ دُعِیَ بَعْدِیْ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ فَاُعْطِیَ حَظًّا وَاحِدًا رواه ابو داود.

حضرت عوفؓ بن مالک کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے مال فیٔ آتا تو آپ اس کو اسی روز تقسیم فرما دیتے یعنی بیوی والے کو دو حصے دیتے اور مجرد کو ایک حصہ چنانچہ (ایک مرتبہ) مجھ کو بلایا گیا اور دو حصے مجھ کو مرحمت فرمائے (اس لئے کہ) میری بیوی تھی میرے بعد عمار بن یاسر کو بلایا گیا اور اس کو ایک حصہ دیا گیا۔ (ابوداؤد)

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَ مَاجَاءَهٗ فَیْءٌ بَدَاَ بِالْمُحَرَّرِيْنَ رواه ابو دائود.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیٔ کا مال آتا تو آپ سب سے پہلے ان لوگوں (غلاموں) کو دیتے جن کو آزاد کیا گیا ہوتا۔ (ابوداؤد)

وَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِظَبْيَةٍ فِيْهَا خَرَزٌ فَقَسَمَهَا لِلْحُرَّةِ وَالْاَمَةِ قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ اَبِیْ يَقْسِمُ لِلْحُرِّ

وَالْعَبْدَ رواہ ابو دائود۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک تھیلا لایا گیا جس میں نگینے بھرے ہوئے تھے آپ نے ان نگینوں کو بیبیوں اور لونڈیوں پر تقسیم کر دیا حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرے والد یعنی حضرت ابو بکرؓ آزاد اور غلام دونوں کو تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ (ابو داؤد)

وَعَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَوْمًا اَلْفَيْءَ فَقَالَ مَا اَنَا اَحَقُّ بِهٰذَا الْفَيْءِ مِنْكُمْ وَمَا اَحَدٌ مِنَّا بِاَحَقَّ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا اَنَّا عَلٰى مَنَازِلِنَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَقَسْمِ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَالرَّجُلُ وَقِدَمُهٗ وَالرَّجُلُ وَبَلَاءُهٗ وَالرَّجُلُ وَعِيَالُهٗ وَالرَّجُلُ وَحَاجَتُهٗ رواہ ابو داود۔

حضرت مالکؓ بن اوس بن حدثان کہتے ہی کہ ایک روز حضرت عمر نے مال فئی کا ذکر فرمایا اور کہا کہ میں مال فئی کا تم سے زیادہ مستحق نہیں اور نہ ہم میں سے کوئی شخص اس مال کا کسی دوسرے سے زیادہ مستحق ہے بلکہ کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کے مطابق ہمارے درجے اور مرتبے ہیں ایک شخص ہے اور اس کی قدامت اور ایک شخص ہے اور اس کی شجاعت و مشقت و کوشش اور ایک شخص ہے اور اس کے اہل و عیال اور ایک شخص ہے اور اس کی ضرورت و حاجت (یعنی ہر شخص کو اس کے مرتبے کے موافق دیا جاتا ہے) (ابو داؤد)

وَعَنْهُ قَالَ قَرَاَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ حَتّٰى بَلَغَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ فَقَالَ هٰذِهٖ لِهٰؤُلَاءِ ثُمَّ قَرَءَ

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ حَتّٰی بَلَغَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ لِهٰؤُلَاءِ ثُمَّ قَرَءَ مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی حَتّٰی بَلَغَ لِلْفُقَرَاءِ وَالَّذِیْنَ جَاءُ مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ اسْتَوْعَبَتِ الْمُسْلِمِیْنَ عَامَّةً فَلَئِنْ عِشْتُ فَلَیَاْتِیَنَّ الرَّاعِیَ وَهُوَ بِسَرْوِ حِمْیَرَ نَصِیْبُهٗ مِنْهَا لَمْ یَعْرَقْ فِیْهَا جَبِیْنُهٗ رواه فی شرح السنه۔

حضرت مالکؓ بن اوسؓ کہتے ہیں کہ عمرؓ بن خطاب نے یہ آیت پڑھی انما الصدقات للفقراء والمساکین اور اس آیت کو علیم حکیم تک پڑھا پھر فرمایا زکوۃ تو ان لوگوں کے لئے ہے پھر یہ آیت پڑھی واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسة الرسول ابن السبیل تک اور فرمایا مال غنیمت کا یہ پانچواں حصہ جس آیت میں ذکر ہے ذوی القربیٰ کے لئے ہے پھر یہ آیت پڑھی ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری للفقراء والذین جاوا من بعدھم تک اور فرمایا اس آیت نے پورا کیا سارے مسلمانوں کو پس اگر میں زندہ رہا تو البتہ اس چرواہے کو بھی اس کا حصہ پہنچے گا جو مقام بشر حمیر میں ہوگا ہاں اس مال فئی میں سے جس کے لئے اس کی پیشانی پسینہ نہ لائے گی۔ (شرح السنۃ)

وَعَنْهُ قَالَ کَانَ فِیْمَا احْتَجَّ بِهٖ عُمَرُ اَنْ قَالَ کَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثُ صَفَایَا بَنُوْ النَّضِیْرِ وَ خَیْبَرُ وَ فَدَكُ فَاَمَّا بَنُوْ النَّضِیْرِ فَکَانَتْ حُبُسًا لِنَوَائِبِهٖ وَ اَمَّا فَدَكُ فَکَانَتْ حُبُسًا لِاَبْنَاءِ السَّبِیْلِ وَ اَمَّا خَیْبَرُ فَجَزَّاَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةَ اَجْزَاءٍ جُزْئَیْنِ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ جُزْءً نَفَقَةً لِاَهْلِهٖ فَمَا فَضَلَ عَنْ نَفَقَةِ

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اَهْلِهٖ جَعَلَهٗ بَيْنَ فُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ رواہ ابو داود۔

حضرت مالک بن اوسؓ کہتے ہیں کہ فدک کے قبضہ میں حضرت عمر نے اس امر سے حجت قائم کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین صفایا[1] تھیں (یعنی تین ایسی چیزیں تھیں جب کو آپ نے مال غنیمت میں سے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا (ایک تو بنو نضیر کی املاک دوسرے خیبر کی زمین اور تیسرے فدک ان میں سے بنو نضیر کی زمین کے محاصل رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات خاص پر صرف ہوتے تھے یعنی آپ کے مہمانوں اور ہتھیار پر سواری وغیرہ کی خریداری پر فدک کے محاصل مسافروں کی امداد کے لئے مخصوص تھے اور خیبر کے محاصل اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حصے کر رکھے تھے وہ حصے مسلمانوں پر خرچ کئے جاتے تھے اور ایک حصہ گھر کے (آدمیوں کے لئے) مخصوص تھا اور بیویوں کے مصارف سے جس قدر بچتا تھا اس کو فقراء و مہاجرین پر خرچ فرمادیتے تھے (ابوداود)

عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ اِنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِالْعَزِيْزِ جَمَعَ بَنِیْ مَرْوَانَ حِيْنَ اسْتُخْلِفَ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ فَدَكَ فَكَانَ يُنْفِقُ مِنْهَا وَيَعُوْدُ مِنْهَا عَلٰى صَغِيْرِ بَنِیْ هَاشِمٍ وَيُزَوِّجُ مِنْهَا اَيِّمَهُمْ وَاِنَّ فَاطِمَةَ سَاَلَتْهُ اَنْ يَّجْعَلَهَا لَهَا فَاَبٰى فَكَانَتْ كَذَالِكَ فِیْ حَيٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ

---

[1] صفایا صفیہ کی جمع ہے۔ صفیہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کو امام مال غنیمت میں سے چھانٹ کر اپنے لئے مخصوص کرے اور یہ صرف رسول خداؐ کے لئے مخصوص تھا۔ آپؐ کے بعد کسی امام کو جائز نہیں

وُلِّيَ اَبُوْبَكْرٍ عَمِلَ فِيْهَا بِمَا عَمِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَيٰوتِهٖ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ وُلِّيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَمِلَ فِيْهَا بِمِثْلِ مَا عَمِلَا حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ ثُمَّ اَقْطَعَهَا مَرْوَانُ ثُمَّ صَارَتْ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَرَاَيْتُ اَمْرًا مَنَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ؐ فَاطِمَةَ لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ وَ اَنِّيْ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ رَدَدْتُهَا عَلٰى مَا كَانَتْ يَعْنِيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ رواه ابو داود.

حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کو جب خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے مروان کے بیٹوں کو جمع کیا اور فرمایا رسول اللہ کے پاس فدک تھا جس کی آمدنی سے وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے تھے اور بنو ہاشم کے چھوٹے بچوں سے سلوک فرماتے تھے اور مجرد مرد و عورت کا نکاح کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ نے آپ سے سوال کیا کہ فدک کی آمدنی سے ان کو بھی کچھ دیا جائے لیکن آپ نے انکار کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسی پر عمل ہوتا رہا یہاں تک آپ نے وفات پائی پھر حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے اسی طریقہ پر عمل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی پھر حضرت عمر خلیفہ ہوئے اور انہوں نے اسی طریقے پر عمل کیا جو حضرت ابوبکرؓ نے کیا تھا یہاں تک کہ انہوں نے بھی وفات پائی پھر مروان نے فدک کو پھر اپنی جاگیر بنالیا (یعنی حضرت عثمان کے عہد میں) پھر فدک عمر بن عبدالعزیز بن مروان کی جاگیر بنا پس میں نے دیکھا کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ کو نہیں دیا وہ کسی طرح میرا حق نہیں ہو سکتی اور میں

تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو پھر اسی طریق پر واپس کر دیا جس پر وہ پہلے تھا یعنی جس طریقہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت ابوبکر کے زمانہ میں اور حضرت عمر کی خلافت میں اس کے محاصل خرچ کئے جاتے تھے۔ (ابوداؤد)

فناء سلطنت کے اسباب

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَّإِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ٥ لَئِنْ أُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ج وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ج وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ٥ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ٥ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا إِلَّا فِيْ قُرًى مُّصَحَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ط بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ط تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ط ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ٥ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ أَمْرِهِمْ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ٥ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ ج فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ إِنِّيْٓ أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ط وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ٥ سورۃ الحشر آیت ۱۱ تا ۱۷

کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو دغا باز ہیں کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جو کہ کافر ہیں اہل کتاب میں سے اگر تم کو کوئی نکال دے گا تو ہم بھی نکلیں گے تمہارے ساتھ اور کہا نہ مانیں گے کسی کا تمہارے معاملہ میں کبھی اور اگر

تم سے لڑائی ہو تو ہم تمہاری مدد کریں گے ، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں ، اور اگر وہ نکالے جائیں یہ نہ نکلیں گے ان کے ساتھ ، اور اگر ان سے لڑائی ہوئی یہ نہ مدد کریں گے ان کی ، اور اگر مدد کریں گے تو بھاگیں کہ پیٹھ پھیر کر ، پھر کہیں مدد نہ پائیں گے البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے ان کے دلوں میں اللہ کے ڈر سے یہ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ، لڑنہ سکیں گے تم سے سب مل کر مگر بستیوں کے کوٹ میں یا دیواروں کی اوٹ میں ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے ، تو سمجھے وہ اکٹھے ہیں اور ان کے دل جدا جدا ہو رہے ہیں ، یہ اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے جیسے قصہ ان لوگوں کا جو ہو چکے ہیں ان سے پہلے قریب ہی چکھی انہوں نے سزا اپنے کام کی اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے ، جیسے قصہ شیطان کا جب کہے انسان کو تو منکر ہو جا پھر جب وہ منکر ہو گیا کہے میں الگ ہوں تجھ سے میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب سارے جہان کا ، پھر انجام دونوں کا یہی ہو کہ وہ دونوں ہیں آگ میں ہمیشہ رہیں اسی میں اور یہی ہے سزا گنہگاروں کی۔

تفسیر :

کمثل الذین من قبلھم قریبًا الخ یہ بنو نضیر کی مثال کا بیان ہے اور الذین من قبلھم کی تفسیر میں حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ کفار سے اہل بدر مراد ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بنو قینقاع (قبیلہ یہود) مراد ہیں اور دونوں کا انجام بد اور مقتول و مغلوب اور ذلیل و خوار ہونا اس وقت واضح ہو چکا تھا کیونکہ بنو نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ غزوہ بدر و احد کے بعد واقع ہوا ہے اور بنو قینقاع کا واقعہ بھی بدر کے بعد پیش آچکا تھا بدر میں مشرکین عرب کے ستر سردار مارے گئے اور باقی بڑی ذلت و خواری کے ساتھ

واپس ہوئے اور بقول ابن عباسؓ یہ مراد ہیں تو مطلب آیت کا واضح ہے کہ ان کے بارے میں جو آیت میں فرمایا فذاقوا وبال امرھم یعنی انہوں نے اپنے کرتوت کا بدلہ چکھ لیا یہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں آنکھوں کے سامنے آگیا اسی طرح اگر الذین من قبلھم سے مراد یہود ہی کا قبیلہ بنو قینقاع ہو تو ان کا واقعہ بھی ایسا ہی عبرتناک ہے۔

بنو قینقاع کی جلاوطنی

واقعہ یہ تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ کے آس پاس جتنے قبائل یہود کے تھے سب کے ساتھ ایک معاہدہ صلح ہو گیا تھا جس کی شرائط میں یہ داخل تھا کہ ان میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے کسی مخالف کی امداد نہ کرے گا۔ ان معاہدہ کرنے والوں میں قبیلہ بنو قینقاع بھی شامل تھا مگر اس نے چند مہینوں کے بعد ہی غدر و عہد شکنی شروع کر دی اور غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین کے ساتھ خفیہ سازش و امداد کے کچھ واقعات سامنے آئے اس وقت یہ آیت قرآن نازل ہوئی۔(و اما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علٰی سواء)"یعنی اگر (معاہدہ اور صلح کے بعد) کسی قوم کی خیانت کا خطرہ لاحق ہو تو آپ ان کا معاہدہ صلح ختم کر سکتے ہیں۔" بنو قینقاع اس معاہدہ کو اپنی غداری سے خود توڑ چکے تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا اور علم جہاد حضرت حمزہؓ کو عطا فرمایا اور مدینہ طیبہ کے شہر پر حضرت ابو لبابہؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تشریف لے گئے۔ یہ لوگ مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر اپنے قلعہ میں بند ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا پندرہ روز تک تو یہ لوگ محصور ہو کر صبر کرتے رہے۔ بالآخر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور یہ سمجھ گئے کہ مقابلہ سے کام نہ چلے گا اور

قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہیں جو آپ ہمارے بارے میں نافذ کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ان کے مردوں کے قتل کا ہونے والا تھا کہ عبداللہ بن ابی منافق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے حد اصرار والحاح کیا کہ ان کی جاں بخشی کر دی جائے بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ لوگ بستی خالی کر کے جلاوطن ہو جائیں اور ان کے اموال مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا اس قرارداد کے مطابق یہ لوگ مدینہ چھوڑ کر ملک شام کے علاقہ اذرعات میں چلے گئے اور ان کے اموال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کے قانون کے مطابق اس طرح تقسیم فرمایا کہ ایک خمس بیت المال کا رکھ کر باقی چار خمس غانمین میں تقسیم کر دیئے۔

غزوہ بدر کے بعد یہ پہلا خمس تھا جو بیت المال میں داخل ہوا یہ واقعہ بروز شنبہ ۱۵ شوال ۲ھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے بیس ماہ بعد پیش آیا۔

کمثل الشیطن اذ قال للانسان اکفر الایۃ۔ یہ دوسری مثال ان منافقین کی ہے جنہوں نے بنو نضیر کو جلاوطنی کا حکم نہ ماننے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر جنگ کرنے کے لئے ابھارا اور ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا مگر جب مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا تو کوئی منافق امداد کو نہ پہونچا۔ ان کی مثال قرآن کریم نے شیطان کے ایک واقعہ سے دی ہے کہ شیطان نے انسان کو کفر پر آمادہ کیا اور اس سے طرح طرح کے وعدے کئے مگر جب وہ کفر میں مبتلا ہو گیا تو سب سے مکر گیا۔

شیطان کے ایسے واقعات خدا جانے کتنے ہوئے ہوں گے ان میں سے ایک واقعہ تو خود قرآن کریم میں منصوص ہے جس کا بیان سورہ انفال کی ان آیات میں آیا ہے

و اذ زین لهم الشیطن اعمالهم و قال لا غالب لکم الیوم من الناس و انی جارلکم فلما تراء ت الفئتان نکص علٰے عقبیه و قال انی بری منکم الایۃ۔

یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے جس میں شیطان نے بطور وسوسہ کے بشکلِ انسانی سامنے آکر مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے مقابلہ پر ابھارا اور اپنی مدد کا یقین دلایا مگر جب مسلمانوں سے مقابلہ ہوا تو مدد کرنے سے صاف انکار کردیا اس واقعہ کی پوری تشریح معارف القرآن سوم صفحہ ۳۵۶ سے صفحہ ۲۵۸ تک تفصیل کے ساتھ آچکی ہے۔

اگر آیت مذکورہ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے تو یہ ارشاد کہ شیطان انسان سے کفر کرنے کو کہتا ہے اور جب وہ کرلیتا ہے تو اس سے بری ہو کر الگ ہو جاتا ہے اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں بظاہر شیطان نے ان کو کفر کرنے کے لئے نہیں کہا۔ کافر تو وہ پہلے ہی سے تھے۔ شیطان نے تو ان کو مقابلہ پر جمع کرنے کے لئے کہا تھا جواب ظاہر ہے کہ کفر پر جمے رہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر قتال کرنے کو کہنا بھی اسی حکم میں ہے کہ ان کو کفر کرنے کے لئے کہا جائے۔

اور تفسیر مظہری و قرطبی و ابن کثیر وغیرہ میں اس جگہ شیطان کی اس مثال کے واقعات بنی اسرائیل کے متعدد راہبوں اور عبادت گذاروں کو شیطان کے بھکا کر کفر تک پہونچا دینے کے متعلق نقل کئے ہیں۔ مثلاً بنی اسرائیل کا ایک راہب عبادت گذار جو اپنے صومعہ میں ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتا اور روزہ اس طرح رکھتا تھا کہ دس دن میں صرف ایک مرتبہ افطار کرتا تھا۔ ستر سال اس کے اسی حال میں گذرے شیطان لعین اس کے پیچھے پڑ گیا اور اپنے سب سے زیادہ مکار ہوشیار شیطان کو اس کے پاس بصورت راہب عبادت گذار بنا کر بھیجا جس نے اس کے پاس جا کر اس راہب سے بھی زیادہ عبادت گذاری کا ثبوت دیا۔ یہاں تک کہ راہب کو اس پر اعتماد ہو گیا۔

بالآخر یہ مصنوعی راہب شیطان اس بات میں کامیاب ہو گیا کہ اس راہب کو کچھ دعائیں ایسی سکھلائیں جس سے بیماریوں کو شفا ہو جائے پھر اس نے بہت سے لوگوں کو اپنے اثر سے بیمار کر کے ان کو خود ہی اس راہب کا پتہ دیا۔ جب یہ راہب ان پر دعا پڑھتا تو یہ شیطان اپنا اثر اس سے ہٹا دیتا وہ شفایاب ہو جاتا تھا اور عرصہ دراز تک یہ سلسلہ جاری رکھنے کے بعد اس نے ایک اسرائیلی سردار کی حسین لڑکی پر اپنا یہ عمل کیا اور اس کو بھی راہب کے پاس جانے کا مشورہ دیا یہاں تک کہ اس کو راہب کے صومعہ تک پہونچانے میں کامیاب ہو گیا اور رفتہ رفتہ اس کو اس لڑکی کے ساتھ زنا میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہوا جس کے نتیجہ میں اس کو حمل ہو گیا تو رسوائی سے بچنے کے لئے اس کو قتل کرنے کا مشورہ دیا۔ قتل کرنے کے بعد شیطان ہی نے سب کو واقعہ قتل وغیرہ بتلا کر راہب کے خلاف کھڑا کر دیا یہاں تک کہ لوگوں نے اس کا صومعہ ڈھا دیا اور اس کو قتل کر کے سولی دینے کا فیصلہ کیا اس وقت شیطان اس کے پاس پھر پہونچا کہ اب تو تیری جان بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ ہاں اگر تو مجھے سجدہ کر لے تو میں تجھے بچا سکتا ہوں۔ راہب سب کچھ گناہ پہلے کر چکا تھا کفر کا راستہ ہموار ہو چکا تھا اس نے سجدہ بھی کر لیا اس وقت شیطان نے صاف کہہ دیا کہ تو میرے قبضہ میں نہ آتا تھا میں نے یہ سب مکر تیرے مبتلائے کفر کرنے کے لئے کئے تھے اب میں تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

یہ واقعہ تفسیر قرطبی اور مظہری میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مندرجہ ذیل طاقتوں والے اللہ سے تعلق رکھنے والا ہی کامیاب ہو گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج وَاتَّقُوا

اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ
فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ
اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ
عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ ؕ وَ تِلْکَ الْاَمْثَالُ
نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ○ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ عٰلِمُ
الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ۚ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ○ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ
اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ ؕ
سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○ ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ
الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَھُوَ الْعَزِیْزُ
الْحَکِیْمُ ○ سورۃ الحشر آیت ۱۸ - ۲۴

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور چاہئے کہ دیکھ لے ہر ایک جی کیا بھیجتا ہے کل کے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو، اور مت ہو ان جیسے جنہوں نے بھلا دیا اللہ کو پھر اللہ نے بھلا دیا ان کو ان کے جی وہ لوگ وہی ہیں نافرمان، برابر نہیں دوزخ والے اور بہشت والے، بہشت والے جو ہیں وہی ہیں مراد پانے والے، اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ کر تو تو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے، اور یہ مثالیں ہم سناتے ہیں لوگوں کو تاکہ وہ غور کریں، وہ اللہ ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی، جانتا ہے جو پوشیدہ ہے اور جو ظاہر ہے وہ ہے بڑا مہربان رحم والا وہ اللہ ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی، وہ بادشاہ ہے پاک ذات سب عیبوں سے سالم امن دینے والا پناہ میں لینے والا زبردست

دباؤ والا صاحب عظمت پاک ہے اللہ ان کے شریک بتلانے سے، وہ اللہ ہی بنانے والا نکال کھڑا کرنے والا صورت کھینچنے والا اسی کے ہیں نام خاصے پاکی بول رہا ہے اس کی جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا۔

تفسیر :

سورہ حشر میں شروع سے کفار اہل کتاب اور مشرکین ومنافقین کے حالات و معاملات اور ان پر دنیا و آخرت کے وبال کا بیان فرمانے کے بعد اب آخر سورت تک مومنین کو متنبہ کرنا اور اعمال صالحہ کی پابندی کرنے کی ہدایت ہے۔

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں ایک بلیغ انداز سے آخرت کی فکر اور اس کے لیئے تیاری کا حکم ہے جس میں پہلے فرمایا: یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور تم میں سے ہر نفس کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ اس نے آخرت کے لئے کیا سامان بھیجا ہے۔

یہاں چند باتیں غور طلب ہیں :۔ اول یہ کہ اس آیت میں قیامت کو لفظ غد سے تعبیر کیا جس کے معنی ہیں آنے والی کل اس میں دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے اول پوری دنیا کا بمقابلہ آخرت نہایت قلیل و مختصر ہوتا ہے کہ ساری دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایک دن کی مثل ہے اور حساب کے اعتبار سے تو یہ نسبت ہونا بھی مشکل ہے کیونکہ آخرت دائمی ہے جس کی کوئی انتہا اور انقطاع نہیں۔ انسانی دنیا کی عمر تو چند ہزار سال ہی بتلائی جاتی ہے اگر زمین و آسمان کی تخلیق سے حساب لگائیں تو چند لاکھ سال ہو جائیں گے مگر پھر ایک محدود مدت ہے غیر محدود اور غیر متناہی سے اس کو کوئی بھی نسبت نہیں ہوتی۔

بعض روایات حدیث میں ہے الدنیا یوم والنا فیه صوم ساری دنیا ایک دن ہے اور اس دن میں ہمارا روزہ ہے اور غور کرو تو تخلیق انسانی سے شروع کر دیا تخلیق زمین و آسمان سے یہ دونوں چیزیں ایک فرد انسانی کے لئے قابل اہتمام نہیں بلکہ ہر فرد کی دنیا تو اس کی عمر کے ایام و سال ہیں اور وہ آخرت کے مقابلہ میں کتنی حقیر مدت ہے اس کا ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے۔

دوسرا اشارہ اس میں قیامت کے یقینی ہونے کی طرف ہے جیسے آج کے بعد کل کا آنا امر یقینی ہے کسی کو اس میں شبہ نہیں ہوتا اسی طرح دنیا کے بعد قیامت و آخرت کا آنا یقینی ہے۔

تیسرا اشارہ۔ اس طرف ہے کہ قیامت بہت قریب ہے جیسے آج کے بعد کل کچھ دور نہیں بہت قریب سمجھی جاتی ہے اسی طرح دنیا کے بعد قیامت بھی قریب ہے۔

اور قیامت ایک تو پورے عالم کی ہے جب زمین و آسمان سب فنا ہو جائیں گے وہ بھی اگرچہ ہزاروں لاکھوں سال کے بعد ہو مگر بمقابلہ مدت آخرت کے بالکل قریب ہی ہے دوسری قیامت ہر انسان کی اپنی ہے جو اس کی موت کے وقت آجاتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے من مات فقد قامت قیامته یعنی جو شخص مر گیا اس کی قیامت تو ابھی قائم ہو گئی کیونکہ قبر ہی سے عالم آخرت کے آثار شروع ہو جاتے ہیں اور عذاب و ثواب کے نمونے سامنے آجاتے ہیں کیونکہ عالم قبر جس کو عالم برزخ بھی کہا جاتا ہے اس کی مثال دنیا کی انتظار گاہ (ویٹنگ روم) کی سی ہے جو فرسٹ کلاس سے لے کر تھرڈ کلاس تک کے لوگوں کے لئے مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور مجرموں کا ویٹنگ روم حوالات جیل خانہ ہوتا ہے اسی انتظار گاہ ہی سے ہر شخص اپنا درجہ اور حیثیت متعین کر سکتا ہے

اس لئے مرنے کے ساتھ ہی ہر انسان کی اپنی قیامت آجاتی ہے اور انسان کا مرنا اللہ تعالی نے ایک ایسا معمہ بنایا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا فلسفی اور سائنسدان اس کا یقینی وقت مقرر نہیں کر سکتا بلکہ ہر وقت ہر آن انسان اس خطرہ سے باہر نہیں ہوتا کہ شاید اگلا گھنٹہ زندگی کی حالت میں نہ آئے خصوصاً اس برق رفتار زمانہ میں تو ہارٹ فیل ہونے کے واقعات نے اس کو روزمرہ کی بات بنادیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں قیامت کو لفظ غد سے تعبیر کر کے بے فکرے انسان کو متنبہ کردیا کہ قیامت کو کچھ دور نہ سمجھو وہ آنے والی کل کی طرح قریب ہے اور ممکن یہ بھی ہے کہ کل سے پہلے ہی آجائے۔

دوسری غور طلب بات اس آیت میں یہ ہے کہ حق تعالی نے اس میں انسان کو اس پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی کہ قیامت جس کا آنا یقینی بھی ہے اور قریب بھی اس کے لئے تم نے کیا سامان بھیجا ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا اصل وطن اور مقام آخرت ہے۔ دنیا میں اس کا مقام ایک مسافر کی طرح ہے۔ وطن کے دائمی قیام و قرار کے لئے یہیں سے کچھ سامان بھیجنا ضروری ہے اور انسان کے اس سفر کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ یہاں رہ کر کچھ کمائے اور جمع کرے پھر اس کو اپنے وطن آخرت کی طرف بھیجدے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں سے دنیا کا سامان مال و دولت کوئی وہاں ساتھ نہیں لے جاسکتا تو بھیجنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف مال منتقل کرنے کا جو طریقہ دنیا میں رائج ہے کہ یہاں کی حکومت کی بنک میں جمع کر کے دوسرے ملک کی کرنسی حاصل کرلے جو وہاں چلتی ہے۔ یہی صورت آخرت کے معاملہ میں ہے کہ جو کچھ یہاں اللہ کی راہ میں اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں خرچ کیا جاتا ہے وہ آسمانی حکومت کے بنک (اسٹیٹ بنک) میں جمع ہو جاتا ہے وہاں کی کرنسی

ثواب کی صورت مین اس کے لئے لکھی جاتی ہے اور وہاں پہونچ کر بغیر کسی دعوے اور مطالبہ کے اس کے حوالہ کر دی جاتی ہے۔

اور لفظ **ما قدمت لغد** عام ہے نیک اعمال اور بد اعمال دونوں کے لئے جس نے نیک اعمال آگے بھیجے ہیں اس کو ثواب کی صورت میں آخرت کے نقود (کرنسی) مل جائے گی اور جس نے برے اعمال آگے بھیجے ہیں وہاں اس پر فرد جرم عائد ہوگی اس کے بعد لفظ اتقوا اللہ کا اعادہ کیا گیا یہ تاکید کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور وہ مراد بھی ہو سکتی ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں بیان ہوئی ہے کہ پہلے اتقوا اللہ سے واجبات و فرائض کی ادائیگی کا اہتمام سکھایا گیا ہے اور دوسرے اتقوا اللہ سے گناہوں سے بچنے کا اہتمام بتلایا گیا ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے اتقوا اللہ سے اعمال و احکام خداوندی کی تعمیل کر کے آخرت کے لئے کچھ سامان بھیجنے کا حکم ہو اور دوسرے اتقوا اللہ سے اس طرف ہدایت ہو کہ دیکھو جو سامان وہاں بھیجتے ہو اس کو دیکھ لو کہ وہ کوئی کھوٹا خراب سامان نہ ہو جو وہاں کام نہ آئے۔ کھوٹا سامان وہاں کے لئے وہ ہے کہ جس کی صورت تو عمل صالح کی ہو مگر اس میں اخلاص اللہ کی رضا کے لئے نہ ہو بلکہ نام و نمود یا اور کوئی غرض نفسانی شامل ہو یا وہ عمل جو صورت میں تو عبادت ہے مگر دین میں اس کا کوئی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے بدعت و گمراہی ہے تو اس دوسرے اتقوا اللہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ آخرت کے لئے محض سامان کی صورت بنا دینا کافی نہیں دیکھ کر بھیجو کہ کھوٹا سامان نہ ہو جو وہاں نہ لیا جائے۔

فانساھم انفسھم یعنی ان لوگوں نے اللہ کو بھول اور نسیان میں کیا ڈالا درحقیقت خود اپنے آپ کو اس بھول میں ڈال دیا کہ اپنے نفع نقصان کی خبر نہ رہی۔

لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل یہ ایک تمثیل ہے کہ اگر قرآن پہاڑوں جیسی سخت اور ثقیل چیز پر اتارا گیا ہوتا اور جس طرح انسان کو فہم و شعور دیا گیا ہے ان کو

بھی دے دیا جاتا تو پہاڑ بھی اس قرآن کی عظمت کے سامنے جھک جاتے بلکہ ریزہ ریزہ ہو جاتے مگر انسان اپنی خواہش پرستی اور خود غرضی میں مبتلا ہو کر اپنے فطری شعور کو کھو بیٹھا۔ وہ قرآن سے متاثر نہیں ہوتا گویا یہ ایک فرضی مثال ہے کہ پہاڑوں میں شعور ہوتا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ پہاڑوں اور درختوں اور دنیا کی تمام چیزوں میں شعور و ادراک ہونا عقل و نقل سے ثابت ہے اس لئے یہ کوئی فرضی مثال نہیں حقیقت ہے۔ (مظہری) واللہ اعلم۔

انسان کو آخرت کی فکر اور قرآن کی عظمت بتلانے کے بعد آخر میں حق تعالی کی چند صفات کمال کا ذکر کر کے سورت کو ختم کیا گیا۔

عالم الغیب والشهادة یعنی اللہ تعالی ہر چھپی اور کھلی چیز اور غائب و حاضر کا پوری طرح جاننے والا ہے **القدوس** بضم قاف وہ ذات جو ہر عیب سے پاک اور ہر ایسی چیز سے بری ہو جو اس کے شایان شان نہیں **المومن** یہ لفظ جب انسان کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ایمان لانے والے اور اللہ و رسولؐ کے کلام کی تصدیق کرنے والے کے آتے ہیں اور جب یہ لفظ اللہ تعالی کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی امن دینے والے کے ہوتے ہی (کما قالہ ابن عباسؓ) یعنی وہ اللہ و رسولؐ پر ایمان لانے والوں کو ہر طرح کے عذاب و مصیبت سے امن اور سلامتی دینے والے ہیں۔

المهیمن اس کے معنی ہیں نگرانی کرنے والا (کذا قال ابن عباس و مجاہد و قتادہؒ) قاموس میں ہے کہ ہمن یہمن کے معنی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے کے آتے ہیں (مظہری)

العزیز بمعنی قوی **الجبار** صاحب جبروت و عظمت اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ جبر سے مشتق ہو جس کے معنی ٹوٹی ہڈی وغیرہ کو جوڑنے کے آتے ہیں اس لئے

جبیرہ اس پٹی کو کہا جاتا ہے جو ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے بعد اس پر باندھی جاتی ہے تو معنی اس لفظ کے یہ ہوں گے کہ وہ ہر ٹوٹی ہوئی شکستہ و ناکارہ چیز کی اصلاح کر کے درست کر دینے والا ہے (مظہری)

المتکبر تکبر سے اور وہ کبریا سے مشتق ہے جس کے معنی بڑائی کے ہیں اور ہر بڑائی در حقیقت اللہ جل شانہ کے لئے مخصوص ہے جو کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں اور جو محتاج ہو وہ بڑا نہیں ہو سکتا اس لئے اللہ تعالی کے سوا دوسروں کے لئے یہ لفظ عیب اور گناہ ہے کیوں کہ حقیقت میں بڑائی حاصل نہ ہونے کے باوجود بڑائی کا دعوی جھوٹا ہے اور وہ ذات جو حقیقت میں سب سے بڑی اور بے نیاز ہے اس کی خاص صفت میں شرکت کا دعوی ہے اس لئے متکبر کا لفظ اللہ تعالی کے لئے صفت کمال ہے اور غیر اللہ کے لئے جھوٹا دعوی۔

المصور کے معنی صورت بنانے والا مراد یہ ہے کہ تمام مخلوقات کو حق تعالی نے خاص خاص شکل و صورت عطا فرمائی ہے جس کی وجہ سے وہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہوئی اور پہچانی جاتی ہے دنیا کی عام مخلوقات آسمانی اور زمینی خاص خاص صورتوں ہی سے پہچانی جاتی ہیں پھر ان میں انواع و اصناف کی تقسیم اور ہر نوع و صنف کی جداگانہ ممتاز شکل و صورت کا امتیاز پھر سب مردوں سب عورتوں کی شکلوں میں باہم ایسے امتیازات کہ اربوں کھربوں انسان دنیا میں پیدا ہوئے ایک کی صورت بالکلیہ دوسرے سے نہیں ملتی کہ بالکل امتیاز نہ ہو سکے۔ یہ کمال قدرت صرف ایک ہی ذات حق جل شانہ کا ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں جس طرح غیر اللہ کے لئے تکبر جائز نہیں کہ کبریاء صرف اللہ جل شانہ کی صفت ہے اسی طرح تصویر سازی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ بھی اللہ تعالی کی مخصوص صفت میں شرکت کا عملی دعوی ہے۔

له الاسماء الحسنى یعنی اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں قرآن کریم میں ان کی تعداد متعین نہیں فرمائی صحیح احادیث میں ننانوے تعداد بتلائی ہے ترمذی کی ایک حدیث میں یہ سب یک جا مذکور ہیں اور بہت سے علماء نے اسماء حسنی پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

یسبح له ما فی السموت والارض. یہ تسبیح زبان حال سے ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ ساری مخلوقات اور ان کے اندر رکھی ہوئی عجیب و غریب صنعتیں اور صورتیں زبانِ حال سے اپنے بنانے والے کی حمد و ثناء میں مشغول ہیں اور ہو سکتا ہے کہ حقیقی تسبیح مراد ہو کیونکہ تحقیق یہی ہے کہ تمام اشیاء کو عالم میں اپنی اپنی حیثیت کا عقل و شعور ہے اور عقل و شعور کا سب سے پہلا مقتضی اپنے بنانے والے کو پہچاننا اور اس کا شکر گذار ہونا ہے اس لئے ہر چیز حقیقۃً تسبیح کرتی ہو تو اسمیں کوئی بعد نہیں اگرچہ ہم ان کی تسبیح کو کانوں سے نہ سن سکیں اسی لئے قرآن کریم نے ایک جگہ فرمایا ہے **و لکن لا تفقهون ان تسبيحهم** یعنی تم ان کی تسبیح کو سنتے سمجھتے نہیں۔

سورہ حشر کی آخری آیات کے فوائد و برکات

ترمذی میں حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صبح کے وقت تین مرتبہ **اعوذ بالله السميع العليم من الشيطن الرجيم** اور اس کے بعد تین مرتبہ سورہ حشر کی آخری تین آیتیں **هو الله الذی لا اله الا هو** سے آخر سورت تک پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دیتے ہیں جو شام تک اس کے لیے رحمت کی دعاء کرتے رہتے ہیں اگر اس دن میں وہ مر گیا تو شہادت کی موت حاصل ہو گی اور جس نے شام کو یہی کلمات تین مرتبہ پڑھ لئے تو یہی درجہ اس کو حاصل ہو گا۔ (مظہری)

غزوہ احزاب یہودیوں کی سازش کا ہی نتیجہ تھا جس میں وہ بری طرح ناکام ہوئے

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۝ وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝ وَّ تَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ۝ سورۃ احزاب

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اے نبی ڈر اللہ سے اور کہا نہ مان منکروں کا اور دغابازوں کا یقیناً اللہ ہے سب کچھ جاننے والا حکمتوں والا، اور چل اسی پر جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے بے شک اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے اور بھروسہ رکھ اللہ پر اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔

تفسیر :

یہ مدنی سورۃ ہے اس کے بیشتر مضامین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور خصوصیت عند اللہ پر مشتمل ہیں جس میں آپ کی تعظیم کا واجب ہونا اور آپ کی ایذاء رسانی کا حرام ہونا مختلف عنوانات سے بیان ہوا ہے اور باقی مضامین سورۃ بھی انہی کی تکمیل واتمام سے مناسبت رکھتے ہیں۔

شان نزول :

اس سورۃ کے سبب نزول میں چند روایات منقول ہیں ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے تو مدینے کے

آس پاس یہود کے قبائل، قریظہ، نضیر، بنو قینقاع وغیرہ آباد تھے۔ رحمۃ للعالمین کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اتفاقاً ان یہودیوں میں سے چند آدمی آپ کی خدمت میں آنے لگے اور منافقانہ طور پر اپنے آپ کو مسلمان کہنے لگے۔ دلوں میں ایمان نہیں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو غنیمت سمجھا کہ کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں تو دوسروں کو دعوت دینا آسان ہو جائے گا اس لئے آپ ان لوگوں کے ساتھ خاص مدارات کا معاملہ فرماتے اور ان کے چھوٹے بڑے آنے والوں کا اکرام کرتے تھے اور کوئی بری بات بھی ان سے صادر ہوتی تو دینی مصلحت سمجھ کر اس سے چشم پوشی فرماتے تھے اس واقعہ پر سورہ احزاب کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ (قرطبی)

ایک دوسرا واقعہ ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ہجرت کے بعد کفار مکہ سے ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ مدینہ طیبہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ پیش کش کی کہ ہم سب قریش مکہ کے آدھے اموال آپ کو دے دیں گے اگر آپ اپنے دعوے کو چھوڑ دیں اور مدینہ طیبہ کے منافقین اور یہود نے آپ کو یہ دھمکی دی کہ اگر آپ نے اپنا دعوی اور دعوت سے رجوع نہ کیا تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (روح)

تیسرا ایک واقعہ ثعلبی اور واحدی نے بغیر سند یہ نقل کیا ہے کہ ابو سفیان اور عکرمہ ابن ابی جہل اور ابو الاعور سلمی اس زمانے میں جب واقعہ حدیبیہ میں کفار مکہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ترکِ جنگ پر معاہدہ ہو گیا تھا تو یہ لوگ مدینہ طیبہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرنا چھوڑ دیں صرف اتنا کہہ دیں کہ یہ بھی شفاعت کریں گے اور نفع

پہنچائیں گے آپؐ اتنا کرلیں تو ہم آپ کو اور آپ کے رب کو چھوڑ دیں گے جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

ان کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمانوں کو سخت ناگوار ہوئی۔ مسلمانوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان سے معاہدہ صلح کر چکا ہوں اس لئے ایسا نہیں ہو سکتا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں (روح) یہ روایات اگرچہ مختلف ہیں مگر در حقیقت ان میں کوئی تضاد نہیں یہ واقعات بھی آیات مذکورہ کے نزول کا سبب ہو سکتے تھے۔

ان آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو حکم دیئے گئے پہلا اتق اللہ یعنی اللہ سے ڈرو دوسرا لا تطع الکفرین یعنی کافروں کا کہنا نہ مانو اللہ سے ڈرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ ان لوگوں کو قتل کرنا عہد شکنی ہے جو حرام ہے اور کفار کی بات نہ ماننے کا حکم اس لئے کہ ان تمام واقعات میں کفار کی جو فرمائشیں ہیں وہ ماننے کے قابل نہیں اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

یایھا النبی اتق اللہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص اعزاز و اکرام ہے کہ پورے قران میں کہیں آپ کو نام لے کر خطاب نہیں کیا گیا جیسا کہ دوسرے انبیاء کے خطابات میں یا آدم، یا نوح، یا ابراہیم، یا موسی وغیرہ بار بار آیا ہے بلکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے قرآن میں جہاں خطاب کیا گیا وہ کسی لقب نبی یا رسول وغیرہ سے خطاب کیا گیا صرف چار مواقع جن میں یہی بتلانا منظور تھا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں ان میں آپؐ کا نام ذکر کیا گیا ہے جو ضروری تھا۔

اس خطاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو حکم دیئے گئے ایک خدا تعالی سے ڈرنے کا کہ مشرکینِ مکہ سے جو معاہدہ ہو چکا ہے اس کی خلاف ورزی نہ ہونی

چاہئے دوسرے مشرکین اور منافقینِ و یہود کی بات نہ ماننے کا یہاں جو یہ سوال پیدا ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر گناہ سے معصوم ہیں عہد شکنی بھی گناہ کبیرہ ہے اور کفار و مشرکین کی وہ باتیں جو شان نزول میں اوپر بیان کی گئیں ان کا ماننا بھی گناہ عظیم ہے تو آپ خود ہی اس سے محفوظ تھے پھر اس حکم کی ضرورت کیا پیش آئی روح المعانی میں ہے کہ مراد ان احکام سے آئندہ بھی ان پر قائم رہنے کی ہدایت ہے جیسا کہ اس واقعہ میں آپ ان پر قائم رہے اور اتق اللہ کے حکم کو اس لئے مقدم کیا کہ مسلمانوں نے ان مشرکینِ مکہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جن سے معاہدہ صلح ہو چکا تھا اس لئے عہد شکنی سے بچنے کی ہدایت لفظ اتق اللہ کے ذریعہ مقدم کی گئی بخلاف اطاعت کفار و مشرکین کے کہ اس کا کسی نے ارادہ بھی نہ کیا تھا اس لئے اس کو موخر کیا گیا۔

اور بعض حضراتِ مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں اگرچہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر مراد امت کو سنانا ہے آپؐ تو معصوم تھے احکام آلہیہ کی خلاف ورزی کا آپؐ سے کوئی احتمال نہ تھا مگر قانون پوری امت کے لئے ہے ان کو سنانے کا عنوان یہ اختیار کیا گیا کہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جس سے حکم کی اہمیت بہت بڑھ گئی کہ جب اللہ کے رسولؐ بھی اس کے مخاطب ہیں تو امت کا کوئی فرد اس سے کیسے مستثنی ہو سکتا ہے۔

اور ابن کثیر نے فرمایا کہ اس آیت میں کفار و مشرکین کی اطاعت سے منع کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ آپ ان سے مشورے نہ کریں ان کو زیادہ مجالست کا موقع نہ دیں کیونکہ ایسے مشورے اور باہمی روابط بسا اوقات اس کا سبب بن جایا کرتے ہیں کہ ان کی بات مان لی جائے تو اگرچہ ان کی بات مان لینے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی احتمال نہ تھا مگر ان کے ساتھ ایسے روابط رکھنے اور ان کو اپنے مشوروں

میں شریک کرنے سے بھی آپ کو روک دیا گیا اور اس کو اطاعت کے لفظ سے اس لئے تعبیر کر دیا کہ ایسے مشورے اور باہمی روابط عادۃً ماننے کا سبب بن جایا کرتے ہیں تو یہاں در حقیقت آپ کو اسباب اطاعت سے منع کیا گیا ہے نفس اطاعت کا تو آپؐ سے احتمال ہی نہ تھا۔

رہا یہ سوال کہ آیت مذکورہ میں کافروں کی طرف سے خلاف شرع اور خلاف حق باتوں کا اظہار تو کوئی بعید نہیں ان کی اطاعت سے منع کرنا بھی ظاہر ہے مگر منافقین نے اگر اسلام کے خلاف کوئی بات آپؐ سے کہی تو پھر وہ منافقین نہ رہے کھلے کافر ہو گئے ان کو الگ ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہوئی جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ منافقین نے بالکل کھول کر تو کوئی بات خلاف اسلام نہ کہی ہو مگر دوسرے کفار کی تائید اور حمایت میں کوئی کلمہ کہا ہو۔

اور منافقین کا جو واقعہ شانِ نزول میں اوپر بیان ہوا ہے اگر اس کو سبب نزول قرار دیا جائے تو اس میں اشکال ہی نہیں کیونکہ اس واقعہ کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے روکا گیا ہے کہ ان اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے یہود سے آپؐ زیادہ مدارات کا معاملہ نہ کریں۔

اس آیت کے آخر میں ان اللہ کان علیماً حکیماً فرما کر اس حکم کی حکمت بیان کر دی گئی جو اوپر دیا گیا ہے کہ اللہ سے ڈریں اور کفار و منافقین کا کہنا نہ مانیں کیونکہ عواقب امور اور نتائج کا جاننے والا اللہ تعالیٰ بڑا حکیم ہے وہی مصالح عباد کو جانتا ہے یہ اس لئے فرمایا کہ کفار یا منافقین کی بعض باتیں ایسی بھی تھیں جن سے شر و فساد کم ہونے اور باہمی رواداری کی فضا قائم ہونے وغیرہ کے فوائد حاصل ہو سکتے تھے مگر حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا کہ ان لوگوں کے ساتھ یہ رواداری بھی مصلحت کے خلاف ہے اس کا

انجام اچھا نہیں۔

و اتبع ما یوحی الیك من ربك ان الله کان بما تعملون خبیرًا یہ پہلے ہی حکم کا تکملہ ہے کہ آپ کفار و منافقین کی باتوں میں نہ آئیں ان کی بات نہ مانیں بلکہ جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ کو بذریعہ وحی بتلایا گیا ہے بس آپؐ اور صحابہ اسی کا اتباع کریں چونکہ اس خطاب میں صحابہ کرام اور عام مسلمان بھی شامل ہیں اس لئے آخر میں بصیغہ جمع بما تعملون فرما کر تنبیہہ کر دی گئی۔

و توکل علی اللہ و کفی باللہ و کیلا. یہ بھی اسی حکم کی تکمیل ہے اس میں ارشاد ہے کہ آپؐ ان لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریں اور اپنے مقصد کی کامیابی میں صرف اللہ پر بھروسہ کریں کہ وہی کافی کارساز ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی کی رواداری کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ : آیاتِ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ امورِ دین میں کفار سے مشورہ لینا بھی جائز نہیں دوسرے امور جن کا تعلق تجربہ وغیرہ سے ہو ان میں مشورہ لینے میں مضائقہ نہیں واللہ اعلم۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۞ اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا ۞ ھُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا ۞ وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۞ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْھُمْ یٰٓاَھْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ یَسْتَاْذِنُ

فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ط وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ج اِنْ
یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا O وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ
لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا یَسِیْرًا O وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ
لَا یُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ط وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا O قُلْ لَّنْ یَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ
اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا O قُلْ مَنْ
ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ط
وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا O قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ
الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِیْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَیْنَا ج وَلَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا
قَلِیْلًا O اَشِحَّةً عَلَیْكُمْ صلے فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ
تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ كَالَّذِیْ یُغْشٰے عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ج فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ
سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَے الْخَیْرِ ط اُولٰٓئِكَ لَمْ یُؤْمِنُوْا
فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ط وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَے اللّٰهِ یَسِیْرًا O یَحْسَبُوْنَ
الْاَحْزَابَ لَمْ یَذْهَبُوْا ج وَاِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ یَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِی
الْاَعْرَابِ یَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ط وَلَوْ كَانُوْا فِیْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِیْلًا O
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ
وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا O وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ز وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّ
تَسْلِیْمًا O مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ج فَمِنْهُمْ
مَّنْ قَضٰے نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ صلے وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا O لِّیَجْزِیَ اللّٰهُ
الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِهِمْ وَیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ ط اِنَّ

اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ○ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ○ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ○ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ○

اے ایمان والو اللہ کے احسان کو یاد کرو جو تم پر ہوا جب تم پر کئی لشکر چڑھ آئے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور وہ لشکر بھیجے جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ دیکھ رہا تھا جب وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر کی طرف اور نیچے کی طرف سے چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے اس موقع پر ایماندار آزمائے گئے اور سخت ہلا دیئے گئے اور جبکہ منافق اور جن کے دلوں میں شک تھا کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا صرف دھوکا ہی تھا اور جبکہ ان میں سے ایک جماعت کہنے لگی اے مدینہ والو تمہارے لئے ٹھہرنے کا موقع نہیں سو لوٹ چلو اور ان میں سے کچھ لوگ نبی سے رخصت مانگنے لگے کہنے لگے کہ ہمارے گھر اکیلے ہیں اور حالانکہ وہ اکیلے نہ تھے وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے اور اگر کسی طرف سے کوئی ان پر گھس آتا پھر ان سے فساد کی درخواست کی جاتی تو فساد پر آمادہ ہو جاتے اور دیر نہ کرتے مگر بہت ہی کم حالانکہ اس سے پہلے اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے عہد کرنے کی باز پرس

ہو گی کہہ دو اگر تم موت یا قتل سے بھاگو گے تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور اس وقت سوائے تھوڑے دنوں کے نفع نہیں اٹھاؤ گے کہہ دو کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے یا تم پر مہربانی کرنا چاہے اور اللہ کے سوا نہ کوئی اپنی حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار تحقیق اللہ تم میں سے روکنے والوں کو جانتا ہے اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ اور لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں تم سے ہمدردی کرتے ہوئے پھر جب ڈر کا وقت آجائے تو تو انہیں دیکھے گا کہ تیری طرف دیکھتے ہیں ان کی آنکھیں پھرتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی آئے پھر جب ڈر جاتا رہے تو تمہیں تیز زبانوں سے طعنہ دیتے ہیں مال کے لالچی ہیں یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ نے ان کے تمام اعمال ضائع کر دیئے اور یہ بات اللہ پر بالکل آسان ہے خیال کرتے ہیں کہ فوجیں نہیں گئیں اور اگر فوجیں آجائیں تو آرزو کریں کہ کاش ہم باہر گاؤں میں جا رہیں تمہاری خبریں پوچھا کریں اور اگر تم میں بھی رہیں تو بہت ہی کم لڑیں البتہ تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے اور جو مومنوں نے فوجوں کو دیکھا تو کہا یہ وہ ہے جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں ترقی ہو گئی ایمان والوں میں سے ایسے آدمی بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا پھر ان میں سے بعض تو اپنا کام پورا کر چکے اور بعض منتظر ہیں اور عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو

عذاب دے یا ان کی توبہ قبول کرے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا لوٹایا انہیں کچھ بھی ہاتھ نہ آیا اور اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی اپنے ذمہ لی اور اللہ طاقت ور غالب ہے اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی انہیں ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا اور انکی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تمہیں مالک بنا دیا اور اس زمین کا جس پر تم نے کبھی قدم نہیں رکھا تھا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر :

اس سے پہلے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چار حکم دیئے گئے تھے کہ اے نبی اللہ سے ڈر کفار منافقین کی اطاعت مت کر وحی کی پیروی کر اور اللہ پر بھروسہ کر اور مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور آپ کے مکمل اتباع واطاعت کی ہدایت تھی اسی کی مناسبت سے یہ پورے دو رکوع قرآن کے غزوہ احزاب کے واقعہ سے متعلق نازل ہوئے ہیں جس میں کفار ومشرکین کی بہت سے جماعتوں کا مسلمانوں پر یکبارگی حملہ اور سخت نرغہ کے بعد مسلمانوں پر اللہ تعالی کے انعامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات کا ذکر ہے اور اس کے ضمن میں زندگی کے مختلعف شعبوں سے متعلق بہت سی ہدایات اور احکام ہیں انہیں بے بہا ہدایات کی وجہ سے اکابر مفسرین نے اس جگہ واقعہ احزاب کو خاص تفصیل سے لکھا ہے خصوصا قرطبی اور مظہری وغیرہ نے اس لئے کہ واقعہ احزاب کی کچھ تفصیل مع ان ہدایات کے لکھی جاتی ہے جس کا اکثر حصہ قرطبی اور مظہری سے لیا گیا ہے جو کسی دوسری کتاب سے لیا ہے اس کا حوالہ لکھ دیا گیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ دوسرے اور

تیسرے رکوع میں بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے احکام مانے اور کفار اور منافقین کی اطاعت نہیں کی۔

واقعہ غزوہ احزاب

احزاب حزب کی جمع ہے جس کے معنی پارٹی یا جماعت کے آتے ہیں اس غزوہ میں کفار کی مختلف جماعتیں متحد ہو کر مسلمانوں کو ختم کر دینے کا معاہدہ کر کے مدینہ چڑھ آئی تھیں اسی لئے اس غزوہ کا نام غزوہ احزاب رکھا گیا ہے اور چونکہ اس غزوہ میں دشمن کے آنے کے راستہ پر بامر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودی گئی تھی اس لئے اس کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔ غزوہ بنو قریظہ بھی جو غزوہ احزاب کے فورا بعد ہوا اور مذکورہ آیات میں اسکا بھی ذکر ہے وہ بھی در حقیقت غزوہ احزاب ہی کا ایک جز تھا جیسا کہ واقعہ کی تفصیل سے معلوم ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس سال مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے اس کے دوسرے ہی سال میں غزوہ بدر کا واقعہ پیش آیا تیسرے سال میں غزوہ احد پیش آیا چوتھے سال میں یہ غزوہ احزاب واقع ہوا اور بعض روایات میں اس کو پانچویں سال کا واقعہ قرار دیا ہے۔ بہر حال ابتداء ہجرت سے اس وقت تک کفار کے حملے مسلمانوں پر مسلسل جاری تھے غزوہ احزاب کا حملہ بڑی بھر پور طاقت و قوت اور پختہ عزم اور عہد و میثاق کے ساتھ کیا گیا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر یہ غزوہ سب دوسرے غزوات سے زیادہ اشد تھا کیونکہ اس میں حملہ آور احزاب کفار کی تعداد بارہ ہزار سے پندرہ ہزار تک بتلائی گئی ہے اور اس طرف سے مسلمان کل تین ہزار وہ بھی بے سر و سامان اور زمانہ سخت سردی کا۔ قرآن کریم نے تو اس واقعہ کی شدت بڑی ہولناک صورت میں یہ بیان فرمائی ہے زاغت

الابصار (آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں) بلغت القلوب الحناجر (کلیجے منہ کو آنے لگے) و زلزلوا زلزالاً شدیدًا (سخت زلزلہ میں ڈالے گئے)

مگر جیسا کہ یہ وقت مسلمانوں پر سب سے زیادہ سخت تھا ویسے ہی اللہ تعالی کی نصرت و امداد سے اس کا انجام مسلمانوں کے حق میں ایسی عظیم فتح و کامیابی کی صورت میں سامنے آیا کہ اس نے تمام مخالف گروہوں مشرکین یہود اور منافقین کی کمریں توڑ دیں اور آگے ان کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ مسلمانوں پر کسی حملہ کا ارادہ کر سکیں اس لحاظ سے یہ غزوہ کفر و اسلام کا آخری معرکہ تھا جو مدینہ منوری کی زمین پر ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال میں لڑا گیا۔

اس واقعہ کی ابتداء یہاں سے ہوئی کہ یہود کے قبیلہ بنی نضیر اور قبیلہ ابو وائل کے تقریباً بیس آدمی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے سخت عداوت رکھتے تھے مکہ مکرمہ پہنچے اور قریشی سرداروں سے ملاقات کر کے انکو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ قریشی سردار سمجھتے تھے کہ جس طرح مسلمان ہماری بت پرستی کو کفر کہتے ہیں اور اس لئے ہمارے مذہب کو برا سمجھتے ہیں یہود کا بھی یہی خیال ہے تو ان سے موافقت و اتحاد کی کیا توقع رکھی جائے اس لئے ان لوگوں نے یہود سے سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان دین و مذہب کا اختلاف ہے اور آپ لوگ اہلِ کتاب اور اہلِ علم ہیں پہلے ہمیں یہ بات بتلایئے کہ آپ کے نزدیک ہمارا دین بہتر ہے یا ان کا۔

سیاست کے اکھاڑے میں جھوٹ کوئی نئی چیز نہیں۔

ان یہودیوں نے اپنے علم و ضمیر کے بالکل خلاف ان کو یہ جواب دیا کہ تمہارا دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین سے بہتر ہے اس پر یہ لوگ کچھ مطمئن ہوئے

مگر اس پر بھی معاملہ یہ ٹھیرا کہ بیس آدمی یہ آنے ولے اور پچاس آدمی قریشی سرداروں کے مسجد حرام میں جا کر بیت اللہ کی دیواروں سے سینے لگا کر اللہ کے سامنے یہ عہد کریں کہ ہم میں سے جب تک ایک آدمی بھی زندہ رہے گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف جنگ کرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے حلم و کرم کا ایک عجوبہ......

اللہ کے گھر میں اللہ کے بیت سے چمٹ کر اللہ کے دشمن اس کے رسول کے خلاف جنگ لڑنے کا معاہدہ کر رہے ہیں اور مطمئن ہو کر جنگ کا نیا جذبہ لے کر لوٹتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حلم و کرم کا عجیب مظہر ہے پھر ان کے اس معاہدہ کا حشر بھی آخر قصہ میں معلوم ہو گا کہ سب کے سب اس جنگ سے منہ موڑ کے بھاگے۔

یہ یہودی قریش مکہ کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد عرب کے ایک بڑے اور جنگجو قبیلہ غطفان کے پاس پہونچے اور انکو بتلایا کہ ہم اور قریش مکہ اس پر متفق ہو چکے ہیں کہ اس نئے دین (اسلام) کے پھیلانے والوں کا ایک مرتبہ سب مل کر استیصال کر دیں آپ بھی اس پر ہم سے معاہدہ کریں اور ان کو یہ رشوت بھی پیش کی کہ خیبر میں جس قدر کھجور ایک سال میں پیدا ہو گی وہ اور بعض روایات میں اس کا نصف قبیلہ غطفان کو دیا جانے کا وعدہ کیا۔ قبیلہ غطفان کے سردار عیینہ بن حصن نے اس شرط کے ساتھ ان سے شرکت کو منظور کر لیا اور یہ لوگ بھی جنگ میں شامل ہو گئے۔

اور باہمی قرارداد کے مطابق مکہ سے قریشیوں کا لشکر چار ہزار جوانوں اور تین سو گھوڑوں اور ایک ہزار اونٹوں کے سامان کے ساتھ ابوسفیان کی قیادت میں مکہ مکرمہ سے نکلا اور مر ظہران میں قیام کیا یہاں قبیلہ اسلم اور قبیلہ اشجع اور بنو مرہ بنو کنانہ اور فزارہ اور غطفان کے سب قبائل شامل ہو گئے جن کی مجموعی تعداد بعض روایات میں

دس بعض میں بارہ ہزار اور بعض میں پندرہ ہزار بیان کی گئی ہے۔

مدینہ منورہ پر سب سے بڑا حملہ:

غزوہ بدر میں مسلمانوں کے مقابل آنے والا لشکر ایک ہزار کا تھا پھر غزوہ احد میں حملہ کرنے والا لشکر تین ہزار کا تھا اس مرتبہ لشکر کی تعداد بھی ہر پہلی مرتبہ سے زائد تھی اور سامان بھی اور تمام قبائل عرب ویہود کی اتحادی طاقت بھی۔

مسلمانوں کی جنگی تیاری (۱) اللہ پر توکل (۲) باہمی مشورہ (۳) بقدر وسعت مادی وسائل کی فراہمی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس متحد محاذ کے حرکت میں آنے کی اطلاع ملی تو سب سے پہلا کلمہ جو زبان مبارک پر آیا یہ تھا حسبنا اللہ و نعم الوکیل یعنی ہمیں اللہ کافی اور وہی ہمارا بہتر کارساز ہے۔" اس کے بعد مہاجرین وانصار کے اہل حل و عقد کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیا اگرچہ صاحب وحی کو در حقیقت مشورہ کی ضرورت نہیں ہوتی وہ براہ راست حق تعالی کے اذن واجازت سے کام کرتے ہیں مگر مشورے میں دو فائدے تھے ایک امت کے لئے مشورہ کی سنت جاری کرنا دوسرے قلوب مومنین میں باہمی ربط واتحاد کی تجدید اور تعاون و تناصر کا جذبہ بیدار کرنا اس کے بعد دفاع اور جنگ کے مادی وسائل پر غور ہوا مجلس مشورہ میں حضرت سلمان فارسیؓ بھی شامل تھے جو ابھی حال میں ایک یہودی کی مصنوعی غلامی سے نجات حاصل کر کے اسلامی خدمات کے لئے تیار ہوئے تھے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ ہمارے بلاد فارس کے بادشاہ ایسے حالات میں دشمن کا حملہ روکنے کے لئے خندق کھود کر ان کا راستہ روک دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشورہ قبول فرما کر خندق کھودنے کا حکم دے دیا اور بنفس نفیس خود بھی اس کام میں شریک ہوئے۔

خندق کی کھدائی

یہ خندق جبل سلع کے پیچھے اس پورے راستہ کی لمبائی پر کھودنا طے ہوا جس سے مدینہ کے شمال کی طرف سے آنے والے دشمن آسکتے تھے اس خندق کے طول و عرض کا خط خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچا یہ خندق شیخین سے شروع ہو کر جبل سلع کے مغربی گوشہ تک آئی اور بعد میں اسے بڑھا کر وادی بطحان اور وادی راتونا کے مقام اتصال تک پہونچادیا گیا اس خندق کی کل لمبائی تقریبا ساڑھے تین میل تھی چوڑائی اور گہرائی کی صحیح مقدار کسی روایت سے معلوم نہیں ہوئی لیکن یہ ظاہر ہے کہ چوڑائی اور گہرائی بھی خاصی ہو گی جس کو عبور کرنا دشمن کے لئے آسان نہ ہو۔

حضرت سلمانؓ کے خندق کھودنے کے واقعہ میں یہ آیا ہے کہ وہ روزانہ پانچ گز لمبی اور پانچ گز گہری خندق کھودتے تھے (مظہری) اس سے خندق کی گہرائی پانچ گز کہی جاسکتی ہے۔

اسلامی لشکر کی تعداد :

اس وقت مسلمانوں کی جمعیت کل تین ہزار تھی اور کل چھتیس گھوڑے تھے۔

بلوغ کی عمر پندرہ سال قرار دی گئی :

اسلامی لشکر میں کچھ نابالغ بچے بھی اپنے جوش ایمانی سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچوں کو واپس کر دیا جو پندرہ سال سے کم عمر والے تھے۔ پندرہ سالہ نو عمر لے لئے گئے جن میں حضرت عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، ابو سعید خدری، براء ابن عازب رضی اللہ عنہم شامل ہیں جس وقت یہ اسلامی لشکر مقابلہ کے لئے روانہ ہونے لگا تو جو منافقین مسلمانوں میں رلے ملے رہتے تھے

انہوں نے سرکنا شروع کیا کچھ چھپ کر نکل گئے کچھ لوگوں نے جھوٹے اعذار پیش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی کی اجازت لینی چاہی یہ اپنے اندر سے ایک نئی آفت پھوٹی۔ مذکورالصدر آیات میں انہی منافقین کے متعلق چند آیات نازل ہوئی ہیں۔ (قرطبی)

قبائلی اور نسبی قومیتوں کا انتظامی معاشرتی امتیاز اسلامی وحدت اور اسلامی قومیت کے منافی نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد کے لئے مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہؓ کے سپرد فرمایا اور حضرات انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہؓ کے سپرد فرمایا اس وقت مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات (بھائی چارے) کے تعلقات بڑی مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم تھے اور سب بھائی بھائی تھے مگر انتظامی سہولت کے لئے مہاجرین کی قیادت الگ اور انصار کی الگ کر دی گئی تھی اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قومیت اور اسلامی وحدت انتظامی اور معاشرتی تقسیم کے منافی نہیں بلکہ ہر جماعت ہر ذمہ داری کا بوجھ ڈال دینے سے باہمی اعتماد اور تعاون و تناصر کے جذبہ کی تقویت ہوتی تھی اور اس جنگ کے سب سے پہلے کام یعنی خندق کھودنے میں اس تعاون و تناصر کا اس طرح مشاہدہ ہوا کہ :۔

خندق کی کھدائی کی تقسیم پورے لشکر پر کی گئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے لشکر کے مہاجرین و انصار کو دس دس آدمیوں کی جماعت میں تقسیم کر کے ہر دس آدمیوں کو چالیس گز خندق کھودنے کا ذمہ دار بنایا حضرت سلمان فارسیؓ چونکہ خندق کھودنے مشورہ دینے والے اور کام سے

واقف اور مضبوط آدمی تھے اور نہ انصار میں شامل تھے نہ مہاجرین میں ان کے متعلق انصار و مہاجرین میں ایک مسابقت کی فضا پیدا ہو گئی انصار ان کو اپنے میں شامل کرنا چاہتے تھے مہاجرین اپنے میں، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع نزاع کے لئے مداخلت کرنے کی نوبت آئی اور آپؐ نے یہ فیصلہ دیا کہ سلمان من اہل البیت یعنی سلمان ہمارے اہل بیت میں شامل ہیں۔

صلاحیت کار میں ملکی غیر ملکی مقامی اور بیرونی کا امتیاز

آج تو دنیا میں غیر ملکی باشندے اور غیر مقامی کو اپنی برابر کا درجہ دینا لوگ پسند نہیں کرتے وہاں ہر فریق اہلِ صلاحیت کو اپنے ساتھ شامل کرنے میں فخر محسوس کرتا تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہلِ بیت میں خود داخل فرما کر نزاع کو ختم کیا اور عملی طور پر چند انصار اور چند مہاجرین شامل کر کے ان کے دس کی جماعت بنائی جس میں حضرت عمرو بن عوفؓ اور حذیفہؓ وغیرہ مہاجرین میں سے تھے۔

ایک عظیم معجزہ

اتفاق سے جو حصہ خندق کا حضرت سلمان وغیرہ کے سپرد تھا اس میں ایک سخت اور چکنے پتھر کی بڑی چٹان نکل آئی حضرت سلمان کے ساتھی عمرو بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ اس چٹان نے ہمارے اوزار توڑ دیئے اور ہم اس کے کاٹنے سے عاجز ہو گئے تو میں نے سلمانؓ سے کہا کہ اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اس جگہ سے کچھ ہٹ کر خندق کھودیں اور ذرا سی کجی کے ساتھ اس کو اصل خندق سے ملا دیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھینچے ہوئے خط سے انحراف ہمیں اپنی رائے سے نہیں کرنا چاہئے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کر کے حکم حاصل کریں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

قدرت کی تنبیہات :

اس ساڑھے تین میل کے میدان میں خندق کھودنے والوں میں کسی کو رکاوٹ پیش نہ آئی جو عاجز کر دے۔ پیش آئی تو حضرت سلمانؓ کو پیش آئی، جنہوں نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا اور اسی کو قبول کر کے یہ سلسلہ جاری ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو دکھلا دیا کہ خندق کھودنے اور بنانے میں بھی اللہ کی طرف رجوع کے سوا کوئی چارہ نہیں، آلات و اوزار سب جواب دے چکے، جس میں ان حضرات کو تعلیم تھی کہ مادی اسباب کو بقدر وسعت و طاقت جمع کرنا فرض ہے مگر ان پر بھروسہ کرنا درست نہیں۔ مؤمن کا بھروسہ تمام اسباب مادیہ کو جمع کر لینے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ہی پر ہونا چاہیے۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بتلایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اپنے حصہ کی خندق میں کام کر رہے تھے خندق کی مٹی کو اس جگہ سے منتقل کرنے میں مصروف تھے' حضرات براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپؐ کے جسم مبارک کو غبار نے ایسا ڈھانپ لیا تھا کہ پیٹ اور پیٹھ کی کھال نظر نہ آتی تھی' ان کو کوئی مشورہ یا حکم دینے کے بجائے خود ان کے ساتھ موقع پر تشریف لائے اور دس حضرات صحابہؓ مع سلمانؓ کے جو اس کے کھودنے میں مصروف تھے خندق کے اندر اتر کر آپؐ بھی ان میں شامل ہو گئے' اور کدال اپنے دست مبارک میں لے کر اس چٹان پر ایک ضرب لگائی اور یہ آیت پڑھی تمت کلمة ربك صدقاً (یعنی پوری ہو گئی نعمت آپ کے رب کی سچائی کے ساتھ) اس ایک ہی ضرب سے چٹان کا ایک تہائی حصہ کٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی ایک روشنی پتھر کی چٹان سے بر آمد ہوئی' اس کے بعد آپؐ نے دوسری ضرب

لگائی اور آیت مذکورہ کو آخر تک پڑھا‘ یعنی تمت کلمة ربك صدقاً و عدلاً‘ اس دوسری ضرب سے ایک تہائی چٹان اور کٹ گئی‘ اور اس طرح پتھر سے ایک روشنی نکلی‘ تیسری مرتبہ پھر وہی آیت پوری پڑھ کر تیسری ضرب لگائی‘ تو باقی چٹان بھی کٹ کر ختم ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے باہر تشریف لائے‘ اور اپنی چادر جو خندق کے کنارہ پر رکھ دی تھی اٹھالی اور ایک طرف بیٹھ گئے‘ اس وقت سلمان فارسیؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ آپ نے جتنی مرتبہ اس پتھر پر ضرب لگائی میں نے ہر مرتبہ پتھر سے ایک روشنی نکلتی دیکھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمانؓ سے فرمایا کہ کیا واقعی تم نے یہ روشنی دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ میری آنکھوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی ضرب میں جو روشنی نکلی میں نے اس روشنی میں یمن اور کسریٰ کے شہروں کے محلات دیکھے اور جبرئیل امین نے مجھے بتلایا کہ آپ کی امت ان شہروں کو فتح کرے گی‘ اور جب میں نے دوسری ضرب لگائی تو مجھے رومیوں کے سرخ محلات دکھائے گئے‘ اور جبرئیل امین نے یہ خوش خبری دے دی کہ آپ کی امت ان شہروں کو بھی فتح کرے گی‘ یہ ارشاد سن کر سب مسلمان مطمئن ہوئے اور آئندہ عظیم الشان فتوحات پر یقین ہوگیا۔

منافقین کی طعنہ زنی اور مسلمانوں کا بے نظیر یقین ایمانی:

اس وقت جو منافقین خندق کی کھدائی میں شامل تھے وہ کہنے لگے کہ تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر حیرت و تعجب نہیں ہوتا‘ وہ تمہیں کیسے باطل اور بے بنیاد وعدے سنارہے ہیں کہ یثرب میں خندق کی گہرائی کے اندر انھیں حیرہ اور مدائن کسریٰ کے محلات نظر آرہے ہیں‘ اور یہ کہ تم لوگ ان کو فتح کروگے‘ ذرا اپنے حال کو تو دیکھو

کہ تمہیں اپنے تن بدن کا تو ہوش نہیں، پیشاب پاخانے کی ضرورت پوری کرنے کی مہلت نہیں، تم ہو جو کسریٰ وغیرہ کے ملک کو فتح کرو گے۔ اسی واقعہ پر آیات مذکور الصدر میں یہ نازل ہوا اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا اس آیت میں اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ میں بھی انہی منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے جن کے دلوں میں نفاق کا مرض چھپا ہوا تھا۔

غور کیجئے کہ اس وقت مسلمانوں کے ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پر پورے یقین کا کیسا سخت امتحان تھا کہ ہر طرف سے کفار کے نرغہ اور خطرے میں ہیں خندق کھودنے کے لئے مزدور اور خادم نہیں، خود ہی یہ محنت ایسی حالت میں برداشت کر رہے ہیں کہ سخت سردی نے سب کو پریشان کر رکھا ہے، ہر طرف سے خوف ہی خوف ہے، بظاہر اسباب اپنے بچاؤ اور بقاء پر یقین کرنا بھی آسان نہیں، دنیا کی عظیم سلطنت روم وکسریٰ کی فتوحات کی خوش خبری پر یقین کس طرح ہو، مگر ایمان کی قیمت سب اعمال سے زیادہ اسی بناء پر ہے کہ اسباب وحالات کے سراسر خلاف ہونے کے وقت بھی ان کو رسولؐ کے ارشاد میں کوئی شک وشبہ پیدا نہ ہو۔

واقعہ مذکورہ میں امت کے لئے خاص ہدایت کہ بڑوں کو چھوٹوں کی ہر تکلیف ومشقت میں شامل رہنا چاہئے

یہ کس کو معلوم نہیں کہ صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے جاں نثار خادم تھے جو کسی حال بھی یہ نہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس مزدوری کی محنت شاقہ میں ان کے شریک ہوں، مگر رسول اللہ صلی اللہ عایہ وسلم نے صحابہ کرام کی دل جوئی اور امت کی تعلیم کے لئے اس محنت ومزدوری میں برابر کا حصہ لیا، صحابہ کرام کی جاں نثاری، آپ کے اوصاف کمال اور نبوت و

رسالت کی بنیاد پر تو تھی ہی، مگر ظاہر اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ ہر محنت و مشقت اور تنگی و تکلیف میں آپ ؐ سب عوام کی طرح ان میں شریک ہوتے تھے حاکم و محکوم، بادشاہ و رعیت اور صاحب اقتدار و عوام کی تفریق کا کوئی تصور وہاں نہ پیدا ہوتا، اور جب سے ملوکِ اسلام نے اس سنت کو ترک کیا اسی وقت سے یہ تفرقے پھوٹے، اور طرح طرح کے فتنے اپنے دامن میں لائے۔

مشکلات پر عبور حاصل کرنے کا نسخہ :

واقعہ مذکورہ میں اس ناقابل تسخیر چٹان پر ضرب لگانے کے ساتھ آیت قرآن تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ط لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ تلاوت فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ کسی مشکل کو حل کرنے کے لئے اس آیت کی تلاوت ایک مجرب نسخہ ہے۔

صحابہ ؓ کرام کا ایثار اور تعاون و تناصر :

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ خندق کی کھدائی کے لئے ہر دس گز پر دس آدمی مامور تھے، مگر یہ ظاہر ہے کہ بعض لوگ قوی اور جلد کام کر لینے والے ہوتے ہیں، صحابہ ؓ کرام میں سے جن حضرات کا اپنا حصہ کھدائی کا پورا ہو جاتا تو یہ سمجھ کر خالی نہ بیٹھتے تھے کہ ہماری ڈیوٹی پوری ہو گئی، بلکہ دوسرے صحابہ جن کا حصہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا ان کی مدد کرتے تھے۔ (قرطبیؒ، مظہری)

ساڑھے تین میل لمبی خندق چھ دن میں مکمل ہو گئی :

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جدوجہد اور کوشش کا نتیجہ چھ روز میں سامنے آ گیا، کہ اتنی طویل اور چوڑی اور گہری خندق کی چھ روز میں تکمیل ہو گئی (مظہری)

حضرت جابر ؓ کی دعوت میں ایک کھلا ہوا معجزہ :

اسی خندق کی کھدائی کے دوران وہ مشہور واقعہ پیش آیا کہ ایک روز حضرت

جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ بھوک کے سبب آپ متاثر ہو رہے ہیں۔ اپنی اہلیہ سے جا کر کہا کہ تمہارے پاس کچھ ہو تو پکالو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھوک کا اثر دیکھا نہیں جاتا، اہلیہ نے بتلایا کہ ہمارے گھر میں ایک صاع بھر جو رکھے ہیں۔ میں ان کو پیس کر آٹا بناتی ہوں۔ ایک صاع ہمارے وزن کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے، اہلیہ پیسنے پکانے میں لگی، گھر میں ایک بکری کا بچہ تھا حضرت جابرؓ نے اس کو ذبح کر کے گوشت تیار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے کے لئے چلے، تو اہلیہ نے پکار کر کہا کہ دیکھئے حضورؐ کے ساتھ بہت بڑا مجمع صحابہ کا ہے، صرف حضورؐ کو کسی طرح تنہا بلا لائیں، مجھے رسوا نہ کیجئے کہ صحابہ کرام کا بڑا مجمع چلا آئے، حضرت جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری حقیقتِ حال عرض کر دی کہ صرف اتنا کھانا ہے، مگر آپؐ نے پورے لشکر میں اعلان فرما دیا کہ چلو جابر کے گھر دعوت ہے۔ حضرت جابرؓ حیران تھے، گھر پہنچے تو اہلیہ نے سخت پریشانی کا اظہار کیا، اور پوچھا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل حقیقت اور کھانے کی مقدار بتلا دی تھی؟ جابرؓ نے فرمایا کہ ہاں وہ میں بتلا چکا ہوں تو اہلیہ محترمہ مطمئن ہوئیں کہ پھر ہمیں کچھ فکر نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک ہیں جس طرح چاہیں کریں۔

واقعہ کی تفصیل اس جگہ غیر ضروری ہے، اتنا نتیجہ معلوم کر لینا کافی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے روٹی اور سالن سب کو دینے اور کھلانے کا اہتمام فرمایا، اور پورے مجمع نے شکم سیر ہو کر کھایا، اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ مجمع کے فارغ ہونے کے بعد بھی نہ ہماری ہنڈیا میں سے کچھ گوشت کم نظر آتا تھا اور نہ گوندھے ہوئے آٹے میں کوئی کمی معلوم ہوتی تھی، ہم سب گھر والوں

نے بھی شکم سیر ہو کر کھایا۔ باقی پڑوسیوں میں تقسیم کر دیا۔

اس طرح چھ روز میں جب خندق سے فراغت ہو گئی تو احزاب کا لشکر آ پہنچا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے جبلِ سلع کو اپنی پشت کی طرف رکھ کر فوج کی صف بندی کر دی۔

یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی اور احزاب کے ساتھ شرکت :

اس وقت دس بارہ ہزار کے باسامان لشکر کے ساتھ تین ہزار بے سر و سامان لوگوں کا مقابلہ بھی عقل و قیاس میں آنے کی چیز نہ تھی۔ اس پر ایک اور نیا اضافہ ہوا، کہ احزاب میں قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب نے جس نے سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی دشمنی پر جمع کرنے میں بڑا کام کیا تھا، مدینہ پہنچ کر یہود کے قبیلہ بنو قریظہ کو بھی اپنے ساتھ ملانے کا منصوبہ بنایا، بنو قریظہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ایک صلح نامہ پر دستخط ہو چکے تھے اور معاہدہ مکمل ہو کر ایک دوسرے سے بے فکر تھے، بنو قریظہ کا سردار کعب بن اسد تھا، حیی بن اخطب اس کے پاس پہنچا، جب کعب کو اس کے آنے کی خبر ملی تو اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا، کہ حیی اس تک نہ پہنچ سکے، مگر حیی بن اخطب نے آوازیں دیں اور دروازہ کھولنے پر اصرار کیا، کعب نے اندر ہی سے جواب دے دیا کہ ہم تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کر چکے ہیں، اور ہم نے آج تک ان کی طرف سے معاہدہ کی پابندی اور صدق و سچائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا، اس لئے ہم اس معاہدہ کے پابند ہیں، آپ کے ساتھ نہیں آسکتے، دیر تک حیی بن اخطب دروازہ کھولنے اور کعب سے باتیں کرنے پر اصرار کرتا رہا اور یہ اندر سے ہی انکار کرتا رہا، مگر بالآخر جب کعب کو بہت عار دلایا تو اس نے دروازہ کھول کر حیی کو بلایا اس نے بنو قریظہ کو وہ سبز باغ دکھائے کہ بالآخر کعب اس کی باتوں میں آگیا، اور احزاب میں شرکت

کا وعدہ کرلیا، اور کعب نے جب اپنے قبیلہ کے دوسرے سرداروں کو یہ بات بتلائی تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ تم نے غضب کیا کہ مسلمانوں سے بلاوجہ عہد شکنی کی اور ان کے ساتھ لگ کر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیا، کعب بھی ان کی بات سے متأثر ہوا اور اپنے کئے پر ندامت کا اظہار کیا، مگر اب بات اس کے قبضہ سے نکل چکی تھی، اور بالآخر یہی عہد شکنی بنو قریظہ کی ہلاکت وبربادی کا سبب بنی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو اس کی اطلاع ملی تو اس وقت میں ان کی عہد شکنی سے سخت صدمہ پہنچا، اور بہت بڑی فکر اس کی لاحق ہو گئی کہ احزاب کے راستہ پر تو خندق کھود دی گئی تھی، مگر یہ لوگ تو مدینہ کے اندر تھے، ان سے بچاؤ کیسے ہو، قرآن کریم میں جو اس جملہ کے متعلق فرمایا ہے کہ لشکر احزاب کے کفار تم پر چڑھ آئے تھے مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ اس کی تفسیر میں بعض ائمہ تفسیر نے یہی فرمایا ہے کہ فوق کی جانب سے مراد بنو قریظہ ہیں اور اسفل سے آنے والے باقی احزاب ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عہد شکنی کی حقیقت اور صحیح صورتِ حال معلوم کرنے کے لئے انصار کے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ اور قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ کو بصورت وفد کعب کے پاس بھیجا کہ اس سے گفتگو کریں اور یہ ہدایت دے دی کہ اگر عہد شکنی کا واقعہ غلط ثابت ہو تو سب صحابہ کے سامنے کھل کر بیان کر دینا اور صحیح ثابت ہو تو آکر گول مول بات کہنا جس سے ہم سمجھ لیں اور عام صحابہ کرام میں سراسیمگی پیدا نہ ہو۔

یہ دونوں بزرگ سعد نامی وہاں پہنچے تو عہد شکنی کے سامان کھلے دیکھے، ان کے اور کعب کے درمیان سخت کلامی بھی ہوئی، واپس آکر حسب ہدایت گول مول بات کہہ

کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عہد شکنی کا واقعہ صحیح ہونے سے باخبر کر دیا۔

اس وقت جب کہ یہود کا قبیلہ بنو قریظہ جو مسلمانوں کا حلیف تھا وہ بھی برسر جنگ آگیا تو جو نفاق کے ساتھ مسلمانوں میں شامل تھے ان کا نفاق بھی کھلنے لگا، بعض نے تو کھل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باتیں کہنا شروع کر دیں، جیسا کہ اوپر گذرا۔ واذ یقول المنٰفقون، اور بعض نے حیلے بہانے بنا کر میدان جنگ سے بھاگ جانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی، جس کا ذکر آیات مذکورہ (ان بیوتنا عورۃ) میں آیا ہے۔

اب محاذ جنگ کی یہ صورت تھی کہ خندق کی وجہ سے احزاب کا لشکر اندر نہ آسکتا تھا، اس کے دوسرے کنارہ پر مسلمانوں کا لشکر تھا، دونوں میں ہر وقت تیر اندازی کا سلسلہ رہتا تھا، اسی حال میں تقریباً ایک مہینہ ہو گیا کہ نہ کھل کر کوئی فیصلہ کن جنگ ہوتی تھی اور نہ کسی وقت بے فکری، دن رات صحابہ کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے کنارے اس کی حفاظت کرتے تھے، اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بنفسِ نفیس اس محنت و مشقت میں شریک تھے، مگر آپؐ پر یہ بات بہت شاق تھی کہ صحابہ کرام سب کے سب سخت اضطراب اور بے چینی میں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنگی تدبیر:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ قبیلہ غطفان کے رئیس نے ان یہودیوں کے ساتھ شرکت خیبر کے پھل اور کھجور کی طمع میں کی ہے، آپ نے غطفان کے دو سردار عیینہ ابن حصن اور ابو الحارث بن عمرو کے پاس قاصد بھیجا کہ ہم تمہیں مدینہ طیبہ کا ایک تہائی پھل دیں گے، اگر تم اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان سے واپس چلے جاؤ۔ یہ گفتگو درمیان میں تھی اور دونوں سردار راضی ہو چکے

تھے قریب تھا کہ معاہدہ صلح پر دستخط ہو جائیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت ارادہ کیا کہ صحابہ کرام سے اس معاملہ میں مشورہ لیں، قبیلہ اوس وخزرج کے دو بزرگ سعدین یعنی سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو بلا کر ان سے مشورہ لیا۔

حضرت سعدؓ کی غیرت ایمانی اور عزم شدید :

دونوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ اگر آپ کو اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے تو ہمارے کچھ کہنے کی مجال نہیں ہم قبول کریں گے ورنہ بتایئے کہ یہ آپ کی طبعی رائے ہے یا آپ نے ہمیں مشقت وتکلیف سے بچانے کے لئے یہ تدبیر کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ امر الٰہی اس کا ہے، اور نہ میری اپنی طبیعت کا تقاضا ہے بلکہ صرف تمہاری مصیبت وتکلیف کو دیکھ کر یہ صورت اختیار کی ہے، کیونکہ تم لوگ ہر طرف سے گھرے ہوئے ہو، میں نے چاہا فریق مقابل کی قوت کو اس طرح فوراً توڑ دیا جائے، حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم جس وقت بتوں کو پوجتے تھے اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانتے تھے نہ اس کی عبادت کرتے تھے، اس وقت ان لوگوں کو ہمارے شہر کے پھل میں سے ایک دانہ کی طمع رکھنے کی ہمت نہیں تھی، بجز اس کے کہ وہ ہمارے مہمان ہوں، اور مہمانی کے طور پر ہم ان کو کھلا دیں یا پھر ہم سے خرید کر لے جائیں، آج جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی معرفت عطا فرمائی اور اسلام کا اعزاز عطا فرمایا، کیا آج ہم ان لوگوں کو اپنا پھل اور اپنے اموال دے دیں گے، ہمیں ان کی مصالحت کی کوئی حاجت نہیں، ہم تو ان کو تلوار کے سوا کچھ نہیں دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کی اولوالعزمی اور غیرت ایمانی کو دیکھ

کر اپنا یہ ارادہ چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو، سعدؓ نے صلح نامہ کا کاغذ ان کے ہاتھوں سے لے کر تحریر مٹا دی، کیونکہ ابھی اس پر دستخط نہیں ہوئے تھے، غطفان کے سردار عیینہ اور حارث جو خود اس صلح کے لئے تیار ہو کر مجلس میں موجود تھے، صحابہ کرامؓ کی یہ قوت و شدت دیکھ کر خود بھی اپنے دلوں میں متزلزل ہو گئے۔

حضرت سعد بن معاذؓ کا زخمی ہونا اور ان کی دعا:

ادھر خندق کے دونوں طرفوں سے تیر اندازی اور پتھراؤں کا سلسلہ جاری رہا، حضرت سعد بن معاذؓ بنی حارثہ کے قلعہ میں جہاں عورتوں کو محفوظ کر دیا گیا تھا، اپنی والدہ کے پاس گئے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں بھی اس وقت اسی قلعہ میں تھی، اور عورتوں کو پردے کے احکام اس وقت تک آئے نہ تھے، میں نے دیکھا کہ سعد بن معاذؓ ایک چھوٹی زرہ پہنے ہوئے ہیں جس میں سے ان کے ہاتھ نکل رہے تھے، اور ان کی والدہ ان سے کہہ رہی ہیں کہ جاؤ جلدی کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لشکر میں شامل ہو جاؤ۔ میں نے ان کی والدہ سے کہا کہ ان کے لئے کوئی بڑی زرہ ہوتی تو بہتر تھا، مجھے ان کے ہاتھ پاؤں کا خطرہ ہے، جو زرہ سے نکلے ہوئے ہیں، والدہ نے کہا کچھ مضائقہ نہیں اللہ کو جو کچھ کرنا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

حضرت سعد بن معاذؓ لشکر میں پہنچے تو ان کو تیر لگا جس نے ان کی رگ اکحل کو کاٹ ڈالا، اس وقت حضرت سعدؓ نے یہ دعا کی کہ یا اللہ اگر آئندہ بھی قریش کا کوئی حملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر ہونا مقدر ہے تو مجھے اس کے لئے زندہ رکھئے، کیونکہ اس سے زیادہ میری کوئی تمنا نہیں کہ میں اس قوم سے مقاتلہ کروں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں پہنچائیں، وطن سے نکالا، اور آپؐ کی تکذیب کی، اور اگر آئندہ آپ کے علم میں یہ جنگ کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو آپ مجھے موت شہادت

عطا فرمائیں، مگر اس وقت تک مجھے موت نہ آئے جب تک کہ بنی قریظہ سے ان کی غداری کا انتقام لے کر میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔

حق تعالیٰ نے آپ کی یہ دونوں دعائیں قبول فرمائیں، اس واقعہ احزاب کو کفار کا آخری حملہ بنا دیا، اس کے بعد مسلمانوں کی فتوحات کا دور شروع ہوا پہلے خیبر پھر مکہ مکرمہ اور پھر دوسرے بلاد فتح ہوئے اور بنو قریظہ کا واقعہ آگے آتا ہے کہ وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور ان کے معاملہ کا فیصلہ حضرت سعدؓ بن معاذ ہی کے سپرد کیا گیا، ان کے فیصلہ کے مطابق ان کے جوان قتل کیے گئے، اور عورتیں بچے قید کر لئے گئے۔

اس واقعہ احزاب میں صحابہ کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات بھر خندق کی دیکھ بھال کرنی پڑتی تھی، اگر کسی وقت آرام کے لئے لیٹے بھی تو ذرا کسی طرف سے شور و شغب کی آواز آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلحہ باندھ کر میدان میں جاتے تھے۔ حضرت ام سلمہ ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ آپؐ ذرا آرام کرنے کے لئے تشریف لاتے اور کوئی آواز سنی تو فوراً باہر تشریف لے گئے، پھر آرام کے لئے ذرا کمر لگائی اور پھر کوئی آواز سنی تو باہر تشریف لے گئے۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں بہت سے غزوات غزوہ مریسیع خیبر، حدیبیہ، فتح مکہ اور غزوہ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی ہوں، آپ پر کسی غزوہ میں ایسی شدت اور مشقت نہیں ہوئی، جیسی غزوہ خندق میں پیش آئی، اس غزوہ میں مسلمانوں کو زخم بھی بہت لگے، سردی کی شدت سے بھی تکلیف اٹھائی اس کے ساتھ کھانے پینے کی ضروریات میں بھی تنگی تھی۔ (مظہری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں اس جہاد میں قضا ہوئیں :

ایک روز مقابل کفار نے یہ طے کیا کہ سب مل کر یکبارگی حملہ کرو اور کسی طرح خندق کو عبور کر کے آگے پہنچو، یہ طے کر کے بڑی بے جگری سے مسلمانوں کے مقابلہ میں آگئے، اور سخت تیر اندازی کی، اُس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو دن بھر ایسا مشغول رہنا پڑا کہ نماز کے لئے بھی ذرا سی مہلت نہ ملی، چار نمازیں عشاء کے وقت میں پڑھی گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا :

جب مسلمانوں پر شدت کی انتہا ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کفار کے لئے بد دعاء کی اور تین روز پیر، منگل، بدھ میں مسجد فتح کے اندر مسلسل احزاب کی شکست و فرار اور مسلمانوں کی فتح کے لئے دعا کرتے رہے، تیسرے روز بدھ کے دن ظہر و عصر کے درمیان دعاء قبول ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاداں و فرحاں صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے، فتح کی بشارت سنائی، صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ اس وقت کے بعد سے کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پیش نہیں آئی۔ (مظہری)۔

کشود کار اور فتح کے اسباب کا آغاز :

دشمنوں کی صفوف میں قبیلہ غطفان ایک بڑی طاقت تھی، حق تعالی کی قدرت کاملہ نے انہی میں سے ایک شخص نعیم ابن مسعودؓ کے دل میں ایمان ڈال دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا، اور بتلایا کہ ابھی تک میری قوم میں کسی کو یہ معلوم نہیں کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں، اب مجھے فرمائیں کہ میں اسلام کی کیا خدمت کروں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ تم اکیلے آدمی یہاں کوئی خاص کام نہ کر سکو گے، اپنی قوم میں واپس جا کر انہی میں مل کر اسلام سے مدافعت کا کوئی کام کر سکو تو کرو، نعیم بن مسعود ذہین سمجھدار آدمی تھے، ایک منصوبہ دل میں بنالیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت چاہی کہ میں ان لوگوں میں جا کر جو مصلحت دیکھوں کہوں، آپؐ نے اجازت دے دی۔

نعیم بن مسعود یہاں سے بنو قریظہ کے پاس گئے جن کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں ان کے قدیم تعلقات تھے ان سے کہا کہ اے بنو قریظہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارا قدیم دوست ہوں۔ انہوں نے اقرار کیا کہ ہمیں آپ کی دوستی میں کوئی شبہ نہیں، اس کے بعد حضرت نعیم بن مسعودؓ نے بنو قریظہ کے سرداروں سے ناصحانہ اور خیر خواہانہ انداز میں سوال کیا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ قریش مکہ ہوں یا ہمارا قبیلہ، غطفان یا دوسرے قبائل یہود وغیرہ ان کا وطن یہاں نہیں، یہ اگر شکست کھا کر بھاگ جائیں تو ان کا کوئی نقصان نہیں، تمہارا معاملہ ان سب سے مختلف ہے، مدینہ تمہارا وطن ہے، تمہاری عورتیں اور اموال سب یہاں ہیں، اگر تم نے ان لوگوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی اور بعد میں یہ لوگ شکست کھا کر بھاگ گئے تو تمہارا کیا بنے گا، کیا تم تنہا مسلمانوں کا مقابلہ کر سکو گے؟

اس لئے میں تمہاری خیر خواہی سے یہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم لوگ ان کے ساتھ اس وقت تک شریک جنگ نہ ہو جب تک یہ لوگ اپنے خاص سرداروں کی ایک تعداد تمہارے پاس رہن نہ رکھ دیں، کہ وہ تم کو مسلمانوں کے حوالہ کر کے نہ بھاگ جائیں، بنو قریظہ کو ان کا یہ مشورہ بہت اچھا معلوم ہوا۔ اس کی قدر کی اور کہا کہ آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا۔

اس کے بعد نعیم بن مسعودؓ قریشی سرداروں کے پاس پہنچے۔ اور اسے کہا کہ

آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں آپ کا دوست ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں، مجھے ایک خبر ملی ہے تمہاری خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ میں وہ خبر تمہیں پہنچادوں بشر طیکہ آپ لوگ میرے نام کا اظہار نہ کریں، وہ خبر یہ ہے کہ یہود بنی قریظہ تمہارے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد اپنے فیصلہ پر نادم ہوئے اور اس کی اطلاع محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ کہہ کر بھیج دی ہے کہ کیا آپ ہم سے اس شرط پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم قریش اور غطفان کے چند سرداروں کو آپ کے حوالے کردیں کہ آپ ان کی گردن ماردیں، پھر ہم آپ کے ساتھ مل کر ان سب سے جنگ کریں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو قبول کرلیا ہے اب بنو قریظہ تم سے بطور رہن کے تمہارے کچھ سرداروں کا مطالبہ کریں گے۔ اب آپ لوگ اپنے معاملہ کو سوچ لیں۔

اس کے بعد نعیم بن مسعود اپنے قبیلہ غطفان میں گئے، اور ان کو یہی خبر سنائی اس کے ساتھ ہی ابو سفیان نے قریش کی طرف سے عکرمہ بن ابی جہل کو اور غطفان کی طرف سے ورقہ ابن غطفان کو اس کام کے لئے مقرر کیا کہ وہ بنو قریظہ سے جاکر کہیں کہ اب ہمارا سامان جنگ بھی ختم ہو رہا ہے اور ہمارے آدمی بھی مسلسل جنگ سے تھک رہے ہیں ہم آپ کے معاہدے کے مطابق آپ کی امداد اور شرکت کے منتظر ہیں۔ بنو قریظہ نے ان کو اپنی قرارداد کے مطابق یہ جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ جنگ میں اس وقت تک شریک نہیں ہوں گے جب تک تم دونوں قبیلوں کے چند سردار ہمارے پاس بطور رہن (یرغمال) کے نہ پہنچ جائیں، عکرمہ اور ورقہ نے یہ خبر ابو سفیان کو پہنچادی تو قریش اور غطفان کے سرداروں نے یقین کرلیا کہ نعیم بن مسعودؓ نے جو خبر دی تھی وہ صحیح ہے، اور بنو قریظہ سے کہلا بھیجا کہ ہم ایک آدمی بھی اپنا آپ کو نہیں دیں گے، پھر آپ کا دل چاہے تو ہمارے ساتھ جنگ میں شرکت کریں۔ اور نہ چاہیں تو نہ کریں۔ بنو

قریظہ کو یہ حال دیکھ کر اس بات پر جو نعیم بن مسعودؓ نے کہی تھی اور زیادہ یقین ہو گیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمن گروہ میں سے ایک شخص کے ذریعہ ان کے آپس میں پھوٹ ڈال دی' اور ان لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔

اس کے ساتھ دوسری آسمانی افتاد ان پر یہ آئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سخت اور برفانی ہوا ان پر مسلط کر دی جس نے ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے' ہنڈیاں چولھوں سے اڑا دیں۔ یہ تو ظاہری اسباب اللہ تعالیٰ نے ان کے پاؤں اکھاڑنے کے لئے پیدا فرما دیئے تھے اس پر مزید اپنے فرشتے بھیج دیئے جو باطنی طور پر ان کے دلوں پر رعب طاری کر دیں' ان دونوں باتوں کا ذکر آیات مذکورہ کے شروع میں بھی اس طرح فرمایا گیا ہے فارسلنا علیھم ریحاً و جنوداً لم تروھا "یعنی ہم نے بھیج دی ان کے اوپر ایک تند و سخت ہوا اور بھیج دیئے فرشتوں کے لشکر"۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اب ان لوگوں کے لئے بھاگ کھڑے ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔

حضرت حذیفہ کا دشمن کے لشکر میں جانے اور خبر لانے کا واقعہ :

دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعیم بن مسعودؓ کی کارگذاری اور احزاب کے درمیان پھوٹ کے واقعات کی خبر ملی تو ارادہ فرمایا کہ اپنا کوئی آدمی جا کر دشمن کے لشکر اور ان کے ارادوں کا پتہ لائے' مگر وہ سخت برفانی ہوا جو دشمن پر بھیجی گئی تھی بہر حال پورے مدینہ پر حاوی ہوئی' اور مسلمان بھی اس سخت سردی سے متاثر ہوئے' رات کا وقت تھا صحابہ کرام دن بھر کی محنت و مقابلہ سے چور چور سخت سردی کے سبب سمٹے ہوئے بیٹھے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کون ہے جو کھڑا ہو اور دشمن کے لشکر میں جا کر ان کی خبر لائے' اور اللہ

تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے۔ جاں نثار صحابہ کا مجمع تھا مگر حالات نے ایسا مجبور کر رکھا تھا کہ کوئی کھڑا نہیں ہو سکا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہو گئے، اور کچھ دیر نماز میں مشغول رہنے کے بعد پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہے کوئی شخص جو دشمن کے لشکر کی مجھے خبر لادے اور اس کے عوض میں جنت حاصل کرے، اس مرتبہ بھی پورے مجمع میں سناٹا رہا کوئی نہیں اٹھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر نماز میں مشغول ہو گئے اور کچھ دیر کے بعد پھر تیسری مرتبہ وہی خطاب فرمایا کہ جو ایسا کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا، مگر پوری قوم دن بھر کے سخت تکان اور کئی وقت کے فاقہ سے اور بھوک سے اور اوپر سے سردی کی شدت سے ایسی بے بس ہو رہی تھی کہ پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔

حضرت حذیفہ بن یمان راوی حدیث فرماتے ہیں کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام لے کر فرمایا کہ حذیفہ تم جاؤ، حالت میری بھی سب جیسی تھی، مگر نام لے کر حکم دینے پر اطاعت کے سوا چارہ نہ تھا، میں کھڑا ہو گیا، اور سردی سے میرا تمام بدن کانپ رہا تھا، آپؐ نے اپنا دستِ مبارک میرے سر اور چہرے پر پھیرا اور فرمایا کہ دشمن کے لشکر میں جاؤ اور مجھے صرف خبر لا کر دو اور میرے پاس واپس آنے سے پہلے کوئی کام نہ کرو، اور پھر آپؐ نے میری حفاظت کے لئے دعاء فرمائی میں نے اپنی تیر کمان اٹھائی اور اپنے کپڑے اپنے اوپر باندھ لئے اور ان کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب یہاں سے روانہ ہوا تو عجیب ماجرا یہ دیکھا کہ خیمے کے اندر بیٹھے ہوئے جو سردی سے کپکپی طاری تھی وہ ختم ہو گئی، اور میں اس طرح چل رہا تھا جیسے کوئی گرم حمام کے اندر ہو، یہاں تک کہ میں ان کے لشکر میں پہنچ گیا میں نے دیکھا کہ ہوا کے طوفان

نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے تھے اور ہانڈیاں الٹ دی تھیں، ابو سفیان آگ کے پاس بیٹھ کر سینک رہے تھے، میں نے یہ دیکھ کر اپنا تیر کمان مستحکم کیا اور ابو سفیان پر تیر پھینکنے ہی والا تھا کہ مجھے حضورؐ کا یہ فرمان یاد آگیا کہ کچھ کام وہاں سے واپس آنے تک نہ کرنا۔ ابو سفیان بالکل میری زد میں تھے، مگر اس فرمان کی بناء پر میں نے اپنا تیر الگ کر لیا۔

ابو سفیان حالات سے پریشان ہو کر واپسی کا اعلان کرنا چاہتے تھے مگر اس کے لئے ضروری تھا کہ قوم کے ذمہ داروں سے بات کریں، رات کی تاریکی میں اور سناٹے میں یہ خطرہ بھی تھا کہ کوئی جاسوس موجود ہو اور ان کی بات سن لے، اس لئے ابو سفیان نے یہ ہوشیاری کی کہ بات کرنے سے پہلے سارے مجمع کو کہا کہ ہر شخص اپنی برابر والے آدمی کو پہچان لے، تاکہ کوئی غیر آدمی ہماری بات نہ سن سکے۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اب مجھے خطرہ ہوا کہ میری برابر کا آدمی جب مجھ سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ تو میرا راز کھل جائے گا، انہوں نے بڑی ہوشیاری اور دلیری سے خود مسابقت کر کے اپنے برابر والے آدمی کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا تعجب ہے تم مجھے نہیں جانتے، میں فلاں ابن فلاں ہوں، وہ قبیلہ ہوازن کا آدمی تھا اس طرح اللہ تعالی نے حضرت حذیفہؓ کو گرفتاری سے بچا دیا۔

ابو سفیان نے جب یہ اطمینان کر لیا کہ مجمع اپنا ہی ہے، کوئی غیر نہیں تو اس نے پریشان کن حالات اور بنو قریظہ کی بد عہدی اور سامانِ جنگ ختم ہو جانے کے واقعات سنا کر کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ اب آپ سب واپس چلیں اور میں بھی واپس جا رہا ہوں اسی وقت لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، اور سب واپس جانے لگے۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں یہاں سے واپس چلا تو ایسا محسوس ہوا کہ میرے گرد کوئی گرم حمام ہے جو مجھے سردی سے بچا رہا ہے، واپس پہنچا تو آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کو نماز میں مشغول پایا جب آپ نے سلام پھیرا تو میں نے واقعہ کی خبر دی‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خبر مسرت سے خوش ہو کر ہنسنے لگے‘ یہاں تک کہ رات کی تاریکی میں آپؐ کے دندانِ مبارک چمکنے لگے‘ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علہ وسلم نے مجھے اپنے قدموں میں جگہ دی‘ اور جو چادر آپؐ اوڑھے ہوئے تھے اس کا ایک حصہ مجھ پر ڈال دیا۔ یہاں تک کہ میں سو گیا۔‘ جب صبح ہو گئی تو آپؐ نے ہی یہ کہہ کر مجھے بیدار فرمایا کہ قم یا نومان‘ کھڑا ہو جا اے بہت سونے والے“۔

آئندہ کفار کے حوصلے پست ہو جانے کی خوشخبری :

صحیح بخاری میں حضرت سلیمان بن صردؓ کی روایت ہے کہ احزاب کے واپس جانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْاٰنَ نغزوھم	یعنی اب وہ ہم پر حملہ آور نہ ہوں گے
ولا یغزُوْننَا نَحْنُ نَسِیْرُ	بلکہ ہم ان پر حملہ کریں گے اور ان کے
اِلَیْھِمْ (بخاری)	ملک پر چڑھائی کریں گے (مظہری)

یہ ارشاد فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام شہر مدینہ میں واپس آگئے‘ اور ایک مہینہ کے بعد مسلمانوں نے اپنے ہتھیار کھولے۔

تنبیہ :

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ صحیح مسلم میں ہے اور یہ مستقلاً ایک درس عبرت ہے‘ جو بہت سی ہدایات اور معجزات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے‘ غور کرنے والے خود معلوم کر لیں گے‘ تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں۔

غزوہ بنو قریظہ: ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مدینہ میں واپس پہنچے ہی تھے کہ اچانک جبرئیل امین علیہ السلام حضرت وحیہ کلبی صحابی کی صورت میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اگرچہ آپ لوگوں نے اپنے ہتھیار کھول دیئے ہیں مگر فرشتوں نے اپنے ہتھیار نہیں کھولے' اللہ تعالیٰ کا آپ کو یہ حکم ہے کہ آپ بنو قریظہ پر حملہ کریں اور میں آپ سے آگے وہیں جا رہا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اعلان کرنے کے لئے ایک منادی بھیج دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم لوگوں کو سنایا اور پہنچایا لَا یُصَلِّیَنَّ اَحَدٌ نِ الْعَصْرَ اِلَّا فِیْ بَنِیْ قُرَیْظَةَ "یعنی کوئی آدمی عصر کی نماز نہ پڑھے جب تک کہ بنو قریظہ میں نہ پہنچ جائے۔"

صحابہ کرام سب کے سب اس دوسرے جہاد کے لئے فوراً تیار ہو کر بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے' راستہ میں عصر کا وقت آیا تو بعض حضرات نے حکم نبوی کے ظاہر کے موافق راستہ میں نماز عصر ادا نہیں کی' بلکہ منزل مقرر بنو قریظہ میں پہنچ کر ادا کی' اور بعض نے یہ سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد عصر کے وقت میں بنو قریظہ پہنچ جانا ہے' ہم اگر نماز راستہ میں پڑھ کر عصر کے وقت میں وہاں پہنچ جائیں تو یہ حضورؐ کے ارشاد کے منافی نہیں' انہوں نے نماز عصر اپنے وقت پر راستہ میں ادا کر لی۔

مجتہدین کے اختلاف میں کوئی جانب گناہ یا منکر نہیں ہوتی جس پر ملامت کی جائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے اس اختلاف عمل کی خبر دی گئی' تو آپؐ نے دنوں فریق میں سے کسی کو ملامت نہیں فرمائی' بلکہ دونوں کی تصویب فرمائی' اس سے علماء امت نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ علمائے مجتہدین جو حقیقۃً مجتہد ہوں

اور اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کے اقوال مختلفہ میں سے کسی کو گناہ اور منکر نہیں کہا جاسکتا، دونوں فریقوں کے لئے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں ثواب لکھا جاتا ہے۔

بنو قریظہ سے جہاد کے لئے نکلنے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے آنے کی خبر سن کر بنو قریظہ قلعہ بند ہو گئے، اسلامی لشکر نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

بنو قریظہ کے رئیس کعب کی تقریر:

بنو قریظہ کا سردار کعب جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد توڑ کر احزاب کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، اس نے اپنی قوم کو جمع کر کے حالات کی نزاکت بیان کرتے ہوئے تین صورتیں عمل کی پیش کیں:

اول یہ کہ تم سب کے سب اسلام قبول کرو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو جاؤ کیونکہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سب لوگ جانتے ہو کہ وہ حق پر ہیں، اور تمہاری کتاب تورات میں ان کی پیشن گوئی موجود ہے، جو تم پڑھتے ہو، اگر تم نے ایسا کر لیا تو دنیا میں اپنی جان و مال اور اولاد کو محفوظ کر لو گے، اور آخرت بھی درست ہو جائے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تم اپنی اولاد اور عورتوں کو پہلے خود اپنے ہاتھ سے قتل کر دو، اور پھر پوری طاقت سے مقاتلہ کرو یہاں تک کہ تم بھی سب مقتول ہو جاؤ۔

تیسری صورت یہ ہے کہ یوم السبت (ہفتہ کے دن) تم مسلمانوں پر یکبارگی حملہ کر دو، کیونکہ مسلمان جانتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں یوم السبت میں قتال حرام ہے، اس لئے وہ ہماری طرف سے اس دن میں بے فکر ہوں گے، ہم ناگہانی طور پر حملہ

کریں تو ممکن ہے کامیاب ہو جائیں۔

کعب رئیس قوم کی یہ تقریر سن کر قوم کے لوگوں نے جواب دیا کہ پہلی بات یعنی مسلمان ہو جانا یہ تو ہم ہر گز قبول نہ کریں گے۔ کیونکہ ہم تورات کو چھوڑ کر اور کسی کتاب کو نہ مانیں گے، رہی دوسری بات تو عورتوں بچوں نے کیا قصور کا ہے کہ ہم ان کو قتل کر دیں، باقی تیسری بات خود حکم تورات اور ہمارے مذہب کے خلاف ہے، یہ بھی ہم نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد سب نے اس پر اتفاق کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور آپ ان کے بارے میں جو فیصلہ فرمادیں اس پر راضی ہو جائیں، انصاری صحابہ کرام میں جو لوگ قبیلہ اوس سے متعلق تھے ان کے اور بنو قریظہ کے درمیان قدیم زمانے میں معاہدہ رہا تا تو اوسی صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ میں ان کا معاملہ تمہارے ہی ایک سردار کے سپرد کر دوں یہ لوگ اس پر راضی ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہارے سردار سعد بن معاذ ہیں، اس کا فیصلہ میں ان کے سپرد کرتا ہوں اس پر سب لوگ راضی ہو گئے۔

حضرت سعد بن معاذؓ کو واقعہ خندق میں تیر کا زخم شدید پہنچا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تیمار داری کے لیے مسجد نبویؐ کے احاطہ میں ایک خیمہ لگوا کر اس میں ٹھہرا دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق بنو قریظہ کے قیدیوں کا فیصلہ ان پر چھوڑ دیا گیا، انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں سے جو جنگ کرنے والے جوان ہیں وہ قتل کر دیئے جائیں اور عورتوں، بچوں، بوڑھوں کے ساتھ جنگی

قیدیوں کا معاملہ کیا جائے جو اسلام میں معروف ہے' یہی فیصلہ نافذ کردیا گیا' اور اس فیصلے کے فوراً بعد ہی حضرت سعد بن معاذؓ کے زخم سے خون بہہ پڑا' اسی میں ان کی وفات ہوئی' اللہ تعالٰی نے ان کی دونوں دعائیں قبول فرمائیں ایک یہ کہ آئندہ قریش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حملہ نہ ہوگا دوسرے بنو قریظہ کی غداری کی سزا ان کو مل جائے وہ اللہ نے انہی کے ذریعہ دلوادی۔

جن کو قتل کرنا تجویز ہوا تھا ان میں سے بعض مسلمان ہو جانے کی وجہ سے آزاد کر دیئے۔ عطیہ قرظی جو صحابہ کرام میں معروف ہیں انہی لوگوں میں سے ہیں' انہی لوگوں میں زبیر بن باطا بھی تھے' ان کو حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کر کے آزاد کرا دیا جس کا سبب یہ تھا کہ زبیر بن باطا نے ان پر زمانہ جاہلیت میں ایک احسان کیا تھا وہ یہ کہ جاہلیت کے زمانے کی جنگ بعاث میں ثابت بن قیس قید ہو کر زبیر بن باطا کے قبضہ میں آگئے تھے' زبیر بن باطا نے ان کے سر کے بال کاٹ کر ان کو آزاد کر دیا قتل نہیں کیا تھا۔

احسان کے بدلے اور غیرت قومی کے دو عجیب نمونے:

حضرت ثابت بن قیس زبیر بن باطا کی رہائی کا حکم حاصل کر کے ان کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے یہ اس لئے کیا ہے کہ تمہارے اس احسان کا بدلہ کردوں' جو تم نے جنگ بعاث میں مجھ پر کیا تھا' زبیر بن باطا نے کہا کہ بے شک شریف آدمی دوسرے شریف کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کرتا ہے' مگر یہ تو بتلاؤ کہ وہ آدمی زندہ رہ کر کیا کرے گا جس کے اہل و عیال نہ رہے ہوں' یہ سن کر ثابت بن قیسؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ان کے اہل و عیال کی بھی جان بخشی کر دی جائے' آپ نے قبول فرمالیا' زبیر بن باطا کو اس کی اطلاع دی تو یہ ایک قدم اور آگے بڑھے کہ ثابتؓ یہ تو

بتلاؤ کہ کوئی انسان صاحب عیال کیسے زندہ رہے گا جب اس کے پاس کوئی مال نہ ہو، ثابت بن قیس پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کا مال بھی ان کو دلوا دیا، یہاں تک تو ایک مؤمن کی شرافت اور احسان شناسی کا قضیہ تھا جو حضرت ثابت بن قیس کی طرف سے ہوا۔

اب دوسرا رخ سنئے کہ زبیر بن باطا کو جب اپنے اور اپنے اہل و عیال کی آزادی اور اپنے مال و متاع سب واپس مل جانے کا اطمینان ہو چکا تو اس نے حضرت ثابت بن قیسؓ سے قبائل یہود کے سرداروں کے متعلق سوال کیا، اور پوچھا کہ ابن ابی الحقیق کا کیا ہوا جس کا چہرہ چینی آئینہ جیسا تھا، انہوں نے بتلایا کہ وہ قتل کر دیا گیا، پھر پوچھا کہ بنی قریظہ کے سردار کعب بن قریظہ اور عمرو بن قریظہ کا کیا انجام ہوا؟ انہوں نے بتلایا کہ یہ دونوں بھی قتل کر دیئے گئے پھر دو جماعتوں کے متعلق سوال کیا اس کے جواب میں ان کو خبر دی گئی کہ وہ سب قتل کر دیئے گئے۔

یہ سن کر زبیر بن باطا نے حضرت ثابت بن قیس سے کہا کہ آپ نے اپنے احسان کا بدلہ پورا کر دیا، اور اپنی ذمہ داری کا حق ادا کر دیا، مگر میں اب اپنی زمین جائداد کو ان لوگوں کے بعد آباد نہیں کروں گا، مجھے بھی انہی لوگوں کیساتھ شامل کر دو، یعنی قتل کر ڈالو، ثابت بن قیسؓ نے اس کو قتل کرنے سے انکار کر دیا، پھر اس کے اصرار پر کسی دوسرے مسلمان نے اس کو قتل کیا۔ (قرطبی)

یہ ایک کافر کی غیرت قومی تھی جس نے سب کچھ ملنے کے بعد اپنے ساتھیوں کے بغیر زندہ رہنا پسند نہ کیا، ایک مؤمن ایک کافر کے یہ دونوں عمل ایک تاریخی یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں، بنو قریظہ کی یہ فتح ہجرت کے پانچویں سال میں ماہ ذی قعدہ کے آخر اور ذی الحجہ کے شروع میں ہوئی ہے۔ (قرطبی)

تنبیہ :

غزوہ احزاب وبنو قریظہ کو اس جگہ کسی قدر تفصیل سے لانے کی ایک وجہ تو خود قرآن کریم کا ان کو تفصیل سے دو رکوع میں بیان فرمانا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ان واقعات میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق بہت سی ہدایات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بینات اور بہت سی عبرتیں ہیں، جن کو اس قصے میں عنوانات دے کر واضح کر دیا گیا ہے اس پورے واقعہ کے معلوم کر لینے کے بعد آیات مذکورہ کی تفسیر کے لئے خلاصہ تفسیر مذکور کا دیکھ لینا کافی ہے، کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں رہتی، صرف چند باتیں قابل نظر ہیں۔

اول یہ کہ اس غزوہ میں مسلمانوں پر شدت اور مختلف قسم کی تکلیفوں میں مبتلا ہونے کا ذکر فرما کر اس اضطراب کے عالم میں ایک حال تو مؤمنین کا بتلایا گیا ہے کہ تظنون باللہ الظنونا، یعنی تم لوگ اللہ کے ساھ مختلف قسم کے گمان کرنے لگے تھے، ان گمانوں سے مراد غیر اختیاری وساوس ہیں جو اضطراب کے وقت انسان کے دل میں آیا کرتے ہیں، کہ موت اب آ ہی گئی، اب نجات کی صورت نہیں رہی وغیرہ وغیرہ، ایسے غیر اختیاری خطرات وساوس نہ کمال ایمان کے منافی ہیں نہ کمال وولایت کے، البتہ ان سے مصیبت واضطراب کی شدت کا ضرور پتہ لگتا ہے، کہ صحابہ کرام جیسے جبال استقامت کے دلوں میں بھی وسوسے آنے لگے۔

دوسرا حال منافقین کا ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے کھلے طور پر اللہ ورسولؐ کے وعدوں کو دھوکہ فریب کہنا شروع کر دیا، واذ یقول المنٰفقون والذین فی قلوبھم مرض ما وعدنا اللہ ورسولہ الا غروراً یہ ان کے باطنی کفر کا اظہار تھا آگے عملی طور پر وہ منافقین جو ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ شریک جہاد تھے ان کے دو طبقوں

کا ذکر ہے، ایک طبقہ تو بے پوچھے بھاگنے لگا، جس نے کہا یا **هل یثرب لا مقام لکم فارجعوا** اور دوسرے طبقے نے حیلے بہانے تراش کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واپس چلے جانے کی درخواست کی جن کا حال یہ ذکر کیا گیا ہے کہ **ویستأذن فریق منهم النبی یقولون ان بیوتنا عورة الاية** قرآن کریم نے ان کے حیلے بہانے کو کھول دیا۔ کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ میدان سے بھاگنا چاہتے ہیں **ان یریدون الا فراراً** آگے کئی آیتوں میں ان کی شرارت اور مسلمانوں کے ساتھ عداوت پھر ان کے انجام بد کا ذکر فرمایا۔

اس کے بعد مؤمنین مخلصین کا ذکر فرما کر ان کے ثبات واستقلال کی مدح کی گئی ہے، اسی کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع واقتداء کی تاکید ایک ضابطہ کی صورت میں بیان فرمائی گئی ہے **لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة** اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال سب کی اقتداء کا حکم ثابت ہوا۔ مگر محققین ائمہ تفسیر کے نزدیک اس کی عملی صورت یہ ہے کہ جس کام کا کرنا یا چھوڑنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدرجہ وجوب ثابت ہو اس کا اتباع واجب ولازم ہے، اور جس کام کا کرنا یا چھوڑنا بدرجہ استحباب ثابت ہو اس کا کرنا یا چھوڑنا ہم پر بھی درجہ استحباب میں رہے گا کہ اس کی خلاف ورزی گناہ نہ قرار دی جائے گی (**قلت الیه یرجع کلام الجصاص فی احکام القرآن**)

آیات مذکورہ میں سے آخری تین آیتوں میں واقعہ بنو قریظہ کا ذکر ہے **وانزل الذین ظاهروهم من اهل الکتب من صیاصیهم** یعنی جن اہل کتاب نے اہل احزاب کی مدد کی تھی اللہ تعالی نے ان کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا رعب ڈال کر ان کے مضبوط قلعوں سے ان کو نیچے اتار دیا، اور ان کے

اموال اور دار و دیار کا مسلمانوں کو وارث بنایا۔

آخری آیت میں آئندہ ہونے والی فتوحات کی خوش خبری دی گئی ہے کہ اب کفار کے حملے ختم ہوئے، اب مسلمانوں کی فتوحات کا دور شروع ہوگا، اور ایسی ایسی زمینیں ان کے قبضہ میں آئیں گی جہاں ان کے قدم بھی اب تک نہیں پہنچے، جس کا ظہور صحابہ کرام کے دور میں سب کی آنکھوں نے دیکھ لیا، کہ کسریٰ و قیصر کی سب سے بڑی سلطنتیں ان کے زیر نگیں آگئیں، واللہ یفعل ما یشاء چنانچہ اس کی ایک مثال سورۃ الفتح میں ہے۔

بار بار عہد شکنی کی وجہ سے جزیرہ عرب سے یہود کو نکال دینے کا حکم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ فِی الْمَسْجِدِ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ انْطَلِقُوْا اِلٰی یَهُوْدَ فَخَرَجْنَا مَعَهٗ حَتّٰی جِئْنَا بَیْتَ الْمِدْرَاسِ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ یَهُوْدَ اَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا اِعْلَمُوْا اَنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَاِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُجْلِیَکُمْ مِنْ هٰذِهِ الْاَرْضِ فَمَنْ وَجَدَ مِنْکُمْ بِمَالِهٖ شَیْئاً فَلْیَبِعْهُ متفق علیه.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں ہم مسجد میں بیٹھے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا یہود کی طرف چلو ہم آپ کے ساتھ ہو لئے اور یہود کے مدرسہ میں پہنچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا اے گروہ یہود! تم مسلمان ہو جاؤ تاکہ تم سلامت رہو واضح ہو کہ زمین خدا اور اس کے رسولؐ کی ہے اور میں نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ میں تم کو

اس زمین سے جلاوطن کردوں پس تم اپنے مال سے جس چیز کو فروخت کرنا چاہو فروخت کردو۔ (بخاری ومسلم)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَامَ عُمَرُ خَطِيْبًا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَامَلَ يَهُوْدَ خَيْبَرَ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَقَالَ نُقِرُّكُمْ مَا اَقَرَّكُمُ اللّٰهُ وَقَدْ رَاَيْتُ اِجْلَائَهُمْ فَلَمَّا اَجْمَعَ عُمَرُ عَلٰى ذٰلِكَ اَتَاهُ اَحَدُ بَنِيْ اَبِي الْحُقَيْقِ فَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُخْرِجُنَا وَقَدْ اَقَرَّنَا مُحَمَّدٌ وَعَامَلَنَا عَلَى الْاَمْوَالِ فَقَالَ عُمَرُ اَظَنَنْتَ اَنِّيْ نَسِيْتُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بِكَ اِذَا اُخْرِجْتَ مِنْ خَيْبَرَ تَعْدُوْبِكَ قُلُوْصُكَ لَيْلَةً بَعْدَ لَيْلَةٍ فَقَالَ هٰذِهٖ كَانَتْ هُزَيْلَةً مِنْ اَبِي الْقَاسِمِ فَقَالَ كَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ فَاَجْلَاهُمْ عُمَرُ وَاَعْطَاهُمْ قِيْمَةَ مَا كَانَ لَهُمْ مِنَ الثَّمَرِ مَالًا وَاِبِلًا وَعُرُوْضًا مِنْ اَقْتَابٍ وَحِبَالٍ وَغَيْرِ ذٰلِكَ رواه البخاری.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے معاملہ کرلیا تھا یعنی اس طرح کہ ان کی زمینیں ان کے پاس رہیں گی۔ اور محاصل میں سے آدھا ان سے لے لیا جایا کرے گا اور ان پر جزیہ بھی مقرر کیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ ہم تم کو اس وقت تک باقی رکھیں گے جب تک کہ خدا تم کو باقی رکھے گا (یعنی جب تک کہ تمہارے نکال دینے کا ہم کو حکم نہ دے گا) اب میں ان کی جلاوطنی کو مناسب سمجھتا ہوں پھر جب حضرت عمر نے یہود کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کرلیا تو قبیلہ ابی حقیق کا ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا امیر المؤمنین

کیا آپ ہم کو نکالتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ٹھہرایا تھا اور مال پر ہم سے معاملہ کر لیا تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ میں خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول بھول گیا ہوں جو تجھ سے فرمایا تھا یعنی یہ کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا اور تو کیا کرے گا جبکہ تو خیبر سے نکال دیا جائے گا راتوں رات اور تیری اونٹنی تیرے ساتھ دوڑتی ہوگی ابن ابی الحقیق نے کہا کہ ابوالقاسم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ بات مذاق کے طور پر کہی تھی عمر نے کہا خدا کے دشمن تو جھوٹا ہے (آپ نے مزاح کے طور پر نہیں فرمایا تھا) پھر حضرت عمرؓ نے یہود کو جلاوطن کر دیا اور ان کے پھلوں وغیرہ کی قیمت میں مال اونٹ اور اسباب یعنی پالان اور رسیال وغیرہ دے دیں۔ بخاری

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصٰى بِثَلٰثَةٍ قَالَ اَخْرِجُو الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَاَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ اُجِيْزُهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ اَوْ قَالَ فَاُنْسِيْتُهَا متفق علیه.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وفات کے وقت) تین باتوں کی وصیت فرمائی ایک تو یہ کہ مشرکوں کو جزیرہ عرب کے باہر نکال دیا جائے دوسرے یہ کہ قاصدوں اور ایلچیوں سے ایسا ہی سلوک کرنا جیسا کہ میں کیا کرتا تھا ابن عباسؓ نے کہا اور تیسری بات سے آپ نے سکوت فرمایا ابن عباسؓ نے یہ کہا کہ تیسری بات کو میں بھول گیا۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَاُخْرِجَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ حَتّٰی لَا اَدَعَ فِیْهَا اِلَّا مُسْلِمًا رواه مسلم وفی روایة لَئِنْ عِشْتُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَاُخْرِجَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے البتہ میں یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا یہاں تک کہ مسلمان کے سوا کسی کو باقی نہ چھوڑوں گا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے یہ فرمایا اگر میں زندہ رہا انشاء اللہ تو البتہ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا (مسلم)

لَیْسَ فِیْهِ اِلَّا حَدِیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا یَکُوْنُ قِبْلَتَانِ وَقَدْ مَرَّ فِیْ بَابِ الْجِزْیَةِ۔

اس فصل میں صرف ایک حدیث ابن عباسؓ کی تھی جس کا شروع یہ ہے کہ ایک زمین میں دو قبیلے مناسب نہیں ہیں جس کو ہم جزیہ کے بیان میں درج کر چکے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ اَجْلَی الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی مِنْ اَرْضِ الْحِجَازِ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا ظَهَرَ عَلٰی اَهْلِ خَیْبَرَ اَرَادَ اَنْ یُخْرِجَ الْیَهُوْدَ مِنْهَا وَکَانَتِ الْاَرْضُ لَمَّا ظُهِرَ عَلَیْهَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُسْلِمِیْنَ فَسَاَلَ الْیَهُوْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلّٰی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَتْرُکَھُمْ عَلیٰ اَنْ یَکْفُوا الْعَمَلَ وَلَھُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُقِرُّکُمْ عَلیٰ ذٰالِكَ مَاشِئْنَا فَاُقِرُّوْا حَتّٰی اَجْلَاھُمْ عُمَرُ فِیْ اِمَارَتِہٖ اِلیٰ تَیْمَاءَ وَاَرِیْحَاء متفق علیه.

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ نے یہود و نصاریٰ کو زمین حجاز یعنی جزیرہ عرب سے جلاوطن کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر پر غلبہ حاصل کیا تو یہود کو خیبر سے نکال دینے کا خیال ظاہر کیا تھا اس لئے کہ خیبر کی زمین پر قبضہ ہو جانے کے بعد اب وہ خدا کی اس کے رسولؐ کی اور تمام مسلمانوں کی تھی۔ یہود نے (آپ کے ارادہ کا حال معلوم کر کے) آپ سے عرض کیا اگر اس شرط پر ان کو رہنے کی اجازت دے دی جائے تو بہتر ہے کہ کاشتکاری کے سارے کام وہ کریں گے اور پیداوار میں سے نصف آپ کو دے دیا جائے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا ہم اس شرط کے موافق جب تک ہمارا جی چاہے گا تم کو رہنے دیں گے چنانچہ ان کو اجازت دے دی گئی پھر حضرت عمر نے اپنے ایام خلافت میں ان کو تیما اور اریحا کی طرف جلاوطن کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

صلح حدیبیہ فتح مکہ کا پیش خیمہ اس لئے
اس کا نام سورۃ الفتح رکھا گیا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًاO لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًاO وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًاO

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ۔ تا معاف کرے تجھ کو
اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے، اور پورا کر دے تجھ پر اپنا
احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد۔

خلاصہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرفرازی میں چار وعدوں کا بیان اگلے پچھلے گناہوں کی معافی۔ اتمام نعمت۔ صراط مستقیم پر چلانا، اور زبردست مدد کرنا، مشرکین اور منافقین پر غضب و ذلت اور لعنت الٰہی۔ اور داخلہ جہنم کی پیش گوئی۔

تفسیر:

جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر کے نزدیک سورہ فتح ۶ھ میں اس وقت نازل ہوئی جبکہ آپ بقصد عمرہ مکہ مکرمہ مع جماعت صحابہ کے تشریف لے گئے اور حرم مکہ کے قریب مقام حدیبیہ تک پہنچ کر قیام فرمایا مگر قریش مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کیا پھر اس پر صلح کرنے کے لئے تیار ہوئے کہ اس سال تو آپ واپس چلے جائیں، اگلے سال اس عمرہ کی قضاء کر لیں، بہت سے صحابہ کرام خصوصاً فاروق اعظم اس طرح کی صلح سے ناراض تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باشارات ربانی اس صلح کو انجام کار مسلمانوں کے لئے ذریعہ کامیابی سمجھ کر قبول فرمالیا جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا احرام عمرہ کھول دیا اور حدیبیہ سے واپس روانہ ہوئے تو راستہ میں یہ سورت پوری نازل ہوئی جس میں بتلا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ہے ضرور واقع ہوگا مگر اس کا یہ وقت نہیں بعد میں فتح کے وقت ہوگا اور اس صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ صلح ہی درحقیقت فتح مکہ کا سبب بنی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے فرمایا ہے کہ تم لوگ تو فتح مکہ کو فتح کہتے ہو اور ہم صلح حدیبیہ

کو فتح سمجھتے ہیں۔ اسی طرح جابرؓ نے فرمایا کہ ہم صلح حدیبیہ ہی کو فتح سمجھتے ہیں اور حضرت براء بن عازبؓ نے فرمایا کہ تم لوگ تو فتح مکہ ہی کو فتح سمجھتے ہو اور کوئی شک نہیں کہ وہ فتح ہے لیکن ہم تو واقعہ حدیبیہ کے وقت بیعت رضوان کو اصلی فتح سمجھتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین صحابہ سے جن کی تعداد چودہ سو تھی ایک درخت کے نیچے جہاد کرنے پر بیعت لی تھی جیسا کہ اسی صورت میں اس بیعت کا ذکر بھی آگے آ رہا ہے (ملخص از ابن کثیر) اور جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سورت واقعہ حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور اس واقعہ کے بہت سے اجزا کا خود اس صورت میں تذکرہ بھی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس واقعہ کو پہلے ذکر کر دیا جائے۔ تفسیر ابن کثیر میں اس کی بڑی تفصیل ہے اور اس سے زیادہ تفسیر مظہری میں اس جگہ چودہ صفحات میں یہ قصہ اول سے آخر تک مفصل اور مرتب مستند کتب حدیث کے حوالہ سے بیان کیا ہے جو بہت سے معجزات اور نصائح اور علمی۔ دینی۔ سیاسی فوائد و حکم پر مشتمل ہے اس میں سے یہاں اس قصہ کے صرف وہ اجزاء لکھے جاتے ہیں جن کا ذکر خود اس سورت میں کیا گیا ہے یا جن سے اس کا گہرا تعلق ہے تاکہ آگے ان آیتوں کی تفسیر سمجھنا آسان ہو جائے جو اس قصہ سے متعلق ہیں اور یہ سب بیان تفسیر مظہری سے لیا گیا ہے اور جو کسی دوسری تفسیر سے لیا ہے اس کا حوالہ دے دیا ہے۔

واقعہ حدیبیہ :

حدیبیہ ' ایک مقام مکہ مکرمہ سے باہر حدود حرم کے بالکل قریب ہے جس کو آج کل شمیسہ کہا جاتا ہے یہ واقعہ اس مقام پر پیش آیا ہے۔

جزو اول : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب :

اس واقعہ کا ایک جزو بروایت عبد بن حمید و ابن جریر و بیہقی وغیرہ یہ ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں یہ خواب دیکھا کہ آپ مکہ مکرمہ میں مع صحابہ کرام کے امن واطمینان کے ساتھ داخل ہوئے اور احرام سے فارغ ہو کر کچھ لوگوں نے حسب قاعدہ سر کا حلق کرایا' بعض نے بال کٹوا لئے اور یہ کہ آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ اور بیت اللہ کی چابی آپ کے ہاتھ آئی۔ یہ اس واقعہ کا ایک جزو ہے جس کا ذکر اسی سورت میں آنے والا ہے (انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے اس لئے اس صورت کا واقع ہونا یقینی ہو گیا مگر خواب میں اس واقعہ کے لئے کوئی سال یا مہینہ متعین نہیں کیا گیا' اور در حقیقت یہ خواب فتح مکہ کے وقت پورا ہونے والا تھا۔ مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خواب سنایا تو وہ سب کے سب مکہ مکرمہ جانے اور بیت اللہ کا طواف کرنے وغیرہ کے ایسے مشتاق تھے کہ ان حضرات نے فوراً ہی تیاری شروع کر دی اور جب صحابہ کرام کا ایک مجمع تیار ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارادہ فرمالیا کیونکہ خواب میں کوئی خاص سال یا مہینہ متعین نہیں تھا تو احتمال یہ بھی تھا کہ ابھی یہ مقصد حاصل ہو جائے (کذا فی بیان القرآن بحوالہ روح المعانی)

جزو دوم' آپ کا صحابہ کرام اور دیہات کے مسلمانوں کو ساتھ چلنے کے لئے بلانا اور بعض کا انکار کرنا

ابن سعد وغیرہ کی روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے عمرہ کا ارادہ فرمالیا تو آپ کو یہ خطرہ سامنے تھا کہ قریش مکہ ممکن ہے کہ ہمیں عمرہ کرنے سے روکیں اور ممکن ہے کہ مدافعت کے لئے جنگ کی صورت پیش آجائے اس لئے آپ نے مدینہ طیبہ کے قریبی دیہات میں اعلان کر کے ان لوگوں کو ساتھ چلنے کی دعوت دی' ان میں سے بہت سے اعراب (دیہات) نے ساتھ چلنے سے عذر

کر دیا اور کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب ہمیں قریش مکہ سے لڑوانا چاہتے ہیں جو ساز و سامان والے اور طاقتور ہیں ان کا انجام تو یہ ہونا ہے کہ یہ اس سفر سے زندہ واپس نہ لوٹیں گے۔ (مظہری)

جزو سوم مکہ کی طرف روانگی:

امام احمد بخاری، ابو داؤد و نسائی وغیرہ کی روایت کے مطابق روانگی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اور نیا لباس زیب تن فرمایا اور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے، ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کو ساتھ لیا اور آپ کے ساتھ مہاجرین و انصار اور دیہات کے آنے والوں کا بڑا مجمع تھا جن کی تعداد اکثر روایات میں چودہ سو بیان کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی وجہ سے ان میں کسی کو شک نہیں تھا کہ مکہ اسی وقت فتح ہو جائے گا، حالانکہ بجز تلواروں کے ان کے ساتھ اور کچھ اسلحہ نہ تھے۔ آپ مع صحابہ کرام کے شروع ماہ ذیقعدہ میں پیر کے دن روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ میں پہنچ کر احرام باندھا۔ (مظہری ملخصاً)

جزو چہارم، اہل مکہ کی مقابلے کے لئے تیاری:

دوسری طرف جب اہل مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بڑی جماعت صحابہ کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہونے کی خبر ملی تو جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کے لئے آ رہے ہیں اگر ہم نے ان کو مکہ میں آنے دیا تو تمام عرب میں یہ شہرت ہو جائے گی کہ وہ ہم پر غلبہ پا کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے حالانکہ ہمارے اور ان کے درمیان کئی جنگیں ہو چکی ہیں سب نے عہد کیا کہ ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے اور آپ کو روکنے کے لئے خالد بن ولید (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی سرکردگی میں ایک جماعت کو مکہ سے باہر مقام کراع الغمیم

پر بھیج دیا اور آس پاس کے دیہات والوں کو بھی ساتھ ملا لیا اور طائف کا قبیلہ بنو ثقیف بھی ان کے ساتھ لگ گیا، انہوں نے مقام بلدح پر اپنا پڑاؤ ڈال لیا، ان سب نے آپس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے اور آپ کے مقابلے میں جنگ کرنے کا عہد کر لیا۔

خبر رسانی کا ایک عجیب سادہ طریقہ :

ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے یہ انتظام کیا کہ مقام بلدح سے لے کر اس مقام تک جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ چکے تھے پہاڑوں کی چوٹیوں پر کچھ آدمی بٹھا دیئے تاکہ آپ کے پورے حالات دیکھ کر آپ کے متصل پہاڑ والا باآواز بلند دوسرے پہاڑ والے تک وہ تیسرے تک وہ چوتھے تک پہنچا دے اس طرح چند منٹوں میں آپ کی نقل و حرکت کا بلدح والوں کو علم ہو جاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر رساں :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر ابن سفیان کو آگے مکہ مکرمہ بھیج دیا تھا کہ وہ خفیہ اہل مکہ کے حالات جا کر دیکھیں اور آپ کو اطلاع کریں۔ وہ مکہ سے واپس آئے تو اہل مکہ کی ان جنگی تیاریوں اور مکمل مزاحمت کے واقعات کی خبر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افسوس ہے قریش پر کہ متعدد جنگوں نے ان کو کھا لیا ہے پھر بھی وہ جنگ سے باز نہیں آتے، ان کے لئے تو اچھا موقع تھا کہ وہ مجھے اور دوسرے اہل عرب کو آزاد چھوڑ دیتے اگر یہ عرب لوگ مجھ پر غالب آجاتے تو ان کی مراد گھر بیٹھے حاصل تھی اور میں ان پر غالب آجاتا تو پھر وہ بھی اسلام میں داخل ہو جاتے اور اگر یہ نہ کرتے اور جنگ ہی کرنے کا ارادہ ہوتا تو وہ تازہ اور قوی ہوتے اور پھر وہ میرے

مقابلے پر آجاتے، معلوم نہیں کہ یہ قریش کیا سمجھ رہے ہیں قسم ہے اللہ کی کہ میں اس حکم پر جو اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے ہمیشہ ان کے خلاف جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ تنہا میری گردن رہ جائے۔

جزو پنجم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ کا راستہ میں بیٹھ جانا:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور مشورہ لیا کہ اب ہمیں یہیں سے ان عربوں کے خلاف جہاد شروع کر دینا چاہئے یا ہم بیت اللہ کی طرف بڑھیں، پھر جو ہمیں روکے اس سے قتال کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق اور دوسرے صحابہ نے مشورہ دیا کہ آپ بیت اللہ کے قصد سے نکلے ہیں کسی سے جنگ کے لئے نہیں نکلے اس لئے آپ اپنے قصد پر رہیں ہاں اگر کوئی ہمیں مکہ سے روکے گا تو ہم اس سے قتال کریں گے، اس کے بعد حضرات مقداد بن اسود اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہ آپ سے یہ کہہ دیں **اذھب انت وربك فقاتلا** (یعنی جایئے آپ اور آپ کا رب لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) بلکہ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ قتال کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا، بس اب اللہ کے نام پر مکہ کی طرف چلو۔ جب آپ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے اور خالد بن ولید اور ان کے ساتھیوں نے آپ کو مکہ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اپنے لشکر کی صفوف جانب قبلہ کی طرف مستحکم کر کے کھڑا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباد بن بشر کو ایک دستہ فوج کا امیر بنا کر آگے کیا، انہوں نے خالد بن ولید کے لشکر کے بالمقابل صفوف بنالیں، اسی حالت میں نماز ظہر کا وقت آگیا حضرت بلال نے اذان کہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ خالد بن ولید اور ان کے سپاہی دیکھتے رہے۔ بعد میں خالد بن ولید نے کہا کہ ہم نے بڑا اچھا

موقع ضائع کر دیا جب یہ لوگ سب نماز میں تھے اس وقت ہم ان پر ٹوٹ پڑتے مگر کچھ بات نہیں اب ان کی دوسری نماز کا وقت آنے والا ہے اس کا انتظار کرو مگر جبرئیل علیہ السلام صلوٰۃ الخوف کے احکام لے کر نازل ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارادوں سے باخبر کر کے نماز کے وقت لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا طریقہ بتلا دیا اور ان کے شر سے محفوظ رہے۔

جزو ششم' مقام حدیبیہ میں ایک معجزہ:

مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے قریب پہنچے تو آپ کی اونٹنی کا ہاتھ پھسل گیا وہ بیٹھ گئی۔ صحابہ کرام نے اٹھانا چاہا تو نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا کہ قصویٰ بجڑ گئی۔ آپ نے فرمایا قصویٰ کا قصور نہیں نہ اس کی ایسی عادت ہے بلکہ اس کو تو اس ذات نے روک دیا ہے جس نے اصحاب فیل کو روک دیا تھا) (غالباً اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انداز ہو گیا کہ جو واقعہ خواب میں دکھلایا گیا ہے اس کا یہ وقت نہیں ہے) آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے آج کے دن قریش مجھ سے جو بات بھی ایسی کہیں گے جس میں شعائر الہیہ کی تعظیم ہو تو میں اس کو ضرور مان لوں گا پھر آپ نے اونٹنی پر ایک آواز لگائی تو اٹھ گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کی جانب سے ہٹ کر حدیبیہ کی دوسری جانب قیام فرمایا جہاں پانی بہت ہی کم تھا۔ پانی کے مواقع پر خالید بن ولید اور بلدح والے قابض ہو چکے تھے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ ایک کنواں جس میں پانی کچھ کچھ رستا تھا اس میں آپ نے کلی کر دی اور اپنا اک تیر دیا کہ اس کے اندر گاڑ دو' یہ عمل ہوتے ہی اس کا پانی جوش مار کر کنویں کی من کے قریب پہنچ گیا کنویں کے اوپر والوں نے اپنے برتنوں سے پانی نکالا اور سیراب ہو گئے۔

جزو ہفتم، اہل مکہ کے ساتھ بواسطہ وفود بات چیت :

اس طرح سب صحابہ مطمئن ہو کر یہاں مقیم ہوئے اور اہل مکہ سے بواسطہ وفود بات چیت شروع ہوئی۔ پہلے بدیل بن ورقاء (جو بعد میں مسلمان ہو گئے) اپنے ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر خواہانہ عرض کیا کہ قریش مکہ پوری قوت کے ساتھ مقابلے کے لئے نکل آئے ہیں اور پانی کی جگھوں پر انہوں نے قبضہ کر لیا ہے وہ ہرگز آپ کو نہ چھوڑیں گے کہ آپ مکہ میں داخل ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کسی سے جنگ کرنے نہیں آئے البتہ اگر کوئی ہمیں عمرہ کرنے سے روکے گا تو ہم قتال کریں گے پھر آپ نے اسی بات کا اعادہ فرمایا جو پہلے جاسوس بشر کے سامنے کہی تھی کہ قریش کو متعدد جنگوں نے کمزور کر دیا ہے اگر وہ چاہیں تو کسی معین مدت تک کے لئے ہم سے صلح کر لیں تاکہ وہ بے فکر ہو کر اپنی تیاری میں لگ جائیں اور ہمیں اور باقی عرب کو چھوڑ دیں، اگر وہ مجھ پر غالب آگئے تو ان کی مراد گھر بیٹھے پوری ہو جائے گی اور اگر ہم غالب آگئے اور وہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو ان کو اختیار ہوگا کہ وہ بھی اسلام میں داخل ہو جاویں یا ہمارے خلاف جنگ کریں اور اس عرصہ میں وہ اپنی قوت محفوظ رکھ کر بڑھا چکے ہوں گے اور اگر قریش اس بات سے انکار کریں تو بخدا ہم اپنے معاملہ پر ان سے جہاد کرتے رہیں گے جب تک کہ میری تنہا گردن باقی ہے۔ بدیل یہ کہہ کر واپس ہو گئے کہ میں جا کر قریشی سرداروں سے آپ کی بات کہہ دیتا ہوں۔ وہاں پہنچے تو کچھ لوگوں نے تو ان کی بات ہی سننا نہ چاہا بلکہ جنگ کے جوش میں رہے پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ بات تو سن لیں، یہ کہنے والے عروہ بن مسعود اپنی قوم کے سردار تھے، جب بات سنی تو عروہ بن مسعود نے قریشی سرداروں سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات پیش کی ہے وہ درست ہے اس کو

قبول کر لو اور مجھے اجازت دو کہ میں جا کر ان سے بات کروں، چنانچہ دوسری مرتبہ عروہ بن مسعود گفتگو کے لئے حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اگر اپنی قوم قریش کا صفایا ہی کر دیں تو یہ کون سی اچھی بات ہو گی، کبھی دنیا میں آپ نے سنا ہے کہ کوئی شخص اپنی ہی قوم کو ہلاک کر دے۔ پھر صحابہ کرام سے ان کی نرم و گرم باتیں ہوتی رہیں اسی حال میں عروہ صحابہ کرام کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوکا بھی تو صحابہ نے اس کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں سے مل لیا۔ اور جب آپ نے وضو کیا تو وضو کے گرنے والے پانی پر صحابہ کرامؓ ٹوٹ پڑتے اور اپنے چہروں کو ملتے تھے اور جب آپ گفتگو فرماتے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے۔ عروہ نے واپس جا کر قریشی سرداروں سے یہ حال بیان کیا کہ میں بڑے بڑے شاہی درباروں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پاس جا چکا ہوں، خدا کی قسم میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا جس کی قوم اس پر اس طرح فدا ہو جیسے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پر فدا ہیں اور وہ ایک صحیح بات کہہ رہے ہیں میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ان کی بات مان لو، مگر لوگوں نے کہا ہم یہ بات نہیں مان سکتے بجز اس کے کہ اس سال تو آپ لوٹ جائیں پھر اگلے سال آ جائیں۔ جب عروہ کی بات نہ مانی گئی تو وہ اپنی جماعت کو ساتھ لے کر واپس ہو گئے اس کے بعد ایک صاحب جلیس بن علقمہ جو اعراب کے سردار تھے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحابہ کرام کو احرام کی حالت میں قربانی کے جانور ساتھ لئے دیکھا تو واپس ہو کر اس نے بھی اپنی قوم کو سمجھایا کہ یہ لوگ بیت اللہ کے عمرہ کے لئے آئے ہیں ان کو روکنا کسی طرح درست نہیں، لوگوں نے اس کا کہنا نہ سنا تو یہ بھی اپنی جماعت کو لے کر واپس ہو گیا۔ پھر ایک چوتھا آدمی آپ سے بات کرنے کے لئے آیا اور آپ سے گفتگو کی تو آپ نے اپنی وہی بات پیش کر دی جو اس سے

پہلے بدیل اور عروہ ابن مسعود کے سامنے پیش کی تھی اس نے جاکر آپ کا جواب قریش کو سنادیا۔

جزو ہشتم، حضرت عثمانؓ کو اہل مکہ کے لئے پیغام دے کر بھیجنا:

امام بیہقی نے حضرت عروہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں پہنچ کر قیام فرمایا تو قریش گھبرا گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ ان کے پاس اپنا کوئی آدمی بھیج کر بتلادیں کہ ہم جنگ کرنے نہیں عمرہ کرنے آئے ہیں ہمارا راستہ نہ روکو۔ اس کام کے لئے حضرت عمرؓ کو بلایا انہوں نے عرض کیا کہ یہ قریش میرے سخت دشمن ہیں۔ کیونکہ ان کو میری عداوت وشدت کا حال معلوم ہے اور میرے قبیلہ کا کوئی آدمی ایسا مکہ میں نہیں جو میری حمایت کرے اس لئے میں آپ کے سامنے ایک ایسے شخص کا نام پیش کرتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں اپنے قبیلہ وغیرہ کی وجہ سے خاص قوت وعزت رکھتے ہیں یعنی عثمان بن عفانؓ، آپ نے حضرت عثمان کو اس کام کے لئے مامور فرما کر بھیج دیا اور یہ بھی فرمایا کہ جو ضعفاء مسلمین مرد اور عورتیں مکہ مکرمہ سے ہجرت نہیں کرسکے اور مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے پاس جاکر تسلی کردیں کہ پریشان نہ ہوں انشاء اللہ مکہ مکرمہ فتح ہوکر تمہاری مشکلات کے ختم ہونے کا وقت آگیا ہے۔ حضرت عثمان غنی پہلے ان لوگوں کے پاس پہنچے جو مقام بلدح میں حضورؐ کا راستہ روکنے اور مقابلے کے لئے جمع ہوئے تھے ان سے جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی بات سنادی جو آپ نے بدیل اور عروہ ابن مسعود وغیرہ کے سامنے کہی تھی، ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے پیغام سن لیا آپ جاکر اپنے بزرگ سے کہہ دو کہ یہ بات ہرگز نہیں ہوگی۔ ان لوگوں کا جواب سن کر آپ مکہ مکرمہ کے اندر جانے لگے تو ابان بن سعید (جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے) ان سے

ملاقات ہوئی انہوں نے حضرت عثمان کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور اپنی پناہ میں لے کر ان سے کہا کہ مکہ میں اپنا پیغام لے کر جہاں چاہیں جاسکتے ہیں اس میں آپ کوئی فکر نہ کریں پھر اپنے گھوڑے پر حضرت عثمان کو سوار کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے کیونکہ ان کا قبیلہ بنو سعید مکہ مکرمہ میں بہت قوی اور عزت دار تھا' یہاں تک کہ حضرت عثمان مکہ مکرمہ میں قریش کے ایک ایک سردار کے پاس پہنچے اور حضورؐ کا پیغام پہنچایا کہ ہم کسی سے لڑنے کے لئے نہیں آئے عمرہ کر کے واپس جائیں گے ہاں کوئی ہمارا راستہ روکے گا تو لڑیں گے اور قریش خود جنگوں سے نیم جاں ہو چکے ہیں ان کے لئے مناسب یہ ہے کہ ہمیں اور دوسرے اہل عرب کو چھوڑ دیں قریش ہمارے مقابلہ پر نہ آئیں پھر دیکھیں اگر عرب ہم پر غالب آگئے تو ان کی مراد پوری ہو جائے گی اور ہم غالب آئے تو انہیں پھر بھی اختیار باقی ہوگا اس وقت قتال کر سکتے ہیں اور اس عرصہ میں ان کو اپنی طاقت بڑھانے اور محفوظ رکھنے کا موقع بھی مل جائے گا مگر ان سب نے آپ کی بات کو رد کر دیا۔ پھر عثمان غنیؓ ضعفاء مسلمین سے ملے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا وہ بہت خوش ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام بھیجا۔ جب حضرت عثمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامات پہنچانے سے فارغ ہوئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں۔ عثمان غنیؓ نے کہا کہ میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کریں' عثمان غنیؓ مکہ میں تین رات رہے اور رؤسا قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے کی طرف دعوت دیتے رہے۔

جزو نہم' اہل مکہ اور مسلمانوں میں آویزش اور اہل مکہ کے ستر آدمیوں کی گرفتاری

اسی عرصہ میں قریش نے اپنے پچاس آدمی اس کام پر لگائے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر موقع کا انتظار کریں اور موقع ملنے پر (معاذاللہ) آپ کا قصہ ختم کر دیں۔ یہ لوگ اسی تاک میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ونگرانی پر مامور حضرت محمد بن مسلمہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قید کر کے حاضر کر دیا' دوسری طرف حضرت عثمانؓ جو مکہ میں تھے اور ان کے ساتھ تقریباً دس مسلمان اور مکہ مکرمہ مین پہنچ گئے تھے۔ قریش نے جب اپنے پچاس آدمیوں کی گرفتاری کا حال سنا تو حضرت عثمان سمیت ان سب مسلمانوں کو روک لیا اور قریش کی ایک جماعت مسلمانوں کے لشکر کی طرف نکلی اور مسلمانوں کی جماعت پر تیر اور پتھر پھینکے اس میں مسلمانوں میں سے ایک صحابی ابن زنیم شہید ہو گئے اور مسلمانوں نے ان قریشیوں کے دس سواروں کو گرفتار کر لیا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے یہ خبر پہنچائی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے۔

جزو دہم' بیعت رضوان کا واقعہ :

رسول اللہ صلی اللہ عیلہ وسلم نے یہ خبر سن کر صحابہ کرام کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا کہ سب جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جہاد کے لئے بیعت کریں' سب صحابہ کرامؓ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا ذکر آگے اس سوت میں آنے والا ہے احادیث صحیحہ میں ان لوگوں کی بڑی فضیلت آئی ہے جو اس بیعت میں شریک تھے اور حضرت عثمان غنیؓ چونکہ آپ کے حکم سے مکہ گئے ہوئے تھے اس لئے

ان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مار کر فرمایا کہ عثمان کی بیعت ہے یہ خصوصی فضیلت حضرت عثمان کی تھی کہ آپ نے اپنے ہی ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت کر لی۔

جزو یازدہم' حدیبیہ کا واقعہ :

دوسری طرف اہل مکہ پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب مسلط کر دیا اور خود مصالحت پر آمادہ ہو کر انہوں نے اپنے تین آدمی سہیل بن عمر اور حویطب بن عبد العزیٰ اور مکرز بن حفص کو عذر معذرت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا' ان میں سے پہلے دو حضرات بعد میں مسلمان بھی ہو گئے۔ سہیل بن عمرو نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ تک جو خبر پہنچی ہے کہ عثمان غنیؓ اور ان کے ساتھی قتل کر دیئے یہ بالکل غلط ہے ہم ان کو آپ کے پاس بھیجتے ہیں ہمارے قیدیوں کو آزاد کر دیجئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا' مسند احمد اور مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ اس سورت میں جو آگے آیت آنے والی ہے ہو الذی کف ایدیھم عنکم' یہ اسی واقعہ سے متعلق ہے اب سہیل اور ان کے ساتھیوں نے جا کر بیعت رضوان میں صحابہ کرام کی مسارعت اور جاں نثاری کے عجیب و غریب منظر کا حال قریش کے سامنے بیان کیا تو قریش کے اصحاب رائے لوگوں نے آپس میں کہا کہ اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس بات پر صلح کر لیں کہ وہ اس سال تو واپس چلے جائیں تاکہ پورے عرب میں یہ شہرت نہ ہو جائے کہ ہم نے ان کو روکنا چاہا وہ زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے' اور اگلے سال عمرہ کے لئے آجائیں اور تین روز مکہ میں قیام کریں' اس وقت اپنے جانور قربانی کے ذبح کر ڈالیں اور احرام کھول دیں چنانچہ یہی سہیل بن عمرو یہ پیغام لے کر آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا کہ اب معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے صلح کا ارادہ کرلیا ہے کہ سہیل کو پھر بھیجا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چہار زانو بیٹھ گئے اور صحابہ میں سے عباد بن بشر اور سلمہ ہتھیاروں سے مسلح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حفاظت کے لئے کھڑے ہوگئے۔ سہیل حاضر ہوئے تو ادب کے ساتھ حضورؐ کے سامنے بیٹھ گئے اور قریش کا پیغام آپ کو پہنچایا۔

صحابہ کرام عموماً اس پر راضی نہ تھے کہ اس وقت اپنے احرام بغیر عمرہ کے کھول دیں، انہوں نے سہیل سے سخت گفتگو کی، آوازیں کبھی بلند ہوگئیں کبھی پست ہوئیں، عباد بن بشر نے سہیل کو ڈانٹا کہ حضورؐ کے سامنے آواز بلند نہ کر، طویل گفتگو کے بعد آپ اس شرط کو قبول کرکے صلح کرلینے پر راضی ہوگئے، سہیل نے کہا کہ لائیے ہم اپنے اور آپ کے درمیان صلح نامہ لکھ لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سہیل نے یہیں سے بحث شروع کردی اور کہا کہ لفظ رحمن اور رحیم ہمارے محاورات میں نہیں ہے آپ یہاں وہی لفظ لکھیں جو پہلے لکھا کرتے تھے یعنی باسمك اللھم۔ آپ نے اس کو بھی مان لیا اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ایسا ہی لکھ دو۔ اس کے بعد آپنے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ یہ لکھو کہ یہ وہ عہد نامہ ہے جس کا فیصلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔

سہیل نے اس پر بھی ضد کی کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کو ہرگز بیت اللہ سے نہیں روکتے (صلح نامہ میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہونا چاہئے جو کسی فریق کے عقیدہ کے خلاف ہو) آپ صرف محمد بن عبداللہ لکھوائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی منظور فرما کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ جو لکھا ہے اس کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علیؓ نے باوجود سراپا اطاعت ہونے کے عرض کیا میں تو یہ نہیں

کر سکتا کہ آپ کے نام کو مٹادوں۔ حاضرین میں سے حضرت اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہؓ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ لیا کہ اس کو نہ مٹائیں اور بجز محمد رسول اللہ کے اور کچھ نہ لکھیں اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ہمارے اور ان کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی اور کچھ آوازیں ہر طرف سے بلند ہونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے صلح نامہ کا کاغذ خود اپنے دست مبارک میں لے لیا اور باوجود اس کے کہ آپ امی تھے پہلے کبھی لکھا نہیں تھا مگر اس وقت خود اپنے قلم سے آپ نے یہ لکھ دیا **هذا ما قاضى محمد بن عبدالله وسهيل بن عمرو اصلحا على وضع الحرب عن الناس عشر سنين يأمن فيه الناس ويكف بعضهم عن بعض** ' یعنی یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے دس سال کے لئے باہم جنگ نہ کرنے کا کیا ہے جس میں سب لوگ مامون رہیں ایک دوسرے پر چڑھائی اور جنگ سے پرہیز کریں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری ایک شرط یہ ہے کہ اس وقت ہمیں طواف کرنے سے نہ روکا جائے ' سہیل نے کہا کہ خدا یہ نہیں ہو سکتا ' آپ نے اس کو بھی قبول فرمالیا اس کے بعد سہیل نے اپنی ایک شرط یہ لکھی کہ جو شخص مکہ والوں میں سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آپ کے پاس آئے گا اس کو آپ واپس کر دیں گے اگرچہ وہ آپ ہی کے دین پر ہو اس پر عام مسلمانوں کی آواز اٹھی سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائی کو مشرکین کی طرف لوٹا دیں ' مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی قبول فرمالیا اور یہ فرمایا کہ ہم میں سے کوئی آدمی اگر ان کے پاس گیا تو اس کو اللہ ہی نے ہم سے دور کر دیا اس کی ہم کیوں فکر کریں اور ان میں کا کوئی آدمی ہمارے پاس آیا اور ہم نے لوٹا بھی دیا تو اللہ تعالی اس کے لئے راستہ سہولت کا نکال دیں گے حضرت براءؓ نے اس صلح نامہ کا خلاصہ تین شرطیں بیان کیا ہے ' ایک یہ

کہ ان کا کوئی آدمی ہمارے پاس آجائے گا تو ہم اس کو واپس کر دیں گے‘ دوسرے یہ کہ ہمارا کوئی آدمی ان کے پاس چلا جائے گا تو وہ واپس نہ کریں گے۔ تیسرے یہ کہ اب آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں گے اور تین روز مکہ میں قیام کریں گے اور زیادہ ہتھیار لے کر نہیں آئیں گے‘ اور آخر میں لکھا گیا کہ یہ عہد نامہ اہل مکہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک محفوظ دستاویز ہے جس کی کوئی خلاف ورزی نہ کرے گا اور باقی سب عرب آزاد ہیں جس کا جی چاہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں داخل ہو جائے اور جس کا جی چاہے قریش کے عہد میں داخل ہو جائے۔ یہ سن کر قبیلہ خزاعہ اچھل پڑا اور کہا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں داخل ہیں اور بنو بکر نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہم قریش کے عقد و عہد میں داخل ہیں۔

شرائط صلح سے عام صحابہ کرام کی ناراضی اور رنج:

جب یہ شرائط صلح طے ہو گئیں تو عمر بن خطابؓ سے نہ رہا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا‘ یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں‘ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں‘ آپ نے فرمایا کیوں نہیں‘ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ کیا ہمارے مقتولین جنت اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں‘ آپ نے فرمایا کیوں نہیں‘ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا تو پھر ہم کیوں اس ذلت کو قبول کریں کہ بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں جب تک جنگ کے ساتھ اللہ تعالی کوئی فیصلہ نہ کر دیں‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں ہرگز اس کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا اور اللہ تعالی مجھے ضائع نہ فرمائے گا وہ میرا مددگار ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ‘ کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا کہ ہم بیت اللہ کے پاس

جائیں گے اور طواف کریں گے، آپ نے فرمایا کہ بیشک یہ کہا تھا مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ کام اسی سال ہو گا۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ تو آپ نے نہیں فرمایا تھا تو آپ نے فرمایا کہ بس یہ واقعہ جیسا کہ میں نے کہا تھا ہو کر رہے گا کہ آپ بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے۔

حضرت عمر بن خطاب خاموش ہو گئے مگر غم و غصہ نہیں گیا، آپ کے پاس سے حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے اور اسی گفتگو کا اعادہ کیا جو حضور کے سامنے کی تھی، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا خدا کے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہ کریں گے اور اللہ ان کا مددگار ہے اس لئے تم مرتے دم تک آپ کی رکاب تھامے رہو، خدا کی قسم وہ حق پر ہیں غرض حضرت فاروق اعظم کو ان شرائط صلح سے سخت رنج و غم پہنچا، خود انہوں نے فرمایا کہ واللہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا مجھے کبھی شک پیش نہیں آیا۔ بجز اس واقعہ کے (رواہ البخاری) حضرت ابو عبیدہؓ نے سمجھایا اور فرمایا کہ شیطان کے شر سے پناہ مانگو، فاروق اعظم نے کہا میں شیطان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو میں برابر صدقہ خیرات کرتا اور روزے رکھتا اور غلام آزاد کرتا رہا کہ میری یہ خطا معاف ہو جائے۔

ایک اور حادثہ اور معاہدہ کی پابندی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر عمل

ابھی ابھی یہ شرائط صلح طے ہوئی تھیں اور صحابہ کرام کی ناگواری اس پر ہو رہی تھی کہ اچانک اسی سہیل بن عمرو کا جو صلح نامہ کا فریق منجانب قریش تھا بیٹا ابو جندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور باپ نے اس کو قید کر رکھا تھا اور سخت ایذائیں ان کو دیتا تھا وہ کسی

طرح بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا اور آپ سے پناہ مانگی، کچھ مسلمان بڑھے اور اس کو اپنی پناہ میں لے لیا مگر سہیل چلا اٹھا کہ یہ پہلی عہد نامہ کی خلاف ورزی ہو رہی ہے اگر اس کو واپس نہ کیا گیا تو میں صلح کی کسی شرط کو نہ مانوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عہد کر کے پابند ہو چکے تھے اس لئے ابو جندل کو آواز دے کر فرمایا کہ اے ابو جندل تم چند روز اور صبر کرو اللہ تعالی تمہارے لئے اور ضعفاء مسلمین کے لئے جو مکہ میں محبوس ہیں جلد رہائی اور فراخی کا انتظام کرنے والا ہے۔

مسلمانوں کے دلوں پر ابو جندل کے اس واقعہ نے اور زیادہ نمک پاشی کی وہ تو یقین کر کے آئے تھے کہ اسی وقت مکہ فتح ہوگا اور یہاں یہ حالات دیکھے تو ان کے رنج و غم کی انتہا نہ رہی۔ قریب تھا کہ وہ ہلاکت میں پڑ جاتے مگر معاہدہ صلح مکمل ہو چکا تھا اس صلح نامہ پر مسلمانوں کی طرف سے ابو بکر و عمر، عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن سہیل بن عمر سعد بن ابی وقاص محمد بن مسلمہ اور علی بن ابی طالب وغیرہ رضی اللہ عنہم کے دستخط ہوئے اسی طرح مشرکین کی طرف سے سہیل کے ساتھ چند دوسرے لوگوں کے بھی دستخط ہو گئے۔

احرام کھونا اور قربانی کے جانور ذبح کرنا :

جب صلح نامہ کی کتابت سے فراغت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قرار داد صلح کے مطابق اب ہمیں واپس جانا ہے) سب لوگ اپنی قربانی کے جانور جو ساتھ ہیں ان کی قربانی کر دیں اور سر کے بال منڈوا کر احرام کھول دیں۔

صحابہ کرام کی مسلسل رنج و غم کی وجہ سے یہ حالت ہو گئی تھی کہ آپ کے فرمانے کے باوجود کوئی اس کام کے لئے نہیں اٹھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغموم ہوئے اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور اپنے اس رنج کا ذکر

کیا، ام المؤمنین نے بہت مناسب اور اچھا مشورہ دیا کہ آپ صحابہ کرام کو اس پر کچھ نہ کہیں، ان کو اس وقت سخت صدمہ اور رنج شرائط صلح اور بغیر عمرہ کے واپسی کی وجہ سے پہنچا ہوا ہے، آپ سب کے سامنے حجام کو بلا کر خود اپنا حلق کر کے احرام کھول دیں اور اپنی قربانی کر دیں۔ آپ نے مشورہ کے مطابق ایسا ہی کیا، صحابہ کرام نے جب یہ دیکھا تو سب کھڑے ہو گئے ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کرنے لگے، آپ نے سب کے لئے دعا فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام حدیبیہ میں انیس اور بعض روایات کے اعتبار سے بیس دن قیام فرمایا تھا، اب یہاں سے واپسی شروع ہوئی اور آپ صحابہ کرام کے مجمع کے ساتھ پہلے مر ظہران پھر عسفان پہنچے، یہاں پہنچ کر سب مسلمانوں کا زادراہ تقریباً ختم ہو چکا تھا، کھانے کے لئے بہت کم سامان تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستر خوان بچھایا اور سب کو حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے لا کر یہاں جمع کر دے اس طرح جو کچھ باقی ماندہ کھانے کا سامان تھا سب اس دستر خوان پر جمع ہو گیا۔ چودہ سو حضرات کا مجمع تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور سب کو کھانا شروع کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام کا بیان ہے کہ پورے چودہ سو حضرات نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا پھر اپنے برتنوں میں بھر لیا اس کے بعد بھی اتنا ہی کھانا باقی تھا، اس مقام پر یہ دوسرا معجزہ ظاہر ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔

صحابہ کرام کے ایمان اور اطاعت رسول کا ایک اور امتحان اور ان کی بے نظیر قوت ایمانی

اور معلوم ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام پر ان شرائط صلح اور بغیر عمرہ اور بغیر جنگ

میں اپنے حوصلے نکالنے کے واپسی سخت بھاری اور ناگوار تھی، یہ انہی کا ایمان تھا کہ ان سب حالات میں ایمان اور اطاعت رسول پر جمے رہے۔ حدیبیہ سے واپسی پر جب آپ مقام کراع غمیم پر پہنچے تو آپ پر یہ سورۃ فتح نازل ہوئی آپ نے صحابہ کرام کو پڑھ کر سنایا، صحابہ کرام کے قلوب اس طرح کی شرائط صلح اور بغیر عمرہ کے واپسی سے زخم خوردہ پہلے ہی سے تھے اب اس سورت نے یہ بتلایا کہ فتح مبین حاصل ہوئی ہے حضرت عمر بن خطابؓ پھر سوال کر بیٹھے کہ یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے، آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ فتح مبین ہے۔ صحابہ کرام نے اس پر بھی سر تسلیم خم کیا اور ان سب چیزوں کو فتح مبین یقین کیا۔

صلح حدیبیہ کے ثمرات وبرکات کا ظہور:

سب سے پہلی بات تو اس واقعہ میں یہ ہوئی کہ قریش مکہ اور ان کے بہت سے متبعین پر ان کی ضد اور بے جا ہٹ دھرمی واضح ہو کر خود ان میں پھوٹ پڑی۔ بدیل ابن ورقاء اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے الگ ہو گئے، پھر عروہ ابن مسعود اپنی جماعت کو لے کر الگ ہو گئے۔ دوسرے صحابہ کرام کی بے نظیر جاں نثاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال اطاعت ومحبت وعظمت دیکھ کر قریش مکہ کا مرعوب ہو جانا اور صلح کی طرف مائل ہونا حالانکہ ان کے لئے مسلمانوں کا صفایا کر دینے کا اس سے بہتر کوئی موقع نہ تھا کیونکہ وہ اپنے گھروں میں مطمئن تھے، مسلمان مسافرت کی حالت میں تھے قریش نے پانی کی جگہوں پر قبضہ کیا ہوا تھا یہ بے آب ودانہ جنگل میں تھے، ان کی پوری قوت موجود تھی مسلمانوں کے پاس کچھ زیادہ اسلحہ بھی نہیں تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا اور ان کی جماعت کے بہت سے افراد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور اختلاط کے مواقع مل کر ان میں سے بہت سے لوگوں کے

دلوں میں اسلام وایمان راسخ ہو گیا اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ تیسرے صلح وامان کی وجہ سے راستے مامون ہو گئے دعوت اسلام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے واسطے راستے کھل گئے، عرب کے وفود کو آپ کی خدمت کا موقع ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے گوشہ گوشہ میں دعوت اسلام کو پھیلایا، دنیا کے بادشاہوں کو دعوت اسلام دینے کے لئے خطوط بھیجے گئے ان میں سے چند بڑے بڑے بادشاہ متأثر ہوئے جس کا حاصل یہ نکلا کہ واقعہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت عام اور سب کو عمرہ کے لئے نکلنے کی تاکید کے باوجود ڈیڑھ ہزار سے زیادہ مسلمان ساتھ نہیں تھے اور صلح حدیبیہ کے بعد جوق جوق لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اسی عرصہ میں ۷ھ میں خیبر فتح ہو کر مسلمانوں کو سامان بڑی مقدار میں مل گیا اور ان کی مادی قوت مستحکم ہو گئی۔ اور اس صلح پر دو سال گزرنے نہ پائے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد اتنی کثیر ہو گئی جو اس سے پہلے تمام پچھلی مدت میں نہیں تھی، اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب قریش مکہ نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے معاہدہ توڑ ڈالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرنے کی خفیہ تیاری شروع کی تو اس صلح نامہ پر صرف بیس اکیس مہینے گزرے تھے کہ فتح مکہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے والے جاں نثار سپاہی دس ہزار تھے قریش مکہ کو خبر لگی تو گھبرا کر ابو سفیان کو عذر معذرت کر کے تجدید معاہدہ پر آمادہ کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا آپ نے معاہدہ کی تجدید نہ کی اور بالآخر دس ہزار کے اس حزب اللہ کے ساتھ آپ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے کفار قریش ایسے مغلوب و مرعوب ہو چکے تھے کہ مکہ مکرمہ میں کچھ زیادہ لڑائی کی بھی نوبت نہیں آئی، کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکیمانہ سیاست نے جنگ نہ ہونے کا یہ انتظام کر دیا کہ آپ نے مکہ

مکرمہ میں اعلان کرا دیا کہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ مامون ہے جو مسجد میں داخل ہو جائے وہ مامون جو ابو سفیان کے گھر میں چلا جائے وہ مامون ہے اس طرح سب لوگوں کو اپنی اپنی فکر پڑ گئی اور قتل و قتال کی زیادہ نوبت نہیں آئی اسی لئے ائمہ فقہاء میں یہ اختلاف ہو گیا کہ مکہ مکرمہ صلح سے فتح ہوا یا جنگ سے۔ بہر حال بڑی سہولت کے ساتھ مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب واقعہ بن کر سب کے سامنے آ گیا، صحابہ کرام نے بے خطر ہو کر بیت اللہ کا طواف پھر حلق و قصر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کی چابی آپ کے ہاتھ آئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب کو خصوصاً اور سب صحابہ کو عموماً خطاب کر کے فرمایا کہ یہ ہے وہ واقعہ جو میں نے آپ سے کہا تھا، پھر حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو خطاب کر کے فرمایا کہ یہ تھا وہ واقعہ جو میں نے تم سے کہا تھا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ بیشک کوئی فتح صلح حدیبیہ سے زیادہ بہتر اور اعظم نہیں ہے۔ صدیق اکبرؓ تو پہلے سے فرماتے تھے کہ اسلام میں کوئی فتح صلح حدیبیہ کے برابر نہیں ہے لیکن لوگوں کی رائے اور بصیرت وہاں تک نہ پہنچی جو اللہ تعالی اور اس کے رسول کے درمیان ایک طے شدہ حقیقت تھی۔ یہ لوگ جلد بازی کرنا چاہتے تھے اور اللہ تعالی اپنے بندوں کی جلد بازی سے متاثر ہو کر جلدی نہیں کرتا بلکہ حکمت و مصلحت کے ساتھ ہر کام اپنے صحیح وقت پر انجام پاتا ہے اس لئے سورۃ فتح میں حق تعالی نے واقعہ حدیبیہ کو فتح مبین فرمایا۔ یہ واقعہ حدیبیہ کے اہم اجزاء تھے جن سے اگلی آیات کے سمجھنے میں سہولت ملے گی اب آیات کی تفسیر دیکھئے۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ، اس میں لیغفر کا لام اگر

تعلیل یعنی بیان علت کے لئے لیا جائے تو حال اس کا یہ ہے کہ یہ فتح مبین آپ کو اس لئے دی گئی ہے تاکہ آپ کو یہ تین کمالات حاصل ہو جائیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے، ان میں پہلی چیز تمام اگلی پچھلی لغزشوں اور خطاؤں کی معافی ہے۔ سورہ محمد میں پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں ان کی طرف قرآن میں جہاں کہیں ذنب یا عصیان وغیرہ کے الفاظ منسوب کئے گئے وہ ان کے مقام عالی کی مناسبت سے ایسے کاموں کے لئے استعمال کئے گئے جو خلاف اولیٰ تھے مگر نبوّت کے مقام بلند کے اعتبار سے غیر افضل پر عمل کرنا بھی ایسی لغزش ہے جس کو قرآن نے بطور تہدید کے ذنب و گناہ سے تعبیر کیا ہے اور ماتقدم سے مراد وہ لغزشیں ہیں جو نبوت سے پہلے ہوئیں اور ماتأخر سے مراد وہ لغزشیں جو رسالت و نبوت کے بعد صادر ہوئیں (مظہری) اور فتح مبین کا اس مغفرت کے لئے سبب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس فتح مبین سے بہت لوگ جوق جوق اسلام میں داخل ہوں گے اور اسلام کی دعوت کا عام ہو جانا آپ کی زندگی کا مقصد عظیم اور آپ کے اجر و ثواب کو بہت بڑھانے والا ہے اور اجر و ثواب کی زیادتی سبب ہوتی ہے کفارہ سیئات کی۔ (بیان القرآن)

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطاً مُّسْتَقِيماً، یہ دوسری نعمت ہے جو اس فتح مبین پر مرتب ہوئی یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ صراط مستقیم پر تو آپ اول ہی سے ہیں اور نہ صرف خود صراط مستقیم پر ہیں بلکہ دنیا کو اسی صراط مستقیم کی دعوت دینا آپ کا رات دن کا مشغلہ ہے تو ہجرت کے چھٹے سال فتح مبین کے ذریعہ صراط مستقیم کی ہدایت کے کیا معنی ہیں اس کا جواب سورہ فاتحہ کی تفسیر لفظ ہدایت کی تحقیق میں گزر چکا ہے کہ ہدایت ایک ایسا مفہوم عام ہے کہ جس کے درجات غیر متناہی ہیں وجہ یہ ہے کہ ہدایت کے معنی منزل مقصود اراستہ دکھلانا یا اس پر پہنچانا ہے اور اصل منزل مقصود ہر انسان کی حق تعالیٰ کی رضا

اور قرب حاصل کرنا ہے اور اس رضا و قرب کے متفاوت درجات بے شمار ہیں، ایک درجہ حاصل ہونے کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ کی ضرورت باقی رہتی ہے جس سے کوئی بڑے سے بڑا ولی بلکہ نبی و رسول بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا، اسی لئے اهدنا الصراط المستقیم کی دعا نماز کی ہر رکعت میں کرنے کی تعلیم جیسے امت کو ہے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہے جس کا حاصل صراط مستقیم کی ہدایت یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کے درجات میں ترقی حاصل کرنا ہے۔ اس فتح مبین پر حق تعالیٰ نے اسی قرب رضا کا کوئی بہت اعلیٰ مقام آپ کو عطا فرمایا جس کو یهدیك کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَیَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡراً عَزِیۡزاً، یہ تیسری رکعت نعمت ہے جو اس فتح مبین پر مرتب ہوئی کہ حق تعالیٰ کی امداد و اعانت جو آپ کو ہمیشہ حاصل رہی ہے اس وقت اس مدد کا ایک بڑا درجہ آپ کو دیا گیا۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَةَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَاناً مَّعَ اِیۡمَانِهِمۡ ط وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ط وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیۡماً حَکِیۡماً O لِّیُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا وَیُکَفِّرَ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ ط وَکَانَ ذٰلِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ فَوۡزاً عَظِیۡماًO وَّیُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡمُشۡرِکِیۡنَ وَالۡمُشۡرِکٰتِ الظَّآنِّیۡنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوۡءِ ط عَلَیۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ج وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ وَلَعَنَهُمۡ وَاَعَدَّلَهُمۡ جَهَنَّمَ ط وَسَآءَتۡ مَصِیۡراًO وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ط وَکَانَ اللّٰهُ عَزِیۡزاً حَکِیۡماً O

وہی ہے جس نے اتارا اطمینان دل میں ایمان والوں کے تاکہ اور بڑھ

جائے ان کو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ ہے خبردار حکمت والا۔ تاکہ پہنچادے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں ہمیشہ رہیں ان میں اور اتار دے ان پر سے ان کی برائیاں۔ اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی مراد ملنی۔ اور تاکہ عذاب کرے دغاباز مردوں کو اور دغاباز عوروں کو اور شرک والے مردوں کو اور شرک والی عورتوں کو جو اٹکلیں کرتے ہیں اللہ پر بری اٹکلیں انہی پر پڑے پھیر مصیبت کا اور غصہ ہوا اللہ ان پر اور لعنت کی ان کو اور تیار کی ان کے واسطے دوزخ‘ اور بری جگہ پہنچے۔ اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے۔ اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔

صلح حدیبیہ کی بقیہ تفصیل احادیث کی روشنی میں

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَیْبِیَۃِ فِیْ بِضْعِ عَشَرَۃَ مِائَۃٍ مِنْ اَصْحَابِہٖ فَلَمَّا اَتٰی ذَالْحُلَیْفَۃِ قَلَّدَ الْھُدٰی وَاَشْعَرَ وَاَحْرَمَ مِنْھَا بِعُمْرَۃٍ وَسَارَ حَتّٰی اِذَا کَانَ بِالثَّنِیَّۃِ الَّتِیْ یُھْبِطُ عَلَیْھِمْ مِنْھَا بَرَکَتْ بِہٖ رَاحِلَتُہٗ فَقَالَ النَّاسُ حَلْ حَلْ خَلَاَتِ الْقَصْوَاءُ خَلَاَتِ الْقَصْوَاءُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا خَلَاَتِ الْقَصْوَاءُ وَمَا ذَاکَ لَھَا بِخُلُقٍ وَلٰکِنْ حَبَسَھَا حَابِسُ الْفِیْلِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یَسْأَلُوْنِیْ خُطَّۃً یُعَظِّمُوْنَ فِیْھَا حُرُمَاتِ اللّٰہِ اِلَّا اَعْطَیْتُھُمْ اِیَّاھَا ثُمَّ زَجَرَھَا فَوَثَبَتْ فَعَدَلَ عَنْھُمْ حَتّٰی نَزَلَ بِاَقْصَی الْحُدَیْبِیَۃِ عَلٰی ثَمَدٍ قَلِیْلِ الْمَاءِ

يَتَبَرَّضُهُ النَّاسُ تَبَرُّضاً فَلَمْ يَلْبِثْهُ النَّاسُ حَتّٰى تَرَحُوْهُ وَشُكِيَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَطَشُ فَانْتَزَعَ سَهْماً مِنْ كَنَانَتِهٖ ثُمَّ اَمَرَهُمْ اَنْ يَجْعَلُوْهُ فِيْهِ فَوَاللّٰهِ مَا زَالَ يَجِيْشُ لَهُمْ بِالرِّيِّ حَتّٰى صَدَرُوْا عَنْهُ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَالِكَ اِذْجَاءَ بُدَيْلُ بْنُ وَرْثَاءَ الْحزَاعِيُّ فِيْ نَفَرٍ مِنْ خُزَاعَةَ ثُمَّ اَتَاهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ اِلٰى اِنْ قَالَ اِذْ جَاءَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍ و فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُكْتُبْ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَاللّٰهِ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا صَدَدْنَاكَ عَنِ الْبَيْتِ وَلَا قَاتَلْنَاكَ وَلٰكِنِ اكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدُاللّٰهِ قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِنْ كَذَّبْتُمُوْنِيْ اُكْتُبْ مُحَمَّدُبْنُ عَبْدُاللّٰهِ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَعَلٰى اَنْ لَايَاتِيْكَ مِنَّا رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ عَلٰى دِيْنِكَ اِلَّا رَدَدْتَهٗ عَلَيْنَا فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قَضِيَّةِ الْكِتَابِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ قُوْمُوْا فَانْحَرُوْا ثُمَّ احْلِقُوْ ثُمَّ جَآءَ نِسْوَةٌ مُؤْمِنَاتٌ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ اَلْاٰيَةَ فَنَهَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ يَرُدُّوْهُنَّ وَاَمَرَهُمْ اَنْ يَرُدُّوْهُمُ الصَّدَاتَ ثُمَّ رَجَعَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَجَاءَهٗ اَبُوْ بَصِيْرٍ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ وَهُوَ مُسْلِمٌ فَاَرْسَلُوْا فِيْ طَلَبِهٖ رَجُلَيْنِ فَدَفَعَهٗ اِلَى الرَّجُلَيْنِ فَخَرَجَابِهٖ حَتّٰى اِذَا بَلَغَاذَا الْحُلَيْفَةِ نَزَلُوْا يَأْكُلُوْنَ مِنْ تَمْرٍ لَهُمْ فَقَالَ اَبُوْ بَصِيْرٍ لِاَحَدِ الرَّجُلَيْنِ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرٰى سَيْفَكَ هٰذَا يَا فُلَانُ جَيِّداً اَرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْهِ فَاَمْكَنَهٗ مِنْهُ فَضَرَبَهٗ حَتّٰى بَرَدَ وَفَرَّ الْاٰخَرُ حَتّٰى اَتَى الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ يَعْدُوْ فَقَالَ

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاٰی ھٰذَا ذُعْرًا فَقَالَ قُتِلَ وَاللّٰہِ صَاحِبِیْ وَاِنِّیْ لَمَقْتُوْلٌ فَجَا اَبُوْ بَصِیْرٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیْلُ لِاُمِّہٖ مُسْعِرُ حَرْبٍ لَوْ کَانَ لَہٗ اَحَدٌ فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِکَ عَرَفَ اَنَّہٗ سَیَرُدُّہٗ اِلَیْھِمْ فَخَرَجَ حَتّٰی اَتٰی سِیْفَ الْبَحْرِ قَالَ وَانْفَلَتَ اَبُوْ جَنْدَلِ ابْنِ اَبِیْ سُھَیْلٍ فَلَحِقَ بِاَبِیْ بَصِیْرٍ فَجَعَلَ لَا یَخْرُجُ مِنْ قُرَیْشٍ رَجُلٌ قَدْ اَسْلَمَ اِلَّا لَحِقَ بِاَبِیْ بَصِیْرٍ حَتّٰی اجْتَمَعَتْ مِنْھُمْ عِصَابَۃٌ فَوَاللّٰہِ مَا یَسْمَعُوْنَ بِعِیْرٍ خَرَجَتْ لِقُرَیْشٍ اِلشَّامِ اِلَّا اعْتَرَضُوْا لَھَا فَقَتَلُوْھُمْ وَاَخَذُوْ اَمْوَالَھُمْ فَاَرْسَلَتْ قُرَیْشٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُنَاشِدُہٗ اللّٰہَ وَالرَّحِمَ لَمَّا اَرْسَلَ اِلَیْھِمْ فَمَنْ اَتَاہُ فَھُوَ اٰمِنٌ فَاَرْسَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْھِمْ رواہ البخاری.

حضرت مسور بن مخرمہؓ اور مروان بن حکم کہتے ہیں کہ حدیبیہؓ کے سال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چند سو صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے جب مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو اپنے قربانی کے جانور کی گردن میں قلادہ باندھا۔ اور اشعار کیا اور ذی الحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور پھر آگے روانہ ہوئے جب مقام ثنیہ پر پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی لوگوں نے چلانا شروع کیا حل حل (یہ کلمہ اونٹ کو اٹھانے کے لئے کہتے ہیں) قصواء اڑ گئی قصواء اڑ گئی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا نام قصواء تھا) آپ نے فرمایا قصواء نے اڑ نہیں لی اور نہ اس کو اڑنے کی عادت ہے اس کو ہاتھی کے روکنے والے ؎ نے روک لیا ہے پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے قریش مجھ سے اگر کوئی ایسی بات طلب کریں گے جس میں

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالی کی حرم کی عظمت ہو تو میں اس کو قبول کرلوں گا۔ (یعنی ان سے مصالحت کرلوں گا) اس کے بعد آپ نے اونٹنی کو اٹھایا اور مکہ کا راستہ چھوڑ کر دوسری سمت میں چلنے لگی یہاں تک کہ وہ مقام حدیبیہ کے آخری کنارہ پہنچ کر جہاں ایک گڑھے میں تھوڑا سا پانی تھا ٹھہر گئی لوگوں نے اس گڑھے میں سے تھوڑا تھوڑا پانی لینا شروع کیا یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں گڑھے کو خالی کر دیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور صحابہ کو حکم دیا کہ تیر کو پانی میں ڈال دیں۔ قسم ہے خدا کی پانی (گڑھے میں) جوش مارنے لگا۔ اور سب کو سیراب کر دیا۔ یہاں تک کہ پانی لے لے کر سب لوگ چلے گئے غرض صحابہ اسی حال میں تھے کہ کفار قریش کی طرف سے صلح کا پیام لے کر بدیل بن ورقا خزاعی اپنی قوم کے آدمیوں کے ساتھ آیا پھر وہ عروہ بن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے بعد بخاری نے طویل حدیث بیان کی ہے جس میں فریقین کے نمائندوں کی گفتگو درج ہے اور پھر بیان کیا ہے کہ سہیل بن عمرو مکہ والوں کا نمائندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معاہدہ لکھنے کے لئے حاضر ہوا آپ نے علیؓ سے فرمایا۔ لکھو یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی ہے۔ سہیل نے کہا خدا کی قسم اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول جانتے تو بیت اللہ سے نہ روکتے اور نہ لڑتے

---

[1] ابرہہ نے جب کعبہ کو ڈھانے کا ارادہ کیا تو لشکر کو لے کر چلا۔ جب اس مقام پر (یعنی ذی المجازمین) پہنچا تو اس کا ہاتھی رک گیا اور مکہ کی طرف نہ چلا بلکہ جب او دوسری طرف پھیرا تو چلنے لگا۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ (مترجم)

ولیکن لکھئے محمد بن عبداللہ پس فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی قسم میں خدا کا رسول ہوں اگرچہ تم مجھ کو جھوٹا جانتے ہو۔ اچھا علی تم محمد بن عبداللہ ہی لکھو۔ سہیل نے کہا اس معاہدہ میں یہ بھی لکھو کہ ہم میں سے جو شخص تمہارے پاس آئے وہ اگرچہ تمہارے دین پر ہو تمہارا فرض ہے کہ تم اس کو فوراً ہمارے پاس واپس کردو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی قبول کیا) پھر جب معاہدہ لکھا جا چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے کہا اٹھو اور اپنے قربانی کے جانوروں کو ذبح کر ڈالو اور پھر سر منڈاؤ اس کے بعد کئی عورتیں مسلمان ہو کر آئیں اور یہ آیت نازل ہوئی یا ایھا الذین آمنوا اذا جاء کم المؤمنات مہاجرات الخ یعنی اے مومنو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں الخ یعنی خداوند تعالیٰ نے ان عورتوں کو واپس دینے سے منع فرمایا اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ اگر ان عورتوں کے کافر شوہروں نے ان کا مہر ادا کر دیا ہو تو) ان کا مہر واپس کر دیا جائے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے آئے (کچھ دنوں میں قریش کے ایک شخص ابو بصیرؓ نامی جو مسلمان ہو چکے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے قریش نے ان کی طلب میں دو شخصوں کو بھیجا۔ آپ نے ابو بصیرؓ کو ان کے حوالے کر دیا وہ دونوں آدمی ابو بصیر کو لے کر مکہ روانہ ہوئے جب ذوالحلیفہ پر پہنچے تو کھانے پینے کے لئے قیام کیا ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک شخص کو مخاطب کر کے کہا خدا کی قسم اے فلاں شخص تیری تلوار میرے خیال میں بہت اچھی ہے، ذرا مجھ کو بھی دینا میں بھی دیکھوں اس شخص نے ابو بصیر کو تلوار دیکھنے کا موقعہ دے دیا

ابو بصیرؓ نے تلوار سے اس کو مار ڈالا اور دوسرا شخص یہ دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اور مدینہ پہنچ کر مسجد نبوی میں دوڑتا ہوا داخل ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا یہ خوفزدہ ہے اس نے عرض کیا خدا کی قسم میرا ساتھی مار ڈالا گیا اور میں بھی مارا جاؤں گا اتنے میں ابو بصیر بھی آگئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تیری ماں پر افسوس ہے تو لڑائی کی آگ کو بھڑکانے والا ہے۔ ابو بصیرؓ نے جب یہ الفاظ سنے تو ان کو یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پھر واپس بھیج دیں گے وہ مدینہ سے نکلے اور دریا کی طرف چل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ ابو جندلؓ بن سہیل بھی کافروں کے پاس سے بھاگ آیا اور ابو بصیرؓ سے آکر مل گیا غرض مکہ سے جو مسلمان قریش کے ہاتھوں سے چھوٹ کر بھاگتا وہ ابو بصیرؓ سے جا ملتا تھا یہاں تک کہ چند روز میں ان لوگوں کی ایک جماعت ہو گئی یہ جماعت سنتی کہ قریش کا کوئی قافلہ شام کو جا رہا ہے تو اس کا پیچھا کرتی اس کو قتل کر ڈالتی اور اس کا مال چھین لیتی۔ آخر قریش نے ایک آدمی کو بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قربت کا واسطہ دے کر یہ استدعا کی کہ وہ ابو بصیر کو بلا بھیجیں اور مدینہ ہی میں رکھیں اور ہمارے ہاں سے جو شخص مسلمان ہو کر آپ کے پاس آجائے وہ امن میں ہے اور ہمارے پاس اس کو واپس بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی بھیج کر ابو بصیرؓ کو بلوا لیا اور ان کے ہمراہیوں کو بھی۔

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ صَالَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُشْرِكِيْنَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَشْيَاءَ عَلٰى اَنَّ مَنْ اَتَاهُ مِن

الْمُشْرِكِيْنَ رَدَّهُ اِلَيْهِمْ وَمَنْ اَتَاهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَرُدُّوْهُ وَعَلٰى
اَنْ يَدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَيُقِيْمُ بِهَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَا يَدْخُلَهَا اِلَّا بِجُلُبَّانِ
السِّلَاحِ وَالسَّيْفِ وَالْقَوْسِ وَنَحْوِهٖ فَجَاءَ هٗ اَبُوْجُنْدَلٍ يَحْجُلُ فِيْ
قُيُوْدِهٖ فَرَدَّهُ اِلَيْهِمْ متفق عليه.

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں مشرکوں سے تین باتوں پر صلح کی تھی۔ ایک تو یہ کہ مشرکوں میں سے جو شخص مسلمانوں کے پاس آئے اس کو واپس کر دیا جائے دوسرے یہ کہ مسلمانوں میں سے جو شخص مشرکوں کے پاس جائے اس کو واپس نہ کیا جائے گا تیسرے یہ کہ آئندہ سال مسلمان مکہ میں داخل ہوں اور صرف تین دن قیام کریں اور مکہ میں جب داخل ہوں تو اپنے تمام ہتھیاروں تلوار اور کمان وغیرہ کو نیام اور تھیلے وغیرہ میں بند رکھیں انہیں ایام میں ابو جندلؓ بیڑیوں میں جکڑا ہوا حاضر ہوا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپس کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ قُرَيْشًا صَالَحُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَاشْتَرَطُوْا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ مَنْ جَاءَ نَا مِنْكُمْ لَمْ
نَرُدَّهُ عَلَيْكُمْ وَمَنْ جَاءَ كُمْ مِنَّا رَدَدْ تُمُوْهُ عَلَيْنَا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
اَنَكْتُبُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ اِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا اِلَيْهِمْ فَاَبْعَدَهُ اللّٰهُ وَمَنْ جَاءَ نَا
مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ لَهُ فَرَجًا وَمَخْرَجًا رواه مسلم.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ قریش نے نبی صلی للہ علیہ وسلم سے صلح کی اور یہ شرطیں کیں کہ ہم میں سے جو شخص تمہارے پاس آجائے تم اس کو

ہمارے پاس بھیج دینا اور تم میں سے جو شخص ہمارے پاس آجائے گا ہم اس کو واپس نہ کریں گے صحابہؓ نے ان شرائط کو سن کر کہا یا رسول اللہ کیا ہم ان شرائط کو لکھ دیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ البتہ جو شخص ہم میں سے بھاگ کر جائے گا اس کو خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہو گا اور جو شخص ان میں سے ہمارے پاس آئے گا ممکن ہے خداوند تعالیٰ اس پر کشادگی اور خلاصی کا راستہ کھول دے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فِیْ بَیْعَةِ النِّسَاءِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَمْتَحِنُهُنَّ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَكَ فَمَنْ اَقَرَّتْ بِهٰذَا الشَّرْطِ مِنْهُنَّ قَالَ لَهَا قَدْ بَایَعْتُكِ کَلَاماً یُکَلِّمُهَا بِهٖ وَاللّٰہِ مَا مَسَّتْ یَدُهٗ یَدَ امْرَاَةٍ قَطُّ فِی الْمُبَایَعَةِ متفق علیه.

حضرت عائشہؓ عورتوں کی بیعت کے بارے میں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کا جو بیعت کے لئے آتی تھیں اس آیت سے امتحان لیا کرتے تھے یا یھا النبی اذا جاءك المؤمنات یبایعنك الخ یعنی اے نبی جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کے لئے حاضر ہوں الخ پس ان میں سے جو عورتیں ان شرائط کا جو اس آیت میں مذکور ہیں اقرار کرتیں تو آپ ان سے فرماتے میں نے تجھ سے بیعت لی اور آپ زبانی کلام فرماتے اور قسم ہے خدا کی آپ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو بیعت میں نہیں چھوا۔ (بخاری و مسلم)۔

عَنِ الْمَسْوَرِ وَمَرْوَانَ اَنَّهُمْ اصْطَلَحُوْا عَلٰی وَضْعِ الْحَرْبِ عَشَرَ سِنِیْنَ یَامَنُ فِیْهِنَّ النَّاسُ وَعَلٰی اَنَّ بَیْنَنَا عَیْبَةً مَکْفُوْفَةً وَاَنَّهٗ لَا

اِسْلَالَ وَلَا اِغْلَالَ رواہ ابو دائود.

حضرت مسورؓ اور مروان کہتے ہیں کہ قریش نے دس سال جنگ کو موقوف رکھنے پر صلح کی کہ ان ایام میں لوگ امن سے رہیں اور شرط کی کہ ہمارے قلوب مکر و فریب اور کینہ فساد سے پاک رہیں اور دفاع کا ہر وقت خیال رکھیں اور یہ کہ ہمارے درمیان نہ تو چوری پوشیدہ ہو اور ظاہر ہو۔ (ابوداوٗد)

وَعَنْ صَفْوَانِ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عِدَّةٍ مِنْ اَبْنَاءِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اٰبَائِهِمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِداً اَوِانْتَقَصَهٗ اَوْ كَلَّفَهٗ فَوْقَ طَاقَتِهٖ اَوْ اَخَذَ مِنْهُ شَيْئاً بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رواہ ابو دائود.

حضرت صفوان بن سلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ سے اور وہ اپنے باپوں سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خبردار جس شخص پر ظلم کیا جس سے اس کا معاہدہ ہو چکا ہے یا اس کے حق کو ضرور پہنچایا اس کو تکلیف دی اور اس کی طاقت سے زیادہ اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی تو میں اس سے قیامت کے دن جھگڑوں گا۔

وَعَنْ اُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ قَالَتْ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نِسْوَةٍ فَقَالَ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَاَطَقْتُنَّ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَرْحَمُ بِنَا مِنَّا بِاَنْفُسِنَا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَايِعْنَا تَعْنِيْ صَافِحْنَا قَالَ اِنَّمَا قَوْلِيْ لِمِائَةِ امْرَاَةٍ كَقَوْلِيْ لِاِمْرَاَةٍ واحدة رواه.

حضرت امیمہؓ بنت رقیقہ کہتی ہیں کہ میں نے چند عورتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی آپ نے ہم سے فرمایا (میں نے تم سے بیعت لی اس چیز کی جس کی تم طاقت واستطاعت رکھتی ہو میں نے عرض کیا اللہ اور اسؐ کا رسول ہمارے حق میں اس سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں جتنا کہ ہم اپنی جانوں پر کرتے ہیں پھر میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم سے بیعت لیجئے یعنی ہم سے مصافحہ کیجئے آپ نے فرمایا میری بات سنو عورتوں کے لے بھی وہی ہے جو ایک عورت کے لئے (یعنی میرا کلام کرنا بھی بیعت کے لئے کافی ہے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ فَاَبٰى اَهْلُ مَكَّةَ اَنْ يَدَعُوْهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ حَتّٰى قَاضَاهُمْ عَلٰى اَنْ يَدْخُلَ يَعْنِىْ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ يُقِيْمُ بِهَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَلَمَّا كَتَبُوا الْكِتَابَ كَتَبُوْا هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ قَالُوْا لَا نُقِرُّ بِهَا فَلَوْ نَعْلَمُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ مَا مَنَعْنَاكَ وَلٰكِنْ اَنْتَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللهِ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللهِ وَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللهِ ثُمَّ قَالَ لِعَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اُمْحُ رَسُوْلَ اللهِ قَالَ لَا وَاللهِ لَا اَمْحُوْكَ اَبَدًا فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ يُحْسِنُ يَكْتُبُ فَكَتَبَ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللهِ لَا يَدْخُلُ مَكَّةَ بِالسِّلَاحِ اِلَّا السَّيْفَ. فِى الْقِرَابِ وَاَنْ لَا يَخْرُجَ مِنْ اَهْلِهَا بِاَحَدٍ اِنْ اَرَادَ اَنْ يَتْبَعَهٗ وَاَنْ لَايَمْنَعَ مِنْ اَصْحَابِهٖ اَحَدًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُقِيْمَ بِهَا فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْاَجَلُ اَتَوْا عَلِيًّا فَقَالُوْا قُلْ لِصَاحِبِكَ اُخْرُجْ عَنَّا فَقَدْ مَضَى الْاَجَلُ

فَخَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ متفق علیه.

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذیقعدہ کے مہینہ میں عمرہ کے لئے تشریف لے چلے مکہ والوں نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر پر مصالحت کی کہ آئندہ سال وہ مکہ میں آئیں اور صرف تین دن قیام فرمائیں پھر جب معاہدہ کی تحریر لکھی گئی تو اس میں آپ کا نام اس طرح لکھا گیا یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی ہے) مشرکوں نے کہا ہم آپ کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے اگر ہم اس کا اعتقاد رکھتے ہوتے کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو ہم آپ کو مکہ میں آنے سے کیوں منع کرتے آپ بے شک عبداللہ کے بیٹے محمد ہیں آپ نے فرمایا میں خدا کا رسول ہوں اور عبداللہ کا بیٹا محمد بھی پھر آپ نے علیؓ بن ابی طالبؓ سے فرمایا رسول اللہ کا لفظ مٹا دو علی نے عرض کیا نہیں قسم ہے خدا کی میں آپ کا نام کبھی (اپنے ہاتھ سے) نہ مٹاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ کو حضرت علیؓ کے ہاتھ سے لے لیا اور اگرچہ آپ اچھی طرح لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن آپ نے اس طرح لکھا یہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی ہے (اور اس کی شرائط یہ ہیں)۔

(۱) مکہ میں (آئندہ سال) آئیں تو سوائے تلوار کے اور بھی غلاف میں بند کوئی ہتھیار لے کر نہ آئیں۔

(۲) مکہ میں داخل ہونے کے بعد اگر مکہ کا کوئی شخص ان کے ساتھ جانے کا ارادہ کرے تو اس کو ساتھ نہ لے جائیں۔

(۳) اگر ان کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص مکہ میں رہ جانے کا ارادہ کرے تو اس کو منع نہ کریں۔

جب آئندہ سال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے اور تین روز گذر گئے تو کفار قریش حضرت علی کے پاس آئے اور کہا اپنے دوست سے کہو کہ اب ہمارے شہر سے چلے جائیں اس لئے کہ مدت گذر گئی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہو گئے۔ (بخاری و مسلم)

تفسیر:

شروع سورت کی تین آیتوں میں ان خاص انعامات کا ذکر ہے جو اس فتح مبین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مبذول ہوئے۔ بعض صحابہؓ جو سفر حدیبیہ میں ساتھ تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ انعامات تو آپ کے لئے ہیں اللہ آپ کو مبارک فرمائے ہمارے لئے کیا ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ان میں اصالۃ حاضرین حدیبیہ اور بیعت رضوان پر اللہ تعالی کے انعامات کا ذکر ہے اور چونکہ وہ انعامات ایمان اور اطاعت رسول کے سبب ہے اس حیثیت سے سب مومنین کو بھی شامل ہے کہ جو بھی ایمان اور طاعت میں کامل ہو گا ان انعامات کا مستحق ہو گا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ۚ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۚ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

ہم نے تجھ کو بھیجا احوال والا اور خوشی اور ڈر سنانے والا تا کہ تم یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی مدد کرو اور اس کی عظمت رکھو اور اس کی

پاکی بولتے رہو صبح اور شام تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے۔ اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے نقصان کو اور جو کوئی پورا کرے اس چیز کو جس پر اقرار کیا اللہ سے تو وہ اس کو دے گا بدلہ بہت بڑا۔

تفسیر:

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا ذکر تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر خصوصاً بیعت رضوان کے شرکاء پر مبذول ہوئے اور چونکہ ان انعامات کا عطا کرنے والا اللہ اور واسطہ عطا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس کی مناسبت سے آیات مذکورہ میں ان کے حقوق اور تعظیم و تکریم کا ذکر ہے۔ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے آپ کی تین صفات بیان فرمائیں۔ شاہد، بشیر، نذیر۔ شاہد کے معنی گواہ کے ہیں مراد اس کی وہی ہے جو سورہ نساء کی آیت **فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید و جئنا بك علی هولاء شهیدا** کی تفسیر میں معارف القرآن جلد دوم صفحہ ۴۱۹ میں گزر چکا ہے کہ ہر نبی اپنی امت کی بابت اس بات کی گواہی دے گا کہ اس نے اللہ کا پیغام امت کو پہنچا دیا پھر کسی نے اطاعت کی کسی نے نافرمانی۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے متعلق گواہی دیں گے۔ سورہ نساء کی آیت کی تفسیر میں قرطبی نے لکھا ہے کہ انبیاء کی یہ گواہی اپنے زمانہ کے موجود لوگوں کے متعلق ہوگی کہ ان کی دعوت حق کو کس نے قبول کیا اور کس نے نافرمانی کی اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گواہی اپنے زمانہ کے لوگوں کے متعلق ہوگی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ گواہی تمام امت کے اعمال طاعات وسیئات پر ہوگی کیونکہ بعض روایات کے مطابق امت کے اعمال صبح و شام رسول اللہ کے سامنے

فرشتے پیش کرتے ہیں اس لئے آپ تمام امت کے اعمال سے باخبر ہونگے (ذکرہ القرطبی عن سعید بن المسیبؒ) اور بشیر کے معنی بشارت دینے والا، نذیر کے معنی ڈرانے والا۔ مراد یہ ہے کہ آپ امت کے مومنین اور اطاعت کرنے والوں کو جنت کی بشارت دینے والے ہیں اور کفار فجار کو عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔ آگے رسول کو بھیجنے کا مقصد یہ بتلایا گیا کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ایمان کے ساتھ مزید تین اوصاف کا ذکر فرمایا ہے جو مومنین میں ہونے چاہئیں تعزروہ. توقروہ اور تسبحوہ . تعزروہ، تعزیر سے مشتق ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں اور سزا کو جو تعزیر کہا جاتا ہے وہ بھی اس لئے کہ مجرم کی مدد حقیقی اس میں ہے کہ اس پر سزا جاری کی جائے (مفردات القرآن راغب) اور توقروہ توقیر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تعظیم اور تسبحوہ تسبیح سے مشتق ہے جس کے معنی پاکی بیان کرنے کے ہیں ان میں آخری لفظ تو متعین ہے کہ اللہ ہی کے لئے ہو سکتا ہے اس لئے تسبحوہ کی ضمیر میں بجز اس کے کوئی احتمال نہیں کہ حق تعالی کی طرف راجع ہو اسی لئے اکثر حضرات نے پہلے دونوں جملوں کی ضمیریں بھی اللہ تعالی کی طرف راجع کر کے معنی یہ قرار دیئے ہیں کہ ایمان لاؤ اور اللہ کی یعنی اس کے دین اور رسول کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور اس کی تسبیح کرو اور بعض حضرات نے پہلے دو جملوں کی ضمیر رسول کی طرف راجع کر کے مطلب یہ قرار دیا کہ رسول کی مدد کرو اور تعظیم کرو اور اللہ تعالی کی تسبیح کرو مگر بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں انتشار ضمائر لازم آتا ہے جو بلاغت کے خلاف ہے واللہ اعلم۔ اس کے بعد اس بیعت کا ذکر ہے جس کا واقعہ قصہ حدیبیہ کے جزو دہم میں گزر چکا ہے۔ اس بیعت کے متعلق حق تعالی نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر یہ بیعت کی چونکہ مقصود اسی سے اللہ کے حکم کی

تعمیل اور رضاجوئی ہے اس لئے گویا خود اللہ تعالی سے بیعت کی اور جب انہوں نے رسول کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تو گویا اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اللہ کا ہاتھ متشابہات میں سے ہے جس کی کیفیت اور حقیقت نہ کسی کو معلوم ہے نہ معلوم کرنے کی فکر میں رہنا درست ہے اس بیعت کی فضیلت آگے بھی آرہی ہے۔

لفظ بیعت دراصل کسی خاص کام پر عہد لینے کا نام ہے اس کا قدیم اور مسنون طریقہ باہم عہد کرنے والوں کا ہاتھ پر ہاتھ رکھنا ہے اگرچہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا شرط اور ضروری نہیں بہر حال جس کام کا کسی سے عہد کیا جائے اس کی پابندی شرعاً واجب وضروری ہے اور خلاف ورزی حرام ہے اسی لئے آگے فرمایا کہ جو شخص اس عہد بیعت کو توڑے گا تو کچھ اپنا ہی نقصان کرے گا اللہ اور اس کے رسول کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور جو اس عہد کو پورا کرے گا تو اس کو اللہ تعالی بڑا اجر دینے والے ہیں۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ج يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ط قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ط بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا o بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا o وَ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا o وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا o

اب کہیں گے تجھ سے پیچھے رہ جانے والے گنوار ہم کام میں لگے رہ گئے اپنے مالوں کے اور گھر والوں کے سو ہمارا گناہ بخشوا وہ کہتے ہیں اپنی زبان سے

جو ان کے دل میں نہیں تو کہہ کس کا کچھ بس چلتا ہے اللہ سے تمہارے واسطے اگر وہ چاہے تمہارا نقصان یا چاہے تمہارا فائدہ بلکہ اللہ ہے تمہارے سب کاموں سے خبردار۔ کوئی نہیں تم نے تو خیال کیا تھا کہ پھر کر نہ آئے گا رسول اور مسلمان اپنے گھر کبھی اور کھب گیا تمہارے دل میں یہ خیال اور اٹکل کی تم نے بری اٹکلیں اور تم لوگ تھے تباہ ہونے والے۔ اور جو کوئی یقین نہ لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر تو ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے واسطے دہکتی آگ اور اللہ کے لئے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا بخشے جس کو چاہے اور عذاب میں ڈالے جس کو چاہے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

تفسیر :

یہ مضمون جو اوپر مذکور ہوا ان اعراب کے متعلق ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر حدیبیہ میں ساتھ چلنے کا حکم کیا تھا مگر انہوں نے بہانہ بازی سے کام لیا جس کا بیان قصہ حدیبیہ کے جزو اول میں ہو چکا ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بعض حضرات بعد میں تائب اور مخلص ہو گئے تھے۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا
نَتَّبِعْكُمْ ج يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَٰمَ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ
مِنْ قَبْلُ ج فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ط بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝
قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ
تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ج فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ج وَإِنْ
تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ
حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ط وَمَنْ يُطِعِ

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ
عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے جب تم چلو گے غنیمتیں لینے کو چھوڑو ہم بھی چلیں تمہارے ساتھ چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا کہا تو کہدے تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے یوں ہی کہدیا اللہ نے پہلے سے پھر اب کہیں گے نہیں تم تو جلتے ہو ہمارے فائدہ سے کوئی نہیں پرواہ نہیں سمجھتے ہیں مگر تھوڑا سا کہدے پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے آئندہ تم کو بلائیں گے ایک قوم پر بڑے سخت لڑنے والے تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہونگے پھر اگر حکم مانو گے دے گا تم کو اللہ بدلہ اچھا اور اگر پلٹ جاؤ گے جیسے پلٹ گئے تھے پہلی بار دے گا تم کو ایک عذاب دردناک اندھے پر تکلیف نہیں اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا اس کو داخل کر دے گا باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں اور جو کوئی پلٹ جائے اس کو عذاب دے گا دردناک۔

عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں (سے لڑنے) کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہونگے (مراد اس سے فارس و روم کے غزوات ہیں (کذا فی الدر عن ابن عباسؓ) کیونکہ ان کی فوجیں تربیت یافتہ اور باسامان تھیں کہ) یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع (اسلام) ہو جاویں (خواہ واسلام قبول کر کے یا اسلامی حکومت کی اطاعت اور جزیہ دینا قبول کر کے مطلب یہ کہ تم اس کام کے لئے بلائے جاؤ گے) سو (اس وقت) اگر تم اطاعت کرو گے (اور ان سے جہاد کرو گے) تو تم کو اللہ تعالی نیک بدلہ دے گا اور اگر تم اس

وقت بھی روگردانی کرو گے جیسا اس کے قبل (حدیبیہ وغیرہ میں) روگردانی کر چکے ہو تو وہ دردناک عذاب کی سزا دے گا (البتہ دعوت جہاد سے معذور لوگ مستثنیٰ ہیں چنانچہ) نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور (اوپر جو مجاہدین کے لئے جنت و نعمت کے وعدے اور جہاد سے جان چرانے والوں کے لئے وعیدیں مذکورہ ہیں ان میں کچھ انہی لوگوں کی تخصیص نہیں بلکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ) جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مانے گا اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو شخص (حکم سے) روگردانی کرے گا اس کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔

تفسیر: آیات مذکورہ میں اس واقعہ کا ذکر ہے جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد ۷ ہجرت میں پیش آیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کا ارادہ فرمایا تو صرف ان لوگوں کو ساتھ لیا جو سفر حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کی فتح اور وہاں سے اموال غنیمت ملنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اس وقت دیہات کے وہ لوگ جو سفر حدیبیہ میں باوجود بلانے کے عذر کر کے پیچھے رہ گئے تھے ان لوگوں نے بھی جہاد خیبر میں ساتھ چلنے کا ارادہ کیا خواہ اس طرح سے کہ ان کو قرائن سے خیبر کا فتح ہونا اور وہاں مال غنیمت ملنے کی توقع تھی اور یا مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملات اور صلح حدیبیہ کے کچھ برکات دیکھ کر ان کو جہاد سے پیچھے رہنے پر ندامت ہوئی اور اب شرکت جہاد کا ارادہ کیا ان کے جواب میں قرآن نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے کلام یعنی اس کے حکم کو بدلنا چاہتے ہیں یریدون ان یبدلوا کلام اللہ اور مراد اس حکم سے غزوہ خیبر اور اس کے مغانم کا صرف اہل حدیبیہ

کے ساتھ مخصوص ہونا ہے اور اس کے بعد کذلکم قال اللہ من قبل میں بھی یہ تخصیص اہل حدیبیہ کا قول ہے مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں تو کہیں اس تخصیص کا ذکر ہے نہیں پھر اس تخصیص کے وعدہ کو کلام اللہ اور قال اللہ کہنا کیسے صحیح ہوا۔

وحی الٰہی صرف قرآن میں منحصر نہیں، قرآن کے علاوہ بھی بذریعہ وحی احکام آئے ہیں اور احادیث رسول بھی کلام اللہ کے حکم میں ہیں

علماء نے فرمایا کہ یہ تخصیص اہل حدیبیہ کا وعدہ کو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اس کا قرآن میں کہیں صراحۃً ذکر نہیں بلکہ یہ تخصیص اہل حدیبیہ کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے وحی غیر متلو کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر حدیبیہ میں فرمایا تھا، اسی کو اس جگہ کلام اللہ اور قال اللہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ احکام قرآن کے جو احکام احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں وہ بھی حسب تصریح اس آیت کے کلام اللہ اور قول اللہ میں داخل ہیں جو ملحدین احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت دین نہیں مانتے یہ آیتیں ان کے الحاد کو کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ اسی سورت میں جو سفر حدیبیہ کے شروع میں نازل ہوئی ہے یہ الفاظ قرآن میں موجود ہیں اثابھم فتحا قریبا اور باتفاق مفسرین یہاں فتح قریب سے فتح خیبر مراد ہے تو اس طرح قرآن میں فتح خیبر کا اور اس کے غنائم اہل حدیبیہ کو ملنے کا وعدہ آگیا وہی اس لفظ کلام اللہ اور قال اللہ کی مراد ہو سکتی ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں غنیمت کا وعدہ تو ہے مگر اس کا کہیں ذکر نہیں کہ یہ غنیمت اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص ہو گی

دوسرے اس میں شریک نہ ہو سکیں گے۔ یہ تخصیص تو بلاشبہ حدیث رسول ہی سے معلوم ہوئی ہے وہی کلام اللہ اور قال اللہ کا مصداق ہے اور بعض حضرات نے جو سورۃ توبہ کی آیت کو اس کا مصداق قرار دیا ہے یعنی فاستاذنوك للخروج فقل لن تخرجوا معی ابدا ولن تقاتلوا معی عدوا انکم رضیتم بالقعود اول مرة تو اس لئے صحیح نہیں کہ یہ آیات غزوہ تبوک کے متعلق آئی ہیں اور وہ غزوہ خیبر کے بعد ۹ ہجری میں ہوا ہے (قرطبی وغیرہ)

قل لن تتبعونا اس میں جو تاکیدی طور پر متخلفین حدیبیہ سے یہ فرمایا ہے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں ہو سکتے یہ صرف غزوہ خیبر کے ساتھ مخصوص ہے آگے کسی اور جہاد میں بھی شریک نہ ہو سکیں یہ اس سے لازم نہیں آتا یہی وجہ ہے کہ ان متخلفین حدیبیہ میں سے قبائل مزنیہ اور جہینہ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے۔ (کمافی الروح عن البحر۔ بیان)

متخلفین حدیبیہ میں سے بعض لوگ بعد میں تائب ہو کر سچے مسلمان ہو گئے تھے

غزوہ خیبر کے وقت جتنے متخلفین حدیبیہ تھے سبھی کو اس جہاد کی شرکت سے روک دیا گیا تھا حالانکہ ان میں سب منافق نہیں بعض مسلمان بھی تھے اور بعض گو اس وقت منافق تھے مگر بعد میں سچے ایمان کی ان کو توفیق ہو گئی تھی اس لئے ایسے لوگوں کی دلجوئی کے لئے اگلی آیات آئیں جن میں ان کو تسلی دی گئی ہے کہ اگرچہ غزوہ خیبر اللہ کے وعدے کے مطابق اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص کر دیا گیا مگر جو مخلص مسلمان ہیں اور دل سے شرکت جہاد چاہتے ہیں ان کے لئے دوسرے مواقع آنے والے ہیں ان مواقع کو قرآن کریم ایک خاص پیشن گوئی کی صورت میں بیان فرماتا ہے جس کا ظہور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہونے والا ہے ارشاد فرمایا ستدعون الی قوم اولی باس شدید یعنی ایک ایسا وقت آنے والا ہے جبکہ تمہیں جہاد کی دعوت دی جائے گی اور یہ جہاد ایک بڑی سخت جنگجو قوم کے ساتھ ہوگا اور تاریخ اسلام شاہد ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش نہیں آیا کیونکہ اولاً تو آپ کا اس کے بعد اعراب کو کسی غزوہ میں دعوت شرکت دینا ثابت نہیں ثانیاً اس کے بعد کسی ایسی قوم سے مقابلہ بھی نہیں ہوا جس کے بہادر اور سخت ہونے کا قرآن نے ذکر فرمایا ہے کیونکہ غزوہ تبوک میں اگرچہ مقابلہ ایسی قوم سے تھا مگر نہ اس غزوہ میں اعراب کو دعوت دینا ثابت ہے اور نہ اس میں قتال کی نوبت آئی کیونکہ مقابل آدمیوں پر اللہ نے رعب ڈال دیا وہ مقابلہ پر نہیں آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بغیر قتال کے واپس آئے اور غزوہ حنین میں بھی نہ ان کو دعوت دینا ثابت ہے اور نہ اس وقت مقابل کوئی ایسی قوم تھی جو سخت اور سازوسامان والی ہو اس لئے ائمہ تفسیر میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ مراد اس سے فارس اور روم یعنی کسریٰ و قیصر کی قومیں ہیں جن کے ساتھ جہاد حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں ہوا ہے (ہو قول ابن عباس و عطاء و مجاہد و ابن ابی لیلی والحسن قرطبی) اور حضرت رافع بن خدیج نے فرمایا کہ ہم قرآن کی یہ آیت پڑھتے تھے اور ہمیں معلوم نہ تھا کہ اس قوم سے کون سی قوم مراد ہے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبر نے اپنی خلافت کے زمانے میں ہمیں بنو حنیفہ اہل یمامہ یعنی مسیلمہ کذاب کی قوم کے ساتھ جہاد کرنے کی دعوت دی اس وقت ہم سمجھے کہ یہی قوم اس آیت میں مراد تھی مگر ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد و تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ سبھی قومیں اس میں داخل ہیں۔

امام قرطبی نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ

حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی خلافت حق کے مطابق تھی۔ ان کی دعوت کا ذکر خود قرآن نے آیت مذکورہ میں فرمایا ہے۔

تقاتلونھم او یسلمون حضرت ابیؓ کی قرات میں **حتی یسلموا** بغیر نون کے آیا ہے اس لئے قرطبی نے اس کے مطابق حرف او کو حتی کے معنی میں لیا ہے یعنی اس قوم سے قتال اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک کہ وہ مطیع فرمانبردار نہ ہو جائیں خواہ اسلام قبول کر کے یا اسلامی حکومت کی اطاعت میں رہنا قبول کر کے۔

لیس علی الاعمی حرج حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب اوپر کی آیات میں جہاد کی شرکت سے ہٹنے والوں کے لئے عذاب کی وعید آئی **ان تتولوا کما تولیتم من قبل عذابا الیما** تو کچھ معذور لوگ جو صحابہ کرام میں تھے ان کو فکر ہوئی کہ ہم تو شرکت جہاد کے قابل نہیں کہیں ہم بھی اس وعید میں شامل نہ ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اندھے، لنگڑے اور بیمار کو حکم جہاد سے مستثنی کر دیا گیا (قرطبی) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَ اَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًاۙ○ وَّ مَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَھَا ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ○ وَعَدَکُمُ اللّٰہُ مَغَانِمَ کَثِیْرَۃً تَاْخُذُوْنَھَا فَعَجَّلَ لَکُمْ ھٰذِہٖ وَ کَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْکُمْ ۚ وَ لِتَکُوْنَ اٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَ یَھْدِیَکُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًاۙ○ وَّ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰہُ بِھَا ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ○

تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا پھر اتارا ان پر

اطمینان اور انعام دینا انکو ایک فتح نزدیک اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا وعدہ کیا ہے تم سے اللہ نے بہت غنیمتوں کا کہ تم ان کو لو گے سو جلدی پہنچا دی تم کو یہ غنیمت اور روک دیا لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے اور تا کہ ایک نمونہ ہو قدرت کا مسلمانوں کے واسطے اور چلائے تم کو سیدھی راہ اور ایک فتح اور جو تمہارے بس میں نہ آئی وہ اللہ کے قابو میں ہے اور اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔

تفسیر:

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ اس بیعت سے مراد بیعت حدیبیہ ہے جس کا ذکر اس سے پہلے بھی **ان الذین یبایعونک** میں آچکا ہے یہ آیت بھی اسی سے متعلق اور اس کی تاکید ہے اس آیت میں حق تعالی نے اس بیعت کے شرکاء سے اپنی رضاء کا اعلان فرما دیا ہے اسی لئے اس کو بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے اور مقصود اس سے ان شرکاء بیعت کی مدح اور ان کو اس عہد کے پورا کرنے کی تاکید ہے صحیحین میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن ہماری تعداد چودہ سو نفر کی تھی۔ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **انتم خیر اھل الارض** یعنی تم لوگ تمام روئے زمین کے انسانوں سے بہتر ہو اور صحیح مسلم میں ام بشرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ **لا یدخل النار احد ممن بایع تحت الشجرۃ** یعنی جن لوگوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں کوئی جہنم میں نہیں جائے گا (مظہری) اس لئے اس بیعت کے شرکاء کی مثال شرکاء غزوہ بدر کی سی ہے جیسا ان کے متعلق قرآن و حدیث میں رضائے الٰہی اور جنت کی بشارتیں ہیں اسی طرح شرکاء بیعت رضوان کے لئے بھی یہ بشارت آئی ہے۔

یہ بشارتیں اس پر شاہد ہیں کہ ان سب حضرات کا خاتمہ ایمان اور اعمال صالحہ مرضیہ پر ہوگا کیونکہ رضائے الٰہی کا یہ اعلان اس کی ضمانت دے رہا ہے۔

صحابہ کرام پر طعن و تشنیع اور ان کی لغزشوں میں غور و بحث اس آیت کے خلاف ہے

تفسیر مظہری میں فرمایا کہ جن خیار امت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے غفران و مغفرت کا یہ اعلان فرمادیا ہے اگر ان سے کوئی لغزش یا گناہ ہوا بھی ہے تو یہ آیت اس کی معافی کا اعلان ہے پھر ان کے ایسے معاملات کو جو مستحسن نہیں ہیں غور و فکر اور بحث و مباحثہ کا میدان بنانا بد بختی اور بظاہر اس آیت کی مخالفت ہے یہ آیت روافض کے قول کی واضح تردید ہے جو ابوبکرؓ و عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ پر کفر و نفاق کے الزام لگاتے ہیں۔

شجرۂ رضوان:

شجرہ، جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے ایک ببول کا درخت ہے اور مشہور یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ لوگ وہاں چل کر جاتے اور اس درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو خطرہ ہوا کہ کہیں آئندہ آنے والے جہلاء اسی درخت کی پرستش نہ شروع کردیں جیسے پچھلی امتوں میں اس طرح کے واقعات ہوئے ہیں، اس لئے اس درخت کو کٹوادیا مگر صحیحین میں ہے کہ حضرت طارق بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لئے گیا تو راستے میں میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو ایک مقام پر جمع تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون سی مسجد ہے انہوں نے کہا کہ یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لی تھی۔ میں اس کے بعد حضرت سعید

بن مسیبؒ کے پاس حاضر ہوا اور اس واقعہ کی خبر ان کو دی۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے والد ان لوگوں میں سے تھے جو اس بیعت رضوان میں شریک ہوئے انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہم جب اگلے سال مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو ہم نے وہ درخت تلاش کیا ہمیں بھول ہو گئی۔ اس کا پتہ نہیں لگا پھر سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جو خود اس بیعت میں شریک تھے انکو تو پتہ نہیں لگا تمہیں وہ معلوم ہو گیا۔ عجیب بات ہے کیا تم ان سے زیادہ واقف ہو (روح المعانی) اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں لوگوں نے محض اپنے تخمینہ اور اندازہ سے کسی درخت کو متعین کر لیا اور اس کے نیچے حاضر ہونا اور نمازیں پڑھنا شروع کر دیا۔ فاروق اعظم کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ وہ درخت نہیں پھر خطرہ ابتلائے شرک کا لاحق ہو گیا اس لئے اس کو قطع کرا دیا ہو کیا بعید ہے۔

فتح خیبر:

خیبر در حقیقت ایک صوبہ کا نام ہے جس میں بہت سی بستیاں اور قلعے اور باغات شامل ہیں (مظہری)

واثابھم فتحاً قریباً اس فتح قریب سے مراد باتفاق فتح خیبر ہے جو حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد واقع ہوئی ہے۔ بعض روایات کے مطابق تو حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ کا قیام مدینہ منورہ میں صرف دس روز اور دوسری روایت کے مطابق بیس روز رہا اس کے بعد خیبر کے لئے روانہ ہو گئے اور ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق آپ ذی الحجہ میں مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے اور محرم ۷ ہجری میں آپ غزوہ خیبر کے لئے تشریف لے گئے اور ماہ صفر ۷ ہجری میں خیبر فتح ہوا۔ واقدی کے مغازی میں یہی لکھا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ یہی راجح ہے۔ (تفسیر مظہری)

بہر حال یہ ثابت ہوا کہ یہ واقعہ فتح خیبر سفر حدیبیہ سے کافی دنوں کے بعد پیش آیا ہے اور سورہ فتح کا سفر حدیبیہ کے دوران نازل ہونا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ پوری سورت اسی وقت نازل ہوئی یا کچھ آیتیں بعد میں آئیں۔ اگر پہلی صورت راجح ہو تو ان آیتوں میں واقعہ خیبر کا بیان بطور پیش گوئی کے ہوا اور اس کو بصیغہ ماضی قطعی اور یقینی ہونے کی بناء پر تعبیر کیا گیا اور اگر دوسرا قول راجح ہو تو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ آیتیں بعد وقوع فتح خیبر کے نازل ہوئی ہوں۔ واللہ اعلم۔

و مغانم کثیرة یاخدونها مراد اس سے خیبر کا مال غنیمت ہے جس سے مسلمانوں کو سہولت اور فراغ بالی حاصل ہوئی۔

وعدکم اللہ مغانم کثیرة تاخدونها فعجل لکم هذه۔ اس سے مراد تمام اسلامی فتوحات اور ان کے غنائم ہی جو قیامت تک حاصل ہونے والی ہیں پہلے مغانم اہل حدیبیہ کے لئے اللہ تعالی کے حکم سے مخصوص کر دیئے گئے تھے یہ سب کے لئے عام ہیں۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ تخصیص کا حکم ان آیات میں ذکر نہیں کیا گیا بلکہ وہ جداگانہ وحی کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا ہے آپ نے اس پر عمل کیا اور صحابہ کرام کو بتلایا۔

و کف ایدی الناس عنکم. اس سے مراد کفار اہل خیبر ہیں کہ ان کو اس جہاد میں کچھ زیادہ زور دکھانے کا موقع اللہ تعالی نے نہیں دیا۔ امام بغوی نے فرمایا کہ قبیلہ عظفان یہود خیبر کا حلیف تھا جب اس قبیلہ نے خبر سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر چڑھائی کی ہے تو یہ لوگ یہود کی مدد کے لئے بڑے ساز و سامان سے نکلے مگر اللہ تعالی ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور یہ اس فکر میں پڑ گئے کہ اگر ہم اس طرف گئے تو بعید نہیں کہ مسلمانوں کا کوئی لشکر ہمارے پیچھے ہمارے گھروں پر حملہ

کر دے اس لئے سب ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے۔ (مظہری)

و یھدیکم صراطاً مستقیماً اصل ہدایت صراط مستقیم کی تو ان حضرات کو پہلے سے حاصل تھی مگر جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے کہ ہدایت کے درجات بے شمار ہیں یہاں وہ درجہ مراد ہے جو پہلے سے حاصل نہ تھا یعنی اللہ پر بھروسہ اور قوت ایمان کی زیادتی۔

و اخری لم تقدروا علیها قد احاط اللہ بها۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اور بہت سی فتوحات کا وعدہ کیا ہے جس پر ابھی ان کو قدرت نہیں۔ ان فتوحات میں چونکہ سب سے پہلے مکہ مکرمہ کی فتح ہے اس لئے بعض حضرات نے اس سے فتح مکہ مراد کیا ہے مگر الفاظ عام ہیں قیامت تک ہونے والی فتوحات اس میں شامل ہیں۔ (مظہری)

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا
نَصِيْرًا ○ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ
تَبْدِيْلًا ○ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ
مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ○ هُمُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ
يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ
تَطَــُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ
يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ اِذْ جَعَلَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ
عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْٓا اَحَقَّ

بِهَا وَ اَهۡلَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا o

اور اگر لڑتے تم سے کافر تو پھیرتے پیٹھ پھر نہ پاتے کوئی حمایتی اور نہ مددگار رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آتی ہے پہلے سے اور تو ہرگز نہ دیکھے گا اللہ کی رسم کو بدلتے اور وہی ہے جس نے روک رکھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے بیچ شہر مکہ کے بعد اس کے کہ تمہارے ہاتھ لگا دیا ان کو اور ہے اللہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا یہ وہی لوگ ہیں جو منکر ہوئے اور روکا تم کو مسجد حرام سے اور نیاز کی قربانی کو بھی بند پڑی ہوئی اس بات سے کہ پہنچے اپنی جگہ تک اور اگر نہ ہوتے کتنے ایک مرد ایمان والے اور کتنی عورتیں ایمان والیاں جو تم کو معلوم نہیں یہ خطرہ کہ تم ان کو پیس ڈالتے پھر تم پر ان کی وجہ سے خرابی پڑ جاتی بے خبری سے کہ اللہ کو داخل کرنا ہے اپنی رحمت میں جس کو چاہے اگر وہ لوگ ایک طرف ہو جاتے تو آفت ڈالتے ہم منکروں پر عذاب دردناک کی جب رکھی منکروں نے اپنے دلوں میں نادانی کی ضد پھر اتارا اللہ نے اپنی طرف کا اطمینان اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور قائم رکھا ان کو ادب کی بات پر اور وہی تھے اس کے لائق اور اس کام کے اور ہے اللہ ہر چیز سے خبردار۔

تفسیر :

ببطن مکۃ اس لفظ کے اصلی معنی عین مکہ کے ہیں مگر یہاں اس سے مر
مقام حدیبیہ ہے۔ اس کو مکہ مکرمہ سے بہت متصل ہونے کی بناء پر بطن مکہ سے تع
کر دیا گیا ہے اور اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جو حنفیہ نے اختیار کی ہے کہ حد

کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے **ان یبلغ الدی محله** اس سے معلوم ہوتا ہے۔ **محصر عن الحج والعمرة** یعنی جس کو احرام باندھنے کے بعد کسی وجہ سے دخو سے روک دیا گیا ہو اس پر باتفاق یہ تو لازم ہے کہ قربانی کر کے احرام سے حلال اس میں اختلاف ہے کہ یہ قربانی اسی جگہ ہو سکتی ہے جہاں وہ روک دیا گیا۔ قربانیوں کی طرح اس کے لئے بھی حدود حرم کے اندر ہونا شرط ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس کے لئے بھی حدود حرم شرط ہیں۔ اس آیت سے ان کا استدلال ہے کہ یہاں اس قربانی کے لئے قرآن نے ایک خاص محل قرار دیا ہے جس سے کفار نے مسلمانوں کو روک دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس قربانی کے لئے حدود حرم میں ہونا شرط ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ خود حنفیہ ہی کا یہ قول بھی ہے کہ حدیبیہ کے بعض حصے حرم میں داخل ہیں تو پھر حرم سے روکنا کیسے ثابت ہوا تو جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس قربانی کا حدود حرم میں کسی بھی جگہ کر دینا شرعاً کافی ہے مگر اس خاص جگہ میں جو منیٰ کے اندر منحر کے نام سے موسوم ہے اس میں ہونا افضل ہے کفار مکہ نے اس وقت مسلمانوں کو اس افضل مقام تک قربانی کا جانور لے جانے سے روک دیا تھا۔

فتصیبکم منهم معرة بغیر علم لفظ **معره** کے معنی حضرات نے گناہ کے بیان کئے ہیں اور بعض حضرات نے مطلق مضرت کے اور بعض نے عیب کے بیان کئے ہیں۔ اس مقام پر ظاہر یہی آخری معنی ہیں کہ اگر جنگ چھڑ جاتی اور بے خبری کی حالت میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مکہ میں محبوس مسلمان قتل ہو جاتے تو یہ ایک عیب اور عار کی بات بھی تھی کہ کفار ان کو عار دلاتے کہ اپنے ہی دینی بھائیوں کو مار ڈالا اور مضرت بھی، مقتول مسلمانوں کی مضرت تو ظاہر ہی ہے۔ قاتل مسلمانوں کو کب خبر ہوتی سخت ندامت اور افسوس ہوتا یہ مضرت عام مسلمانوں کو پہنچتی۔

صحابہ کرام کو غلطی اور عیب سے بچانے کا قدرتی انتظام :

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ بغیر علم کے اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا جائے وہ گناہ تو نہیں مگر ایک عیب اور عار اور ندامت افسوس کا سبب ضرور ہے اور قتل خطاء پر دیت وغیرہ دینے کے بھی احکام ہیں۔ اللہ تعالی نے اپنے رسول کے صحابہ کی اس سے بھی حفاظت فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے ساتھ حق تعالی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اگرچہ انبیاء کی طرح معصوم نہیں مگر عامۃً ان کو خطاؤں اور عیبوں سے بچانے کا قدرتی انتظام ہو جاتا ہے۔

لیدخل اللہ فی رحمته من یشاء یعنی حق تعالی نے اس موقع پر مسلمانوں کے قلوب میں تحمل پیدا کر کے جنگ نہ ہونے کا انتظام اس لئے فرمایا کہ ان میں سے بہت سے لوگوں کا آئندہ اسلام قبول کر لینا اللہ تعالی جانتا تھا ان پر رحمت کرنے کے لئے نیز جو مسلمان محبوس تھے ان پر رحمت کے لئے یہ سارا سامان کیا گیا۔

لو تزیلوا، تزیل کے معنی اصل میں تفرق کے ہیں مطلب یہ ہے کہ مکہ میں محبوس مسلمان اگر کفار سے الگ اور ممتاز ہوتے کہ مسلمان ان کو پہچان کو تکلیف سے بچا لیتے تو ان کفار کے حالات کا تقاضا یہی تھا کہ اسی وقت ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دلوادی جاتی مگر چونکہ محبوس ضعفاء مسلمین مرد اور عوتیں انہیں کے اندر مخلوط تھے اگر قتال ہوتا تو انکو بچانے کی صورت نہ بنتی اس لئے اللہ تعالی نے اس جنگ کو موقوف رکھا۔

والزمهم کلمة التقوی و کانوا احق بها و اهلها کلمہ تقوی سے مراد اہل تقوی کا کلمہ ہے یعنی کلمہ توحید و رسالت، اس کو کلمہ تقوی اس لئے کہا گیا کہ یہ کلمہ ہی تقوی کی بنیاد ہے اور صحابہ کرامؓ کو اس کلمہ کا احق اور اہل فرما کر اللہ تعالی نے ان

لوگوں کی رسوائی واضح کردی جو ان حضرات پر کفر و نفاق کا الزام لگاتے ہیں کہ اللہ تعالی تو انکو کلمہ اسلام کا اہل اور احق فرمائے اور یہ بدبخت ان پر تبرا کریں۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ج لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ لا مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لا لَا تَخَافُوْنَ ط فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا○ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ ط وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا○ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ج وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ج كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا○

اللہ نے سچ دکھلایا اپنے رسول کو خواب تحقیق کہ تم داخل ہو رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے بال مونڈتے ہوئے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے بے کھٹکے، پھر جانا وہ جو تم نہیں جانتے، پھر مقرر کردی اس سے ورے ایک فتح نزدیک، وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر اور سچے دین پر تاکہ اوپر رکھے اس کو ہر دین سے اور کافی ہے اللہ حق ثابت کرنے والا، محمد رسول اللہ کا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی، نشانی ان کی ان کے منہ پر ہے،

سجدے کے اثر سے، یہ شان ہے انکی تورات میں اور مثال ان کی انجیل میں، جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر مضبوط کی پھر موٹا ہوا پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو تا کہ جلائے ان سے جی کافروں کا وعدہ کیا اللہ نے ان سے جو یقین لائے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام معافی کا اور بڑے ثواب کا۔

تفسیر :

جب صلح حدیبیہ مکمل ہو گئی اور یہ بات طے ہو گئی کہ اس وقت بغیر دخول مکہ اور بغیر ادائے عمرہ کے واپس مدینہ جانا ہے اور صحابہ کرام کا یہ عزم عمرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی بناء پر ہوا تھا جو ایک طرح کی وحی تھی۔ اب بظاہر اس کے خلاف ہوتا ہوا دیکھ کر بعض صحابہ کرام کے دلوں میں خود یہ شکوک پیدا ہونے لگے کہ (معاذ اللہ) آپ کا خواب سچا نہ ہوا۔ دوسری طرف کفار و منافقین نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تمہارے رسول کا خواب صحیح نہ ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی **لقد صدق الله رسوله** الایة (رواہ البیہقی وغیرہ عن مجاہد)

لقد صدق الله و رسوله الرءیا بالحق لفظ صدق بمقابلہ کذب کے اقوال میں استعمال ہوتا ہے جو قول واقعہ کے مطابق ہو اس کو صدق جو مطابق نہ ہو اس کو کذب کہا جاتا ہے اور بعض اوقات یہ لفظ افعال کے لئے بھی بولا جاتا ہے تو اس وقت اس کے معنی کسی فعل کو محقق اور ثابت کرنے کے ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے **رجال صدقوا ما عاهدوا الله** یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے معاہدہ کو پورا کر دکھایا اس وقت لفظ صدق کے دو مفعول ہوتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں لفظ صدق کا پہلا مفعول رسولہ اور دوسرا رءیا ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول

کو اپنے خواب میں سچا کر دکھایا (بیضاوی) اور اگرچہ یہ سچا کر دکھانے کا واقعہ آگے آنے والا تھا مگر اس کو بلفظ ماضی تعبیر کر کے اس کے قطعی اور یقینی ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ چنانچہ آگے بلفظ مستقبل فرمایا گیا کہ لتدخلن المسجد الحرام یعنی آپ نے جو خواب میں دیکھا تھا کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے یہ ضرور ہو کر رہے گا مگر اس سال نہیں بلکہ اس سال کے بعد ہو گا۔ خواب میں اس کا وقت معین نہیں تھا۔ صحابہ کرام نے اپنے اشتیاق کی وجہ سے اسی سال عزم سفر کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی موافقت فرمائی جس میں اللہ تعالی کی بڑی حکمتیں تھیں جن کا ظہور صلح حدیبیہ کے وقت ہوا جیسا کہ صدیق اکبرؓ نے اول ہی حضرت عمرؓ کے جواب میں فرمایا تھا کہ آپ کو شک میں نہیں پڑنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں کوئی وقت اور سال معین نہیں تھا اگر اس وقت نہیں تو پھر ہو گا (قرطبیؒ)

آئندہ ہونے والے کاموں کے لئے انشاء اللہ کی تاکید:

اس آیت میں حق تعالی نے آئندہ ہونے والے داخلہ مسجد حرام کے ساتھ ان شاء اللہ کا لفظ استعمال فرمایا حالانکہ اللہ تعالی تو خود اپنی مشیت کے عالم ہیں ان کو اس کے کہنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن اپنے رسول اور سب بندوں کو تعلیم دینے کے لئے اس جگہ حق تعالی نے بھی لفظ ان شاء اللہ استعمال فرمایا (قرطبیؒ)

محلقین رء وسکم ومقصرین، صحیح بخاری میں ہے کہ اگلے سال عمرہ قضاء میں حضرت معاویہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک قینچی سے تراشے تھے۔ یہ واقعہ عمرہ قضاء ہی کا ہے کیونکہ حجۃ الوداع میں تو آپ نے حلق فرمایا تھا۔ (قرطبیؒ)

فعلم مالم تعلموا یعنی اللہ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ اسی سال تمہیں

دخول مسجد حرام اور عمرہ نصیب ہو جاتا مگر اگلے سال تک تاخیر کرنے میں بڑی مصالح تھیں جو اللہ کو معلوم تھیں تم ان کو نہ جانتے تھے منجملہ ان مصالح کے ایک یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس سے پہلے خیبر فتح ہو کر مسلمانوں کی قوت اور سامان میں اضافہ ہو جائے اور وہ فراغت واطمینان کے ساتھ عمرہ ادا کریں اسی لئے فرمایا **فجعل من دون ذلك فتحا قريبا،** **دون ذلك** سے مراد **دون الرؤيا** ہے یعنی اس خواب کے واقع ہونے سے پہلے خیبر کی فتح قریب مسلمانوں کو حاصل ہو جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس فتح قریب سے مراد خود صلح حدیبیہ ہے کہ وہ فتح مکہ اور دوسری تمام فتوحات کا مقدمہ تھی اور بعد میں تو سبھی صحابہ نے اس کو اعظم الفتوحات قرار دیا ہے تو اب مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ اس سال تمہارے عزم سفر اور پھر ناکام ہونے اور صلح ہونے میں جو حکمتیں اور مصالح تھیں وہ تمہارے علم میں نہیں تھیں لیکن اللہ تعالیٰ سب سے واقف تھا وہ چاہتا تھا کہ تم کو اس خواب کے واقعہ سے پہلے صلح حدیبیہ کے ذریعہ ایک فتح قریب نصیب فرمادے۔ اسی فتح قریب کا یہ نتیجہ سب نے دیکھ لیا کہ صحابہ کرام جن کی تعداد سفر حدیبیہ میں ڈیڑھ ہزار سے زائد نہ تھی اس کے بعد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ (از قرطبیؒ)

هوالذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق سابقہ آیات میں ج
فتوحات اور غنائم کے وعدے اور اہل حدیبیہ کے خصوصاً اور تمام صحابہؓ کے عموماً فضائ
اور بشارتیں مذکور ہوئے ہیں اب خاتمہ سورت میں ان مضامین کی تلخیص و تاکید ہے او
چونکہ یہ سب نعمتیں اور بشارتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور تصدی
کی بناء پر ہوئیں اس لئے اس تصدیق و اطاعت کی مزید تاکید کے لئے نیز منکر
رسالت محمدیہ پر رد کرنے کے لئے اور صلح حدیبیہ کے وقت جو بعض مسلمانوں

دلوں میں کچھ شکوک پیدا ہو گئے تھے ان کے ازالہ کے لئے ان آیات میں آپ کی رسالت کا اثبات بلکہ تمام دنیا کے دینوں پر آپ کے دین کو غالب کرنے کی بشارت دی گئی ہے۔

محمد رسول اللہ. پورے قرآن میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لینے کے بجائے عموماً آپ کا ذکر اوصاف والقاب کے ساتھ کیا گیا خصوصاً ندا کے موقع پر یا ایہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المزمل وغیرہ بخلاف دوسرے انبیاء کے کہ ان کے نام کے ساتھ ندا کی گئی یا ابراہیم یا موسیٰ یا عیسیٰ پورے قرآن میں صرف چار جگہ آپ کا نام مبارک محمدؐ ذکر فرمایا ہے جہاں اس نام' کے ذکر ہی میں کوئی مصلحت تھی اس مقام پر مصلحت یہ تھی کہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں آپ کے نام کے ساتھ جب حضرت علیؓ نے محمد رسول اللہ لکھا تو کفار قریش نے اس کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھنے پر اصرار کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم ربانی اس کو منظور کر لینا قبول کیا۔ حق تعالیٰ نے اس مقام پر خصوصیت سے آپ کے نام مبارک کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ قرآن میں لا کر اس کو دائمی بنا دیا جو قیامت تک اسی طرح پڑھا لکھا جائے گا۔

والذین معہ یہاں سے آپ کے صحابہ کرام کے فضائل کا بیان ہے اگرچہ اس کے پہلے مخاطب حضرات صحابہ ہیں جو حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے لیکن الفاظ کے عموم میں سبھی صحابہ کرام شامل ہیں کیونکہ صحبت و معیت سب کو حاصل ہے۔

صحابہ کرام کے اوصاف و فضائل اور خاص علامات:

اس مقام پر حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کے دین کو سب دینوں پر غالب کرنے کا بیان فرما کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اوصاف و فضائل اور خاص علامات کا ذکر تفصیل کے ساتھ فرمایا ہے اس میں

ان کے اس سخت امتحان کا انعام بھی ہے جو صلح حدیبیہ کے وقت لیا گیا تھا کہ ان کے قلبی یقین اور قلبی جذبات کے خلاف صلح ہو کر بغیر دخول مکہ وغیرہ کے ناکام واپسی کے باوجود ان کے قدم متزلزل نہیں ہوئے اور بے نظیر اطاعت رسول اور قوت ایمانی کا ثبوت دیا نیز صحابہ کرام کے فضائل اور علامات کی تفصیل بیان فرمانے میں یہ حکمت بھی ہو تو بعید نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی و رسول تو مبعوث ہونے والا نہیں تھا آپ نے اپنے بعد امت کے لئے کتاب اللہ کے ساتھ اپنے اصحاب ہی کو بطور نمونہ کے چھوڑا ہے اور ان کی اقتداء و اتباع کے احکام دیئے ہیں اس لئے قرآن نے بھی ان کے کچھ فضائل اور علامات کا بیان فرما کر مسلمانوں کو ان کے اتباع کی ترغیب و تاکید فرمادی ہے۔ اس مقام پر صحابہ کرام کا سب سے پہلا وصف تو یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔ کفار کے مقابلہ میں سخت ہونا ان کا ہر موقع پر ثابت ہوتا رہا ہے کہ نسبی رشتے ناتے سب اسلام پر قربان کر دیئے اور حدیبیہ کے موقع پر خصوصیت سے اس کا اظہار ہوا اور آپس میں مہربان اور ایثار پیشہ ہونا صحابہ کرام کا اس وقت خصوصیت سے ظاہر ہوا جبکہ مہاجرین و انصار میں مواخات ہوئی اور انصار نے اپنی سب چیزوں میں مہاجرین کو شریک کرنے کی دعوت دی۔ قرآن نے صحابہ کرامؓ کے اس وصف کو مقدم بیان فرمایا کیونکہ در حقیقت اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی دوستی اور دشمنی محبت یا عداوت کوئی چیز اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے ہوتی ہے اور یہی وہ چیز جو ایمان کامل کا اعلیٰ مقام ہے صحیح بخاری وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ **من احب للّٰہ و ابغض للّٰہ فقد استکمل ایمانہ** یعنی جو شخص اپنی محبت اور بغض و عداوت دونوں کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہو گیا

کہ صحابہ کرام کے کفار کے مقابلہ پر سخت ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کبھی کسی کافر پر رحم نہیں کرتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس موقع پر اللہ ورسول کا حکم کفار پر سختی کرنے کا ہوتا ہے وہاں انکو اپنے رشتے ناتے یا دوستی وغیرہ کے علاقے اس کام میں مانع نہیں اور جہاں تک ان کے ساتھ رحم و کرم کے معاملہ کا تعلق ہے وہ تو خود قرآن نے اس کا فیصلہ کردیا ہے کہ لاینھاکم اللہ (الی) ان تبروا و تقسطوا الیھم یعنی جو کفار مسلمانوں کے درپئے آزار اور مقاتلہ پر نہیں ان کے ساتھ احسان کا سلوک کرنے سے اللہ تعالی منع نہیں کرتا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بیشمار واقعات ہیں جن میں ضعیف و مجبور یا ضرورت مند کفار کے ساتھ احسان و کرم کے معاملات کئے گئے ہیں اور ان کے مقابلہ میں عدل وانصاف کو بر قرار رکھنا تو اسلام کا عام حکم ہے عین میدان کارزار میں بھی عدل وانصاف کے خلاف کوئی کارروائی جائز نہیں۔

دوسرا وصف صحابہ کرام کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا عام حال یہ ہے کہ وہ رکوع و سجدہ اور نماز میں مشغول رہتے ہیں ان کو دیکھنے والے اکثر ان کو اسی کام میں مشغول پاتے ہیں۔ پہلا وصف کمال ایمان کی علامت تھی دوسرا وصف کمال عمل کا بیان ہے کیونکہ اعمال میں سب سے افضل نماز ہے۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ یعنی نماز ان کا ایسا وظیفہ زندگی بن گیا ہے نماز اور سجدہ کے مخصوص آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہوتے ہیں۔ مراد ان آثار سے وہ انوار ہیں جو عبدیت اور خشوع و خضوع سے ہر متقی عبادت گزار کے چہرہ پر مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔ پیشانی میں جو نشان سجدہ کا پڑ جاتا ہے، وہ مراد نہیں خصوصا نماز تہجد کا یہ اثر بہت زیادہ واضح ہوتا ہے جیسا کہ ابن ماجہ میں بروایت جابرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من کثر صلوۃ باللیل حسن وجھہ بالنھار یعنی جو شخص رات میں نماز کی کثرت کرتا ہے دن میں اس

کا چہرہ حسین پرنور نظر آتا ہے اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد نمازیوں کے چہروں کا وہ نور ہے جو قیامت میں نمایاں ہوگا۔

ذلك مثلهم فی التورئة صلے ومثلهم فی الانجیل ج كزرع اخرج شطاه صحابہ کرام کی جو علامت اوپر بیان فرمائی ہے کہ کفار کے مقابلہ میں سجدوں اور نمازوں کا نور ان کی پیشانیوں کی علامت ہے اس آیت میں فرمایا کہ ان کی یہی مثال تورات میں بیان کی گئی ہے۔ پھر فرمایا کہ انجیل میں ان کی ایک اور مثال یہ دی گئی ہے کہ وہ ایسے ہیں جیسے کوئی کاشتکار زمین میں بیج اگائے تو اول وہ ایک ضعیف سی سوئی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے پھر اس میں شاخیں نکلتی ہیں پھر وہ اور قوی ہوتا ہے پھر اس کا مضبوط تنہ بن جاتا ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب شروع میں بہت کم تھے ایک وقت ایسا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا صرف تین مسلمان تھے مردوں میں صدیق اکبرؓ، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ بچوں میں حضرت علیؓ، پھر رفتہ رفتہ ان کی قوت بڑھتی رہی یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ بتلائی گئی ہے اس آیت میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ فی التوراۃ پر وقف کیا جائے اور پچھلی مثال یعنی چہروں کا نور، یہ علامت تورات کے حوالہ سے بیان ہوئی آگے مثلھم فی الانجیل پر وقف نہ کریں بلکہ ملا کر پڑھیں تو معنی یہ ہونگے کہ صحابہ کی مثال انجیل میں اس کھیتی یا درخت کی ہے جو شروع میں نہایت کمزور ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ قوی تناور ہوجاتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ فی التوراۃ پر وقف نہ ہو بلکہ فی الانجیل پر وقف کیا جائے تو معنی ہونگے کہ سابقہ نشانی چہروں کے نور کی تورات میں بھی ہے انجیل میں

بھی اور آگے کزرع کی مثال کو ایک الگ مثال قرار دیا جائے تیسرا احتمال یہ ہے کہ فی التوراۃ پر کلام ختم ہو نہ فی الانجیل پر اور لفظ ذلك اگلی مثال کی طرف اشارہ ہو تو معنی یہ ہونگے کہ تورات وانجیل دونوں میں صحابہ کی مثال ذرع یعنی کھیتی کی دی گئی ہے اگر اس زمانہ میں تورات وانجیل اپنی اصلی حالت میں ہوتیں تو ان کو دیکھ کر مراد قرآنی متعین ہو جاتی لیکن ان میں تحریفات کا سلسلہ بے حد وبیشمار رہا ہے اس لئے کوئی یقینی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ مگر اکثر حضرات مفسرین نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے جس میں پہلی مثال تورات میں اور دوسری انجیل میں ہونا معلوم ہے۔ امام بغویؒ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کی یہ مثال انجیل میں ہے کہ شروع میں قلیل ہونگے پھر بڑھیں گے اور قوی ہونگے جیسا کہ حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کی یہ مثال انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ "ایک قوم ایسی نکلے گی جو کھیتی کی طرح بڑھے گی اور وہ نیک کاموں کا حکم اور برے کاموں سے منع کیا کرے گی (مظہری) موجودہ زمانہ کی تورات وانجیل میں بھی بیشمار تحریفات کے باوجود اس کے پیشن گوئی کے حسب ذیل الفاظ موجود ہیں۔ تورات باب استثناء ۱۲۳۔۱ تا ۳ کے یہ الفاظ ہیں

> "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں تیری بات مانیں گے۔"

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ فتح مکہ کے وقت صحابہ کرام کی تعداد دس ہزار تھی جو فاران سے طلع ہونے والے اس نورانی پیکر کے ساتھ شہر خلیل میں داخل

ہوئے تھے اس کے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہو گی کے لفظ سے **اشداء علی الکفار** کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا کہ لفظ سے **رحماء بینھم** کا مضمون سمجھا جاتا ہے اس کی پوری تفصیل مع دوسرے حوالوں کے اظہار الحق جلد سوم باب ششم ص ۲۵۶ میں ہے۔ یہ کتاب عیسائیت کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے مولانا رحمت اللہ کیرانوی ؒ نے پادری فنڈر کے مقابلہ پر تحریر فرمائی تھی اس کتاب میں انجیل کی تمثیل کا اس طرح ذکر ہے۔ انجیل متی باب ۱۳ آیت ۳۱ میں یہ الفاظ ہیں اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا، وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں اور انجیل مرقس ۴ : ۲۶ کے یہ الفاظ ہیں جو الفاظ قرآنی کے زیادہ قریب ہیں۔ ”اس نے کہا کہ خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح اگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے پہلے پتی پھر بالیں پھر بالوں میں تیار دانے پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا (اظہار الحق جلد ۳) باب ششم ص ۳۱۰ آسمان کی بادشاہی سے مراد نبی آخر الزمان کا ہونا انجیل کے متعدد مقامات سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

لیغیظ بھم الکفار یعنی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ان صفات کمال کے ساتھ مزین فرمایا اور ان کو ضعف کے بعد قوت، قلت کے بعد کثرت بخشی، یہ سب کام اس لئے ہوا تاکہ ان کو دیکھ کر کافروں کو غیظ ہو اور وہ حسد کی آگ میں جلیں۔ حضرت ابو عروہ زبیری ؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت امام مالک ؒ کی مجلس میں حاضر تھے ایک شخص

نے بعض صحابہ کرام کی تنقیص کے کچھ کلمات کہے تو امام مالکؒ یہ آیت پوری تلاوت کر کے جب لیغیظ بھم الکفار پر پہنچے تو فرمایا کہ جس شخص کے دل میں صحابہ کرام میں سے کسی کے ساتھ غیظ ہو تو اس آیت کی وعید اس کو ملے گی (قرطبیؒ) حضرت امام مالکؒ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہو جائے گا مگر یہ فرمایا کہ یہ وعید اس کو بھی پہنچے گی مطلب یہ ہے کہ وہ کافروں جیسا کام کرنے والا ہو جائے گا۔

وعداللہ الذین امنوا و عملو الصلحت منھم مغفرۃ و اجراً عظیماً۔

منھم کا صرف من اس جگہ باتفاق مفسرین بیانیہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں اللہ تعالی نے ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ سب صحابہ کرام ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں دوسرے یہ کہ ان سب سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے اور یہ من بیانیہ قرآن میں بکثرت استعمال ہوا ہے جیسے ارشاد ہے فاجتنبوا الرجس من الاوثان تو من الاوثان بیان ہے لفظ رجس کا اسی طرح یہاں منھم بیان ہے الذین امنوا کا اور روافض نے جو اس جگہ حرف من کو تبعیض کے لئے یہ کہہ کر مطلب نکالا ہے کہ ان میں سے جو لوگ ایمان و عمل صالح پر ہیں ان سے یہ وعدہ ہے یہ سراسر سیاق کلام اور اوپر کی آیات کے منافی ہے کیونکہ اس آیت کے مفہوم میں وہ صحابہ کرام تو بلاشبہ داخل، اور آیت کے پہلے مصداق ہیں جو سفر حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے ان سب کے متعلق اوپر کی آیات میں حق تعالی نے اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرمادیا ہے لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ اور رضائے الہی کا یہ اعلان اس کی ضمانت ہے کہ یہ سب مرتے دم تک ایمان و عمل صالح پر قائم رہیں گے کیونکہ اللہ تو علیم و خبیر ہے اگر کسی کے متعلق اس کو یہ معلوم ہو کہ یہ کسی وقت ایمان سے پھر جانے والا

ہے تو اس سے اپنی رضا کا اعلان نہیں فرما سکتے۔ ابن عبد البر نے مقدمہ استیعاب میں اسی آیت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ **ومن رضی اللہ عنہ لم یسخط علیہ ابدا** یعنی اللہ جس سے راضی ہو جائے پھر اس پر کبھی ناراض نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی بناء پر ارشاد فرمایا کہ بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں میں سے کوئی آگ میں نہ جائے گا یہ وعدہ جو اصالۃً انہی کے لئے کیا گیا ہے ان میں سے بعض کا مستثنیٰ ہونا قطعاً باطل ہے اسی لئے امت کا اس پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب عادل و ثقہ ہیں۔

صحابہ کرامؓ سب کے سب اہل جنت ہیں ان کی خطائیں مغفور ہیں ان کی تنقیص گناہ عظیم ہے

قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں اس کی تصریحات ہیں جن میں چند آیات تو اسی سورت میں آچکی ہیں **لقد رضی اللہ عن المومنین** اور **والزمھم کلمۃ التقوی و کانوا احق بھا واھلھا** ان کے علاوہ اور بہت سی آیات میں یہ مضمون مذکور ہے **یوم لا یجزی اللہ النبی والذین امنوا معہ والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ واعدلھم جنت تجری تحتھا الانھار** اور سورہ حدید میں حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا ہے **وکلا وعد اللہ الحسنی** یعنی ان سب سے اللہ نے حسنیٰ کا وعدہ کیا ہے پھر سورہ انبیاء میں حسنی کے متعلق فرمایا **ومن سبقت لھم منا الحسنی اولئک عنھا مبعدون** یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے حسنیٰ کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے وہ جہنم کی آگ سے دور رکھے جائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم. (بخاری)

یعنی تمام زمانوں میں میرا زمانہ بہتر ہے اس کے بعد اس زمانے کے لوگ بہتر ہیں جو میرے زمانے کے متصل ہیں پھر وہ جو ان کے متصل ہیں۔

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ (ان کی قوت ایمان کی وجہ سے ان کا حال یہ ہے کہ) اگر تم میں سے کوئی شخص اللہ کی راہ میں احد پہاڑ کی برابر سونا خرچ کردے تو وہ ان کے خرچ کئے ہوئے کے ایک مد کی برابر بھی نہیں ہو سکتا اور نہ نصف مد کی برابر۔ مد عرب کا ایک پیمانہ ہے جو تقریباً ہمارے آدھے سیر کی برابر ہوتا ہے (بخاری) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو سارے جہان میں سے پسند فرمایا ہے پھر میرے صحابہ میں میرے لئے چار کو پسند فرمایا ہے ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم (رواہ البزار بسند صحیح) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

الله الله فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم و من ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله ومن اذی الله فیوشك ان یاخذه (رواہ الترمذی عن عبدالله بن المغفل از جمع الفوائد)

اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملے مین میرے بعد ان کو طعن تشنیع کا نشانہ مت بناؤ کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان س سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذاء پہنچائی اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ کو ایذا پہنچانے کا قصد کرے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ

لے گا۔

آیات واحادیث اس کے متعلق بہت ہیں جن کو احقر نے اپنی کتاب "مقام صحابہؓ" میں جمع کر دیا ہے یہ کتاب شائع ہو چکی ہے تمام صحابہ کرام کے عدل وثقہ ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے اور صحابہ کرام کے مابین جو اختلافات جنگ و قتال تک پہنچے ان کے متعلق بحث و تمحیص اور تنقید و تحقیق یا سکوت کا مسئلہ بھی اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے اور اس میں سے بقدر ضرورت سورہ محمد کی تفسیر میں آچکا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

کفار کی عہد شکنی فتح مکہ اور ان کی توبہ قبول :

بَرَآءَ ةٌ مِّنَ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللهِ ۙ وَ اَنَّ اللهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ○ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

صاف جواب ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی ان مشرکوں

کو جن سے تمہارا عہد ہوا تھا۔ سو پھر لو اس ملک میں چار مہینے اور جان لو کہ تم نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور یہ کہ اللہ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو اور سنا دینا ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی لوگوں کو بڑے دن حج کے کہ اللہ الگ ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول سو اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر نہ مانو تو جان لو کہ تم ہرگز نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور خوشخبری سنا دے کافروں کو عذاب دردناک کی مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا پھر انہوں نے کچھ قصور نہ کیا تمہارے ساتھ اور مدد نہ کی تمہارے مقابلہ میں کسی کی سو ان سے پورا کر دو ان کا عہد ان کے وعدہ تک بیشک اللہ کو پسند ہیں احتیاط والے پھر جب گزر جائیں مہینے پناہ کے تو مارو مشرکوں کو جہاں پاؤ اور پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو ہر جگہ ان کی تاک میں پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز اور دیا کریں زکوۃ تو چھوڑ دو ان کا رستہ بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

تفسیر :

سورہ براءت شروع ہو رہی ہے جس کو سورہ توبہ بھی کہا جاتا ہے براءت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں کفار سے براءت کا ذکر ہے اور توبہ اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے۔ (مظہری) اس سورت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصاحف قرآن میں اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی جاتی اس کے سوا تمام قرآنی سورتوں کے شروع میں بسم اللہ لکھی جاتی ہے اس کی وجہ معلوم کرنے سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ قرآن مجید تئیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے۔ ایک ہی سورت کی آیتیں مختلف اوقات میں نازل ہوئی۔ جبریل امین جب وحی

لے کر آتے تو ساتھ ہی حکم الٰہی یہ بھی بتلاتے تھے کہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھی جائے اسی کے مطابق رسول کریم کاتبین وحی کو ہدایت فرما کر لکھوا دیتے تھے۔

اور جب ایک سورت ختم ہو کر دوسری سورت شروع ہوتی تھی تو سورت شروع ہونے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوتی تھی جس سے یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ پہلی سورت ختم ہو گئی اب دوسری سورت شروع ہو رہی ہے۔ قرآن مجید کی تمام سورتوں میں ایسا ہی ہوا۔ سورہ توبہ نزول کے اعتبار سے بالکل آخری سورتوں میں سے ہے۔ اس کے شروع میں عام دستور کے مطابق نہ بسم اللہ نازل ہوئی اور نہ رسول کریم نے کاتب وحی کو اس کی ہدایت فرمائی اسی حال میں رسول کریم کی وفات ہو گئی۔

جامع قرآن حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی خلافت کے عہد میں جب قرآن مجید کو کتابی صورت میں ترتیب دیا تو سب سورتوں کے خلاف سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ تھی اس لئے یہ شبہ ہو گیا کہ شاید یہ کوئی مستقل سورت نہ ہو بلکہ کسی دوسری سورت کا جز ہو اب اس کی فکر ہوئی کہ اگر یہ کسی دوسری سورت کا جزء ہو تو وہ کون سی سورت ہو سکتی ہے مضامین کے اعتبار سے سورہ انفال اس کے مناسب معلوم ہوئی۔

اور حضرت عثمانؓ سے ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ آنحضرت کے زمانہ میں ان دونوں سورتوں کو قرینتین یعنی ملی ہوئی کہا جاتا تھا (مظہری) اس لئے سورہ انفال کے بعد اس کو رکھ دیا گیا۔ یہ احتیاط تو اس لئے کی گئی کہ دوسری سورت کا جز ہو تو اس کے ساتھ رہنا چاہئے مگر احتمال یہ بھی تھا کہ علیحدہ مستقل سورت ہو اس لئے لکھنے میں یہ سورت اختیار کی گئی کہ سورہ انفال کے ختم پر سورہ توبہ کے شروع سے پہلے کچھ جگہ خالی چھوڑ دی گئی جیسے عام سورتوں میں بسم اللہ کی جگہ ہوتی ہے۔

سورہ براءت یا توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کی یہ تحقیق خود جامع قرآن حضرت عثمانؓ سے ابو داؤد۔ نسائی۔ مسند امام احمد۔ ترمذی میں مفسر القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ایک سوال کے جواب میں منقول ہے اس سوال میں حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عثمانؓ سے یہ بھی استفسار کیا تھا کہ قرآن کی سورتوں کی جو ترتیب قائم کی گئی ہے کہ سب سے پہلے بڑی سورتیں رکھی گئیں جن میں سو آیتوں سے زیادہ ہوں جن کو اصطلاح میں مئین کہا جاتا ہے اس کے بعد وہ بڑی سورتیں رکھی گئیں ہیں جن میں سو سے کم آیات ہیں جن کو مثانی کہا جاتا ہے اس کے بعد چھوٹی سورتیں رکھی گئیں ہیں جن کو مفصلات کہا جاتا ہے اس ترتیب کا بھی تقاضا یہ ہے کہ سورہ توبہ کو سورہ انفال سے پہلے رکھا جائے کیونکہ سورہ توبہ کی آیتیں سو سے زائد اور انفال کی سو سے کم ہیں شروع کی سات طویل سورتیں جن کو سبع طوال کہا جاتا ہے اس میں بھی بجائے انفعال کے سورہ توبہ ہی زیادہ مناسب ہے اس کے خلاف کرنے میں کیا مصلحت ہے، حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا کہ یہ سب باتیں صحیح ہیں لیکن قرآن کے معاملہ میں احتیاط کا مقتضی وہی ہے جو اختیار کیا گیا کیونکہ اگر سورہ توبہ مستقل سورت نہ ہو بلکہ سورہ انفال کا جز ہو تو یہ ظاہر ہے کہ سورہ انفال کی آیات پہلے نازل ہوئی ہیں اور توبہ کی اس کے بعد اس لئے ان کو انفال کی آیات پر مقدم کرنا بغیر وحی کے جائز نہیں اور وحی میں ہمیں کوئی ایسی ہدایت نہیں ملی اس لئے انفال کو مقدم اور توبہ کو موخر کیا گیا۔

اس تحقیق سے یہ معلوم ہو گیا کہ سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا احتمال ہے کہ سورہ توبہ علیحدہ سورت نہ ہو بلکہ انفال کا جز ہو اس احتمال پر یہاں بسم اللہ لکھنا ایسا نادرست ہو گا جیسے کوئی شخص کسی سورت کے درمیان بسم اللہ لکھ دے۔

اسی بنا پر حضرات فقہاء نے فرمایا ہے کہ جو شخص اوپر سے سورہ انفال کی بقیہ تلاوت کرتا آیا ہو اور سورہ توبہ شروع کر رہا ہو وہ بسم اللہ نہ پڑھے لیکن جو شخص اسی سورت کے شروع یا درمیان سے اپنی تلاوت شروع کر رہا ہے اس کو چاہیے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر شروع کرے۔ بعض ناواقف یہ سمجھتے ہیں کہ سورہ توبہ کی تلاوت میں کسی حال بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں یہ غلط ہے اور اس پر دوسری غلطی یہ ہے کہ بجائے بسم اللہ کے یہ لوگ اس کے شروع میں اعوذ باللّٰہ من النار پڑھتے ہیں جس کا کوئی ثبوت آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ سے نہیں ہے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہ سے جو بروایت ابن عباسؓ یہ منقول ہے کہ سورہ برات کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم امان ہے اور سورہ برأت میں کفار کے امان اور عہد و پیمان کو ختم کیا گیا ہے سو یہ ایک نکتہ اور لطیفہ ہے جو اصلی سبب کے منافی نہیں یعنی اصلی سبب تو یہی ہے کہ سورہ انفال اور توبہ کے ایک ہونے کے احتمال کی بنا پر بسم اللہ نہیں لکھی گئی پھر اس نہ لکھے جانے کا ایک لطیفہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سورت میں کفار سے برأت اور رفع امان مذکور ہے جو بسم اللہ کے مناسب نہیں اس لئے تکوینی طور پر یہاں ایسے اسباب پیدا کر دیئے گئے کہ بسم اللہ یہاں نہ لکھی جائے۔

سورہ توبہ کی آیات مذکورہ کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے چند واقعات کا جاننا ضروری ہے جن کے سبب سے یہ آیات نازل ہوئی ہیں اس لئے پہلے ان واقعات کی مختصر تفصیل لکھی جاتی ہے۔

(1) پوری سورہ توبہ میں چند غزوات اور ان سے متعلقہ واقعات کا اور ان کے ضمن میں بہت سے احکام و مسائل کا بیان ہوا ہے مثلاً تمام قبائل عرب سے معاہدات کا

ختم کر دینا۔ فتح مکہ۔ غزوہ حنین۔ غزوہ تبوک۔ ان واقعات میں فتح مکہ سب سے پہلے ۸ ہجری میں پھر غزوہ حنین اسی سال میں پھر غزوہ تبوک رجب ۹ ہجری میں پھر تمام قبائل عرب سے معاہدات ختم کرنے کا اعلان ذی الحجہ ۹ ہجری میں ہوا۔

(۲) نبذ عہد یعنی معاہدات ختم کر دینے کے متعلق جو مضامین ان آیات میں مذکور ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ۶ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا قصد فرمایا اور قریش مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ اور مقام حدیبیہ میں ان سے صلح ہوئی۔ اس صلح کی میعاد روح المعانی کی نقل کے مطابق دس سال کی تھی۔ مکہ میں علاوہ قریش کے دوسرے قبائل بھی تھے معاہدہ صلح کی ایک دفعہ یہ بھی رکھی گئی کہ قریش کے علاوہ دوسرے قبائل میں جس کا جی چاہے وہ قریش کا حلیف اور ساتھی بن جائے اور جس کا جی چاہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف ہو کر آپ کے ساتھ ہو جائے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف بننا پسند کیا اور آپ کے ساتھ ہو گئے اور قبیلہ بنی بکر نے قریش کے ساتھ ہونا اختیار کر لیا۔ اس معاہدہ کی رو سے یہ لازمی تھا کہ دس سال کے اندر نہ باہمی جنگ ہو گی نہ کسی جنگ کرنے والے کو کسی جانب سے کوئی مدد دی جائے گی اور جو قبیلہ کسی فریق کا حلیف ہے وہ بھی اسی کے حکم میں سمجھا جائے گا کہ اس پر حملہ کرنا یا حملہ آور کو مدد دینا معاہدہ کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا۔

یہ معاہدہ ۶ ھ میں ہوا۔ ۷ ھ میں معاہدہ کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرامؓ کے فوت شدہ عمرہ کی قضاء کرنے کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور تین روز قیام کر کے حسب معاہدہ واپس تشریف لے آئے۔ اس وقت تک کسی فریق کی طرف سے معاہدہ صلح کی کوئی خلاف ورزی نہ تھی۔

اس کے بعد پانچ چھ ماہ گزرے تھے کہ قبیلہ بنی بکر نے قبیلہ خزاعہ پر رات کے وقت چھاپہ مارا اور قریش نے بھی یہ سمجھ کر کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت دور ہیں اور رات کا وقت ہے آپ تک واقعہ کی تفصیلات پہنچنا مشکل ہے اس حملہ میں بنی بکر کو ہتھیاروں اور اپنے جوانوں سے امداد دی۔

ان واقعات اور حالات کے مطابق جن کو بالآخر قریش نے بھی تسلیم کرلیا وہ معاہدہ صلح ٹوٹ گیا جو حدیبیہ میں دس سال کے التواء جنگ کا ہوا تھا۔

قبیلہ خزاعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے انہوں نے اس واقعہ کی اطلاع آپ کو دے دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی عہد شکنی کی خبر پاکر قریش کے خلاف جنگ کی خفیہ تیاری شروع کردی۔

قریش کو بدر و احد اور احزاب کے معرکوں میں مسلمانوں کی غیبی اور ربانی طاقت کا اندازہ ہو کر اپنی قوت و طاقت کا نشہ اتر چکا تھا اس وقت عہد شکنی کرنے کے بعد مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا خطرہ تو پیدا ہو ہی چکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع پہنچنے کے بعد مکمل خاموشی سے یہ خطرہ اور زیادہ قوی ہو گیا۔ مجبور ہو کر ابو سفیان کو مدینہ بھیجا کہ وہ خود جاکر حالات کا اندازہ لگائیں اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنگ کی تحریک کا اندازہ ہو تو پچھلے واقعہ پر عذر و معذرت کر کے آئندہ کے لئے تجدید معاہدہ کرلیں۔

ابو سفیان کو مدینہ پہنچ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی تیاریوں کا کچھ علم ہوا تو پریشان ہو کر اکابر صحابہؓ میں سے ایک ایک کے پاس گئے کہ وہ سفارش کر کے معاہدہ کی تجدید کرادیں مگر سب نے سابقہ اور لاحقہ تلخ معاملات کے سبب انکار کر دیا۔ اور ابو سفیان ناکام واپس آئے۔ قریش مکہ پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب روایت بدایہ و ابن کثیر ۱۰ رمضان ۸ھ کو مدینہ طیبہ سے صحابہ کرامؓ کی بڑی جمعیت کے ساتھ مکہ پر حملہ کرنے کے قصد سے کوچ فرمایا۔ اور بالآخر مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔

فتح مکہ کے وقت مغلوب دشمنوں کے ساتھ بے نظیر کریمانہ سلوک

فتح کے وقت بہت سے رؤساء قریش جو پہلے سے اسلام کی حقانیت کا یقین رکھتے تھے مگر برادری کے خوف سے اظہار نہ کر سکتے تھے اب ان کو موقع مل گیا وہ مشرف باسلام ہو گئے اور جو اس وقت بھی اپنے قدیم مذہب کفر پر جمے رہے ان کو بھی بجز معدودے چند افراد کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو جان و مال کا امان دے کر پیغمبرانہ اور معجزانہ اخلاق کا وہ ثبوت دیا جس کا دوسرے لوگوں سے تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ ان کی تمام گزشتہ عداوتوں اور مظالم اور بے رحمی کے واقعات کو یکسر نظر انداز فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں آج تم سے وہی بات کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے اس وقت کہی تھی جب کہ وہ والدین کے ساتھ یوسف علیہ السلام کے پاس مصر پہنچے تھے۔ **لا تثریب علیکم الیوم** یعنی تمہارے ظلم و جور کا انتقام لینا یا کوئی سزا دینا تو کیا ہم تم کو ملامت کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔

فتح مکہ کے وقت مشرکین کی چار قسمیں اور ان کے احکام

بہر حال اس وقت مکہ پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ مکہ اور اطراف مکہ میں رہنے والے غیر مسلموں کو جان و مال کا امان دے دیا گیا۔ لیکن اس وقت ان غیر مسلموں کے مختلف حالات تھے۔ ایک قسم تو وہ لوگ تھے جن سے حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا اور انہوں نے خود اس کو توڑ دیا اور وہی فتح مکہ کا سبب ہوا۔ دوسرے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن سے صلح کا معاہدہ کسی خاص میعاد کے لئے کیا گیا اور وہ اس معاہدہ پر قائم رہے

جیسے بنی کنانہ کے دو قبیلے بنی ضمرہ اور بنی مدلج جن سے ایک مدت کے لئے صلح ہوئی تھی اور سورہ برأت نازل ہونے کے وقت بقول خازن ان کی میعاد صلح کے نو مہینے باقی تھے۔

تیسرے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن سے معاہدہ صلح بغیر تعین مدت کے ہوا تھا۔ چوتھے وہ لوگ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا۔

فتح مکہ سے پہلے جتنے مشرکین یا اہل کتاب سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدات کئے ان سب کا یہ تلخ تجربہ مسلسل ہوتا رہا کہ انہوں نے خفیہ اور علانیہ عہد شکنی کی اور دشمنوں سے سازش کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی مقدور بھر پوری کوششیں کی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مسلسل تجربہ اور اشارات الٰہیہ کے ماتحت یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ آئندہ ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی معاہدہ صلح نہ کیا جائے گا اور جزیرۃ العرب کو ایک اسلامی قلعہ کی حیثیت سے صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے گا جس کا مقتضی یہ تھا کہ مکہ اور جزیرۃ العرب پر اقتدار حاصل ہوتے ہی اعلان کر دیا جاتا کہ غیر مسلم یہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو جائیں۔ لیکن اسلام کے اصول عدل وانصاف اور رحیمانہ سلوک اور رحمۃ للعالمین کی رحمت عامہ کے ماتحت بلا مہلت کے ایسا کرنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے سورہ برأت کے شروع میں ان چاروں قسم کی غیر مسلم جماعتوں کے جدا جدا احکام نازل ہوئے۔

پہلی جماعت جو قریش مکہ کی تھی جنہوں نے میثاق حدیبیہ کو خود توڑ دیا تھا اب یہ کسی مزید مہلت کے مستحق نہ تھے مگر چونکہ یہ زمانہ اشہر حرم کا زمانہ تھا جن میں جنگ و قتال منجانب اللہ ممنوع تھا اس لئے ان کے متعلق تو وہ حکم آیا جو سورۃ توبہ کی پانچویں آیت میں مذکور ہے فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث

وجدتموھم الآیۃ جس کا حاصل یہ تھا کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کر کے اپنا کوئی حق باقی نہیں چھوڑا مگر اشہر حرم کا احترام بہر حال ضروری ہے اس لئے اشہر حرم ختم ہوتے ہی یا وہ جزیرۃ العرب سے نکل جائیں یا مسلمان ہو جائیں ورنہ ان سے جنگ کی جائے۔

اور دوسری جماعت جن سے کسی خاص میعاد کے لئے معاہدہ صلح کیا گیا اور وہ اس پر قائم رہے ان کا حکم سورہ توبہ کی چوتھی آیت میں یہ آیا۔ اِلَّا الَّذِیْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْئًا وَّلَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰی مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۔ یعنی وہ مشرک لوگ جن سے تم نے معاہدہ صلح کر لیا پھر انہوں نے معاہدہ پر قائم رہنے میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں تمہارے کسی دشمن کی مدد کی تو تم ان کے معاہدہ کو اس کی مدت تک پورا کر دو کیونکہ اللہ تعالی احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ یہ حکم بنو ضمرہ اور بنو مدلج کا تھا جس کی رو سے ان کو نو مہینے کی مہلت مل گئی۔

اور تیسری اور چوتھی دونوں جماعتوں کا ایک ہی حکم آیا جو سورہ توبہ کی پہلی اور دوسری آیت میں مذکور ہے بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَی الَّذِیْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ O فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِی الْكٰفِرِیْنَ O یعنی اعلان دست برداری اللہ تعالی کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ہے ان مشرکین کے لئے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا سو تم لوگ اس سر زمین میں چار مہینے چل پھر لو۔ اور یہ جان رکھو کہ تم اللہ تعالی کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ بے شک اللہ تعالی کافروں کو رسوا کریں گے۔

غرض پہلی دوسری آیتوں کی رو سے ان سب لوگوں کو جن سے بلا تعیین

مدت کوئی معاہدہ تھایا جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ تھا چار مہینے کی مہلت مل گئی۔

اور چوتھی آیت کی رو سے ان لوگوں کو تا اختتام معاہدہ مہلت مل گئی جن کے ساتھ کسی خاص میعاد کا معاہدہ تھا اور پانچوں آیت سے مشرکین مکہ کو اشہر حرم ختم ہونے تک مہلت مل گئی۔

کفار سے معاہدات ختم ہو جانے پر بھی ان کو مہلت دینے کا کریمانہ سلوک

ان احکام کا نفاذ اور مہلت کا شروع اس وقت سے تجویز ہوا جبکہ ان احکام کا اعلان تمام عرب میں ہو جائے۔ اس اعلان عام کے لئے یہ انتظام کیا گیا کہ ۹ ھ کے ایام حج میں منیٰ عرفات کے عام اجتماعات میں اس کا اعلان کیا جائے جس کا ذکر سورہ توبہ کی تیسری آیت میں اس طرح آیا۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ط وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍO

یعنی اعلان عام ہے عام لوگوں کے سامنے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں اس بات کا کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں دست بردار ہوتے ہیں ان مشرکین سے۔ پھر اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تم نے اعراض کیا تو یہ سمجھ رکھو کہ تم خدا کو عاجز نہیں کر سکو گے اور ان کافروں کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

☆☆☆

کفار سے معاہدہ ختم کیا جائے تو اعلان عام اور سب کو ہشیار خبر دار کیے بغیر ان کے خلاف کوئی عمل درست نہیں

چنانچہ اس حکم ربانی کی تعمیل کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ کے حج میں حضرت صدیق اکبر اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ بھیج کر میدان عرفات اور منیٰ میں جہاں تمام قبائل عرب کا اجتماع تھا یہ اعلان کرا دیا اور یہ بھی ظاہر تھا کہ اس عظیم الشان مجمع کی معرفت پورے عرب میں اس حکم کا مشتہر ہو جانا لازمی تھا۔ پھر احتیاطاً حضرت علیؓ کی معرفت یمن میں بالتخصیص اس کا اعلان کرا دیا۔

اس اعلان عام کے بعد صورت حال یہ ہو گئی کہ پہلی جماعت یعنی مشرکین مکہ کو اشھر حرم کے خاتمہ یعنی محرم ۱۰ھ کے ختم تک اور دوسری جماعت کو رمضان ۱۰ھ تک اور تیسری چوتھی جماعتوں کو ۱۰ ربیع الثانی ۱۰ھ تک حدود سے خارج ہو جانا چاہئے اور جو اس کی خلاف ورزی کرے وہ مستحق قتال ہے۔ اس طرح اگلے سال کے زمانہ حج تک کوئی کافر داخل حدود نہ رہنے پائے گا۔ جس کا ذکر سورہ توبہ کی اٹھائیسویں آیت میں آئے گا جس میں ارشاد ہے **فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا**۔ یعنی یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ جا سکیں گے۔ اور حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد **لا یحجن بعد العام مشرک** کا یہی مطلب ہے سورہ توبہ کی ابتدائی پانچ آیتوں کی تفسیر واقعات کی روشنی میں سامنے آچکی ہے۔

☆☆☆

مذکورہ پانچ آیات سے متعلق چند مسائل اور فوائد

اول یہ کہ فتح مکہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ اور دوسرے دشمن قبائل کے ساتھ جو معاملہ عفو و درگزر اور رحم و کرم کا فرمایا اس نے عملی طور پر مسلمانوں کو یہ اخلاقی درس دیا کہ جب تمہارا کوئی دشمن تمہارے قابو میں آجائے اور تمہارے سامنے عاجز ہو جائے تو اس سے گزشتہ عداوتوں اور ایذاؤں کا انتقام نہ لو بلکہ عفو و کرم سے کام لے کر اسلامی اخلاق کا ثبوت دو۔ اگرچہ ایسا کرنا اپنے طبعی جذبات کو کچلنا ہے لیکن اس میں چند عظیم فائدے ہیں۔ اول خود اپنے لئے کہ انتقام لے کر اپنا غصہ اتار لینے سے وقتی طور پر اگرچہ نفس کو کچھ راحت محسوس ہو لیکن یہ راحت فنا ہونے والی ہے اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالی کی رضا اور جنت کے درجات عالیہ جو اس کو ملنے والے ہیں وہ اس سے ہر حیثیت میں زیادہ بھی ہیں اور دائمی بھی اور عقل کا تقاضا یہی ہے کہ دائمی کو فانی پر ترجیح دے۔

دوسرے یہ کہ دشمن پر قابو پانے کے بعد اپنے غصہ کے جذبات کو دبا دینا اس کا ثبوت ہے کہ ان کی لڑائی اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ محض اللہ تعالی کے لئے تھی اور یہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جو اسلامی جہاد اور عام بادشاہوں کی جنگ میں امتیاز اور جہاد و فساد میں فرق کرنے والا ہے کہ جو لڑائی اللہ کے لئے اور اس کے احکام جاری کرنے کے لئے ہو وہ جہاد ہے ورنہ فساد۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ دشمن جب مقہور و مغلوب ہونے کے بعد ان اخلاق فاضلہ کا مشاہدہ کرے گا تو شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو اسلام اور مسلمانوں سے محبت پیدا ہو گی جو اس کے لئے کلید کامیابی ہے اور یہی جہاد کا اصل مقصد ہے۔

☆☆☆

کفار سے عفوودرگزر کے یہ معنی نہیں کہ ان کے ضرر سے بچنے کا اہتمام بھی نہ کیا جائے

(۲) دوسرا مسئلہ جو آیات مذکورہ سے سمجھا گیا یہ ہے کہ عفوو کرم کے یہ معنی نہیں کہ دشمنوں کے شر سے اپنی حفاظت نہ کرے اور ان کو ایسا آزاد چھوڑ دے کہ وہ پھر ان کو نقصان اور ایذاء پہنچاتے رہیں۔ بلکہ عفوو کرم کے ساتھ تقاضائے عقل یہ ہے کہ پچھلے تجربوں سے آئندہ زندگی کے لئے سبق حاصل کرے اور ان تمام رخنوں کو بند کرے جہاں سے یہ خود دشمنوں کی زد میں آسکے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکیمانہ ارشاد ہے **لا یلدغ المرء من جحر واحد مرتین**۔ یعنی عقلمند آدمی ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ جس سوراخ سے ایک مرتبہ کسی زہریلے جانور نے اس کو کاٹا ہے اس میں دوبارہ ہاتھ نہیں دیتا۔

۹ھ کے قرآنی اعلان برأت اور مشرکین کو مہلت واطمینان کے ساتھ حدود حرم خالی کر دینے کی ہدایات اسی حکمت عملی کا ثبوت ہیں۔

(۳) تیسرا فائدہ سورہ توبہ کی ابتدائی آیات سے یہ معلوم ہوا کہ کمزور قوموں کو بلا مہلت کسی جگہ سے نکل جانے کا حکم یا ان پر یکبارگی حملہ بزدلی اور غیر شریفانہ فعل ہے۔ جب ایسا کرنا ہو تو پہلے سے اعلان عام کر دیا جائے اور ان کو اس کی پوری مہلت دی جائے کہ وہ اگر ہمارے قانون کو تسلیم نہیں کرتے تو آزادی کے ساتھ جہاں چاہیں بسہولت جاسکیں۔ جیسا کہ مذکورہ آیتوں میں ۹ھ کے اعلان عام اور اس کے بعد تمام جماعتوں کو مہلت دینے کے احکام سے واضح ہوا۔

(۴) چوتھا مسئلہ آیات مذکورہ سے یہ معلوم ہوا کہ کسی قوم کے ساتھ معاہدہ صلح کر لینے کے بعد اگر میعاد سے پہلے اس معاہدہ کو ختم کر دینے کی ضرورت پیش آجائے تو

اگرچہ چند شرائط کے ساتھ اس کی اجازت ہے مگر بہتر یہی ہے کہ معاہدہ کو اس کی میعاد تک پورا کر دیا جائے جیسا کہ سورہ توبہ کی چوتھی آیت میں بنو ضمرہ اور بنو مدلج کا معاہدہ نو مہینہ تک پورا کرنے کا حکم آیا ہے۔

(۵) پانچواں مسئلہ ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ دشمنوں کے ساتھ ہر معاملہ میں اس کا خیال رہنا چاہئے کہ مسلمانوں کی دشمنی ان کی ذات کے ساتھ نہیں بلکہ ان کے کافرانہ عقائد و خیالات کے ساتھ ہے جو انہیں کے لئے دنیا و آخرت کی بربادی کے اسباب ہیں۔ اور مسلمانوں کی ان سے مخالفت بھی در حقیقت ان کی ہمدردی اور خیر خواہی پر مبنی ہے۔ اسی لئے جنگ و صلح کے ہر مقام پر ان کو نصیحت و خیر خواہانہ فہمائش کسی وقت نہ چھوڑنا چاہئے۔ جیسا کہ ان آیتوں میں جا بجا اس کا ذکر ہے کہ اگر تم اپنے خیالات سے تائب ہو گئے تو یہ تمہارے لئے فلاح دنیا و آخرت ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ اگر تائب نہ ہوئے تو صرف یہی نہیں کہ تم دنیا میں قتل و غارت کے جاؤ گے جس کو بہت سے کافر اپنا قومی کارنامہ سمجھ کر اختیار کر لیتے ہیں بلکہ یہ بھی سمجھ رکھو کہ مرنے کے بعد بھی عذاب سے نجات نہ پاؤ گے۔ مذکورہ آیتوں میں اعلان برأت کے ساتھ ہمدردانہ فہمائش کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

(٦) چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ چوتھی آیت میں جہاں مسلمانوں کو میعاد صلح کے ختم ہونے تک عہد کو پورا کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ آیت کو اس جملہ پر ختم کیا گیا ہے ان اللہ یحب المتقین۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ معاہدہ پورا کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیں۔ عام قوموں کی طرح اس میں حیلے اور تاویلیں نکال کر خلاف ورزی کی راہ نہ ڈھونڈیں۔

(۷) ساتواں مسئلہ پانچویں آیت کی تفصیلات سے یہ معلوم ہوا کہ جب صحیح مقصد کے لئے کسی قوم سے جنگ چھڑ جائے تو پھر ان کے مقابلہ کے لئے ہر طرح کی قوت پورے طور پر استعمال کرنا چاہئے اس وقت رحم دلی یا نرمی در حقیقت رحم دلی نہیں بلکہ بزدلی ہوتی ہے۔

(۸) آٹھواں مسئلہ مذکورہ پانچویں آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کسی غیر مسلم کے مسلمان ہو جانے پر اعتماد تین چیزوں پر موقوف ہے۔ ایک تو یہ دوسرے اقامت صلوٰۃ تیسرے ادائے زکوٰۃ جب تک اس پر عمل نہ ہو محض کلمہ پڑھ لینے سے ان کے ساتھ جنگ بند نہ کی جائے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا ان کے مقابلہ پر صدیق اکبرؓ نے جہاد کرنے کے لئے اسی آیت سے استدلال فرما کر تمام صحابہ کو مطمئن کر دیا تھا۔

(۹) نواں مسئلہ ان آیات میں یہ ہے کہ یوم الحج الاکبر سے کیا مراد ہے۔ اس میں حضرات مفسرین کے مختلف اقوال ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، فاروق اعظمؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ نے فرمایا کہ یوم الحج الاکبر سے مراد یوم عرفہ ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الحج عرفة۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد یوم النحر یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے۔ حضرت سفیانؒ ثوری اور بعض دوسرے ائمہ نے ان سب اقوال کو جمع کرنے کے لئے فرمایا کہ حج کے پانچوں دن یوم الحج الاکبر کا مصداق ہیں جن میں عرفہ اور یوم النحر دونوں داخل ہیں اور لفظ یوم مفرد لانا اس محاورہ کے مطابق ہے جیسے غزوہ بدر کے چند ایام کو قرآن کریم میں یوم الفرقان کے مفرد نام سے تعبیر کیا ہے۔ اور

عرب کی عام جنگوں کو لفظ یوم ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے اگرچہ ان میں کتنے ہی ایام صرف ہوئے ہوں جیسے یوم بعاث یوم احد وغیرہ اور چونکہ عمرہ کو حج اصغر یعنی چھوٹا حج کہا جاتا ہے اس سے ممتاز کرنے کے لئے حج کو حج اکبر کہا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی اصطلاح میں ہر سال کا حج حِجِ اکبر ہی ہے۔ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جس سال عرفہ بروز جمعہ واقع ہو صرف وہ ہی حج اکبر ہے اس کی اصلیت اس کے سوا نہیں ہے کہ اتفاقی طور پر جس سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع ہوا ہے اس میں عرفہ بروز جمعہ ہوا تھا۔ یہ اپنی جگہ ایک فضیلت ضرور ہے مگر آیت مذکور کے مفہوم سے اس کا تعلق نہیں۔

امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ ایام حج کو حِجِ اکبر فرمانے سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا ہے کہ ایام حج میں عمرہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ان ایام کو قرآنِ کریم نے حجِ اکبر کے لئے مخصوص فرما دیا ہے۔

مشرکین کو امان دینے کا حکم

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ سن لے کلام اللہ کا پھر پہنچا دے اس کو اس کی امن کی جگہ' یہ اس واسطے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

عَنْ اُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ اَبِىْ طَالِبٍ قَالَتْ ذَهَبْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهٗ يَغْتَسِلُ وَ فَاطِمَةُ ابْنَتُهٗ تَسْتُرُهٗ بِثَوْبٍ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ مَنْ هٰذِهٖ فَقُلْتُ اَنَا اُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ اَبِىْ طَالِبٍ

فَقَالَ مَرْحَباً بِاُمِّ هَانِیَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهٖ قَامَ فَصَلّٰی ثَمَانِیَ رَکَعَاتٍ مُلْتَحِفاً فِیْ ثَوْبٍ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَعَمَ ابْنُ اُمِّیْ عَلِیٌّ اِنَّهٗ قَاتِلٌ رَجُلاً اَجَرْتُهٗ فُلَانُ بْنُ هُبَیْرَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ یَا اُمَّ هَانِیءٍ قَالَتْ اُمُّ هَانِی وَ ذٰلِكَ ضُحیً متفق علیه و فی روایة للترمذی۔ قَالَتْ اَجَرْتُ رَجُلَیْنِ مِنْ اَحْمَائِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اٰمَنَّا مَنْ اٰمَنْتِ

حضرت ام ہانیؓ بنت ابو طالب کہتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ اس وقت غسل فرمارہے تھے اور آپ کی صاحبزادی جناب فاطمہؓ کپڑے سے پردہ کیے ہوئے تھیں میں نے سلام عرض کیا آپ نے پوچھا کون ہے میں نے عرض کیا کہ میں ام ہانی ابو طالب کی بیٹی آپ نے فرمایا خوشخبری ہو ام ہانی کو پھر جب آپ غسل فرماچکے تو جسم پر کپڑا لپیٹے ہوئے آپ نے (چاشت کی) آٹھ رکعتیں پڑھیں (جب نماز سے فارغ ہو چکے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ میری ماں کے بیٹے (یعنی حضرت علیؓ) نے یہ کہا ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کرنے والے ہیں جس کو میں نے اپنے گھر میں پناہ دی ہے یعنی ہبیر کے بیٹے کو۔ آپ نے فرمایا ام ہانیؓ! جس کو تم نے پناہ دی ہم نے اس کو پناہ دی۔ ام ہانیؓ کہتی ہیں کہ واقعہ چاشت کے وقت کا ہے (بخاری و مسلم ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں) کہ ام ہانیؓ نے یہ عرض کیا میں نے دو شخصوں کو پناہ دی ہے جو میرے خاوند کے رشتہ دار ہیں آپ نے فرمایا ہم نے اس کو امان دی جس کو تم نے امان دی۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَرْأَۃَ لَتَاخُذُ لِلْقَوْمِ یَعْنِیْ تُجِیْرُ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ رواہ الترمذی۔

حضرت بوہریرہؓ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عورت البتہ (عہد کرتی ہے قوم کے لئے) یعنی پناہ دیتی ہے (اپنی قوم) مسلمان کے بھروسہ پر (یعنی عورت کسی کو امان دے تو وہ ساری قوم کا امان ہے)۔ ترمذی

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَمِقِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ اٰمَنَ رَجُلاً عَلٰی نَفْسِہٖ فَقَتَلَہٗ اُعْطِیَ لِوَاءَ الْغَدْرِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ رواہ فی شرح السنۃ۔

حضرت عمرو بن حمقؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے جو شخص کسی کو امن دے اور پھر اس کو مار ڈالے اس کو قیامت کے دن بد عہدی کا نشان دیا جائے گا (شرح السنۃ)

وَعَنْ سُلَیْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ کَانَ بَیْنَ مُعَاوِیَۃَ وَبَیْنَ الرُّوْمِ عَھْدٌ وَ کَانَ یَسِیْرُ نَحْوَبِلَا دِھِمْ حَتّٰی اِذَا انْقَضَی الْعَھْدُ اَغَارَ عَلَیْھِمْ فَجَاءَ رَجُلٌ عَلٰی فَرَسٍ اَوْ بِرْذَوْنٍ وَھُوَ یَقُوْلُ اللہُ اَکْبَرُ اللہُ اَکْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ فَنَظَرُوْا فَاِذَا ھُوَ عَمْرُو بْنُ عَبَسَۃَ فَسَاَلَہٗ مُعَاوِیَۃُ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ کَانَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ قَوْمٍ عَھْدٌ فَلَا یَحُلَّنَّ عَھْدًا وَلَا یَشُدَّنَّہٗ حَتّٰی یَمْضِیَ اَمَدُہٗ اَوْ یَنْبِذَ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَاءٍ قَالَ فَرَجَعَ مُعَاوِیَۃُ بِالنَّاسِ رواہ الترمذی و ابو دائود۔

حضرت سلیم بن عامرؓ کہتے ہیں کہ معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان یہ

عہد ہو گیا تھا کہ وہ وقت معین تک ایک دوسرے سے جنگ نہ کریں۔ معاویہ اس عہدو پیان کے زمانہ میں روم کے شہروں میں گشت لگایا کرتے تھے تاکہ جب عہد کی مدت ختم ہو جائے تو وہ اچانک رومیوں پر حملہ کر کے ان کو لوٹ لیں (انہیں ایام میں) ایک شخص عربی یا ترکی گھوڑے پر سوار اللہ اکبر اللہ اکبر عہد کو پورا کیا جائے بد عہدی نہ کی جائے کہتا ہوا آیا۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ عہدو صلح کے ایام میں تم لوگ جو رومی شہروں میں گشت لگاتے ہو یہ بد عہدی ہے۔ لوگوں نے دیکھا یہ شخص عمرو بن عبسہؓ صحابی تھے معاویہ نے ان سے واقعہ دریافت کیا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص کسی قوم سے معاہدہ کرے اس کو چاہئے کہ وہ عہد کو نہ توڑے اور نہ باندھے (باندھنے سے مراد عہد کی تبدیلی ہے) (جب تک اس عہد کی مدت نہ گزر جائے۔ عہد کو دونوں فریق مساوی درجہ میں اعلان کر کے توڑ دیں (یعنی ایک دوسرے کو آگاہ کر دے کہ ہمارے تمہارے درمیان جو عہد تھا وہ باقی نہیں رہا اور اب ہم تم برابر ہیں) سلیم بن عامرؒ راوی کا بیان ہے کہ عمرو بن عبسہؓ کی یہ بات سن کر معاویہ اپنے لوگوں کے ساتھ واپس چلے آئے۔ (ترمذی ابوداوٗد)

وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ بَعَثَنِیْ قُرَیْشٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُلْقِیَ فِیْ قَلْبِیْ الْاِسْلَامُ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ وَاللّٰہِ لَا اَرْجِعُ اِلَیْھِمَا اَبَدًا قَالَ اِنِّیْ لَا اَخِیْسُ بِالْعَھْدِ وَلَا اَحْبِسُ الْبُرُدَ وَلٰکِنِ ارْجِعْ فَاِنْ کَانَ فِیْ نَفْسِکَ الَّذِیْ فِیْ نَفْسِکَ الْاٰنَ فَارْجِعْ قَالَ فَذَھَبْتُ ثُمَّ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمْتُ رواہ ابو دائود۔

حضرت ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش نے مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ میری نظر جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی میرے دل میں اسلام کی صداقت و عظمت نے گھر کر لیا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! خدا کی قسم اب میں کبھی قریش میں نہ جاؤں گا آپ نے فرمایا۔ میں نہ تو عہد کو توڑتا ہوں اور نہ قاصدوں کو قید کرتا ہوں تم واپس چلے جاؤ۔ اگر تمہارے دل میں وہ چیز قائم وباقی رہے جو اس وقت پائی جاتی ہے تو پھر چلے آنا۔ ابو رافع کا بیان ہے کہ میں مکہ واپس چلا گیا اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ (ابو داؤد)

وَعَنْ نُعَیْمِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلَیْنِ جَاءَ مِنْ عِنْدِ مُسَیْلِمَةَ اَمَا وَاللهِ لَوْلَا اَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ اَعْنَاقَکُمَا رواہ احمد و ابو داود۔

حضرت نعیم بن مسعودؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں سے فرمایا جو مسلمہ مدعی نبوت کے پاس سے آئے تھے خدا کی قسم اگر شریعت میں قاصد کو مارنا ممنوع نہ ہوتا تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ خُطْبَتِهٖ اَوْفُوْا بِحِلْفِ الْجَاهِلِیَّةِ فَاِنَّهٗ لَا یَزِیْدُهٗ یَعْنِی الْاِسْلَامَ اِلَّا شِدَّةً وَلَا تَحْدَثُوْا حَلْفاً فِی الْاِسْلَامِ رواہ الترمذی مِنْ طَرِیْقِ حُسَیْنِ بْنِ ذَکْوَانَ عَنْ عَمْرٍو وَقَالَ حَسَنٌ وَذُکِرَ حَدِیْثُ

عَلِیَ اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَکَا فَأَدِمَائُھُمْ فِیْ کِتَابِ الْقِصَاصِ.

حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں فرمایا پورا کرو جاہلیت کی قسم کو اس لئے کہ اسلام قسم کی قوت کو بڑھاتا ہے کم نہیں کرتا اور اسلام میں قسم کو پیدا نہ کرو یعنی جاہلیت کی سی قسموں کا رواج پیدا نہ کرو اس لئے کہ عہد و پیمان کے لئے اسلام ہی کافی ہے۔ ترمذی نے اسے حسین بن ذکوان اور عمرو کے سلسلہ سند سے روایت کیا اور اسے حسن کہا ہے اور علی کی حدیث المسلمون تتکافا الخ کتاب القصاص میں بیان کی جاچکی ہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ ابْنُ النَّوَاحَةِ وَ ابْنُ اثَالٍ رَسُوْلاً مُسَیْلِمَةَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فَقَالَ لَھُمَا اَتَشْھَدَ انِ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالَا نَشْھَدُ اَنَّ مُسَیْلِمَةَ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالَ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرَسُلِہٖ لَوْ کُنْتُ قَاتِلاً رَسُوْلاً لَقَتَلْتُکُمَا قَالَ عَبْدُاللّٰہِ فَمَضَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الرَّسُوْلَ لَا یُقْتَلُ رواہ احمد.

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ مسیلمہ (مدعی نبوت) کے دو قاصد ابن النواحہ اور ابن اثال رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا کیا تم اس امر کا اعتراف کرتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ انہوں نے کہا ہم اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ مسیلمہ خدا کا رسول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا اگر میں قاصدوں کو قتل کرنے والا ہوتا تو میں تم دونوں کو مار ڈالتا عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ اس وقت سے یہ طریقہ جاری ہو گیا کہ قاصد

قتل نہیں کیا جاتا۔

کفار کو اسلام کی دعوت دینے کا بیان

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی قَیْصَرَ یَدْعُوْہُ اِلَی الْاِسْلَامِ وَبَعَثَ بِکِتَابِہٖ اِلَیْہِ دِحْیَۃَ الْکَلْبِیُّ وَ اَمَرَہٗ اَنْ یَّدْفَعَہٗ اِلٰی عَظِیْمِ بُصْرٰی لِیَدْفَعَہٗ اِلٰی قَیْصَرَ فَاِذَا فِیْہِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلٰی ھِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدَاعِیَۃِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ وَاَسْلِمْ یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ وَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَعَلَیْکَ اِثْمُ الْاَرِیْسِیِّیْنَ وَیَا اَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئاً وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوْا شْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ متفق علیہ وفی روایۃ لمسلم قَالَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ قَالَ اِثْمُ الْیَرِیْسِیِّیْنَ وَقَالَ بِدُعَایَۃِ الْاِسْلَامِ۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کو دعوت اسلام کا نامہ لکھا اور اس نامہ کو دحیہ کلبیؓ کے ہاتھ روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ اس نامہ کو تم حاکم بصری کے پاس پہنچانا وہ اس کو قیصر کے پاس پہنچا دے گا اس نامہ میں یہ لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ نامہ ہے خدا کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی جانب سے ہرقل شاہ روم کے نام۔ سلام ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اس کے بعد میں

تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو اسلام قبول کر محفوظ و مامون رہے گا۔ تو اسلام قبول کر تجھ کو اللہ تعالیٰ دوہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تو منہ پھیرے گا۔ یعنی اسلام قبول نہ کرے گا تو تیرے اطاعت گزاروں اور تابعداروں یعنی رعیت کا گناہ بھی تجھ پر ہو گا کہ تیرے اسلام نہ لانے سے وہ بھی کفر میں مبتلا رہیں گے اور اے اہل کتاب آؤ طرف دین حق کی جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یعنی جیسا کہ تم رسول اور خدا تعالیٰ اور خدا کی کتاب پر ایمان واعتقاد رکھتے ہو ہم بھی رکھتے ہیں اور وہ دین حق یا کلمہ مشترک ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اور ہم میں بعض آدمی بعض کو خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اور ہم میں بعض آدمی بعض کو خدا کے سوا اپنا پروردگار نہ بنائے گا جیسا کہ مسیحیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا پروردگار بنالیا تھا پھر اگر اے مومنو! اہل کتاب اس دعوت سے اعراض کریں اور دین حق کی طرف نہ آئیں تو تم ان سے کہو کہ اے کافرو! تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں چند الفاظ ہیں۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهٖ اِلٰى كِسْرٰى مَعَ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ فَاَمَرَهٗ اَنْ يَّدْفَعَهٗ اِلٰى عَظِيْمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهٗ عَظِيْمُ الْبَحْرَيْنِ اِلٰى كِسْرٰى فَلَمَّا قَرَاَ مَزَّقَهٗ قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ رواه البخارى.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نامہ گرامی عبداللہ بن خدافہ سہمیؓ کے ہاتھ کسریٰ کے پاس روانہ فرمایا اور عبداللہ کو حکم دیا کہ وہ اس نامہ کو حاکم بحرین کے پاس لے جائے چنانچہ وہ بحرین کے حاکم کے پاس لے گئے۔ اور بحرین کے سردار نے اس کو کسریٰ کے پاس بھیج دیا کسریٰ نے اس نامہ کو پڑھا تو پھاڑ کر پھینک دیا۔ ابن مسیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علہ وسلم نے کسریٰ اور اس کے اطاعت گزاروں کے لئے یہ بدعا فرمائی کہ پاش پاش کیے جائیں وہ سب بالکل پارہ پارہ۔ (بخاری)

وَعَنْ اَنسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی کِسْرٰی وَاِلٰی قَیْصَرَ وَ اِلَی النَّجَاشِیِّ وَ اِلٰی کُلِّ جَبَّارٍ یَدْعُوْھُمْ اِلَی اللہِ وَلَیْسَ بِالنَّجَاشِیِّ الَّذِیْ صَلّٰی عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رواہ مسلم.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسری (شاہ فارس قیصر شاہ روم نجاشی شاہ حبش اور ہر ظالم و سرکش سردار کے نام خطوط لکھے جن میں ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور یہ نجاشی جن کو آپ نے یہ خط بھیجا تھا وہ نجاشی نہیں ہے جس پر یعنی جس کے جنازہ پر غائبانہ آپ نے نماز پڑھی تھی۔

وَعَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ بُرَیْدَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّرَ اَمِیْرًا عَلٰی جَیْشٍ اَوْ سَرِیَّۃٍ اَوْصَاہُ فِیْ خَاصَّتِہٖ بِتَقْوَی اللہِ وَمَنْ مَعَہٗ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرًا ثُمَّ قَالَ اُغْزُوْا بِاسْمِ اللہِ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ قَاتِلُوْا مَنْ کَفَرَ بِاللہِ اُغْزُوْا فَلَا تَغُلُّوْا وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَا تُمَثِّلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِیْدًا وَاِذَا لَقِیْتَ عَدُوَّکَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ فَادْعُھُمْ اِلٰی

ثَلٰثِ خِصَالٍ اَوْ خِلَالٍ فَاَيَّتُهُنَّ مَا اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَ كُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ عَنْهُمْ وَ كُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ اِلٰى دَارِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ اِنْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَلَهُمْ مَالِلْمُهَاجِرِيْنَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ فَاِنْ اَبَوْا اَنْ يَّتَحَوَّلُوْا مِنْهَا فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ يَكُوْنُوْنَ كَاَعْرَابِ الْمُسْلِمِيْنَ يُجْرٰى عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللّٰهِ الَّذِىْ يُجْرٰى عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَكُوْنُ لَهُمْ فِى الْغَنِيْمَةِ وَالْفَىْءِ شَىْءٌ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدُوْا مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنْ هُمْ اَبَوْا فَسْئَلْهُمُ الْجِزْيَةَ فَاِنْ هُمْ اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَ كُفَّ عَنْهُمْ فَاِنْ هُمْ اَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَقَاتِلْهُمْ وَاِذَا حَاصَرْتَ اَهْلَ حِصْنٍ فَاَرَادُوْكَ اَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهٖ فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَلَا ذِمَّةَ نَبِيِّهٖ وَلٰكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ اَصْحَابِكَ فَاِنَّكُمْ اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ اَصْحَابِكُمْ اَهْوَنُ مِنْ اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ رَسُوْلِهٖ وَاِنْ حَاصَرْتَ اَهْلَ حِصْنٍ فَاَرَادُوْكَ اَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِكَ فَاِنَّكَ لَاتَدْرِىْ اَتُصِيْبُ حُكْمَ اللّٰهِ فِيْهِمْ اَمْ لَا رواه مسلم.

حضرت سلیمان بن بریدہؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جیش بڑے لشکر پر یا سریہ (چھوٹے لشکر) پر کسی کو امیر و سردار مقرر فرماتے تو اس کی خاص شخصیت کے متعلق یہ نصیحت فرماتے کہ وہ خدا سے ڈرتا رہے اور جو مسلمان اس کے ساتھ جاتے ان کے متعلق یہ ہدایت فرماتے کہ وہ ان سے بہترین سلوک کرے اور اس کے

بعد یہ حکم دیتے کہ خدا کے نام پر خدا کی راہ میں اس شخص سے لڑو جس نے خدا کے ساتھ کفر کیا اور جہاد کرو اور مال غنیمت کی تقسیم میں خیانت نہ کرو اور نہ عہد کو توڑو اور نہ مثلہ کرو یعنی جسم کے اعضا نہ کاٹو اور بچّوں کو قتل نہ کرو اور اے امیر جب تو اپنے دشمن مشرکوں سے مقابلہ پر آمادہ ہو تو اس کو تین باتوں کی دعوت دے یعنی ان سے کہہ کہ ان تین باتوں میں سے ایک بات کو مان لو۔ پھر ان باتوں میں سے جن بات کو وہ قبول کریں تو اس کو منظور کر لے اور لڑائی کو بند کر دے یعنی اور تو سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دے اگر وہ اسلام کو قبول کر لیں تو اس کو منظور کر لے اور پھر ان سے کوئی مناقشہ یا جنگ نہ کر۔ اگر وہ اسلام کو قبول نہ کریں تو پھر ان کو دار الحرب یعنی کافروں کے مالک سے دار الاسلام کی طرف چلے آنے کی دعوت دے اور ان کو بتلا کہ اگر وہ دار الاسلام چلے آئیں گے تو ان کے وہ حقوق ہوں گے جو مہاجرین کے ہیں اور ان کے ذمہ وہی فرائض ہوں گے جو مہاجرین کے ذمہ ہیں اگر اس سے بھی انکار کریں تو ان کو آگاہ کر کہ ان کے ساتھ دیہاتی مسلمانوں کا سا سلوک کیا جائے گا یعنی ان پر خدا کا وہ حکم جاری کیا جائے گا جو سارے مسلمانوں پر جاری ہے (مثلاً نماز اور زکوٰۃ۔ قصاص اور دیت) اور مال غنیمت اور اس مال میں سے جو کافروں سے حاصل ہو ان کو کوئی حصہ نہ ملے گا مگر جب کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد کریں گے تو اس مال میں سے بھی حصہ ملے گا اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کر اگر وہ جزیہ قبول کر لیں تو تو بھی اس کو منظور کر لے اور لڑائی سے رک جا اور اگر جزیہ بھی قبول نہ کریں تو پھر خدا سے مدد طلب کر اور ان سے لڑ اور جب تو کسی

قلعہ کے آدمیوں کو محاصرہ میں لے لے (یا کسی آبادی کو گھیر لے) اور وہاں کے آدمی تجھ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کا ذمہ یعنی عہد چاہیں تو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کا عہد ان کو نہ دے بلکہ اپنا عہد اور اپنے ہمراہیوں کا عہد دے اس لئے کہ اگر تم اپنا اور اپنے ہمراہیوں کا عہد توڑ دو گے تو خدا اور اس کے رسول کا عہد توڑنے سے یہ بہتر ہوگا۔ اور جب تو کسی قلعہ کے آدمیوں کا محاصرہ کرے اور وہ یہ خواہش کریں کہ خدا کے حکم پر تو ان کا محاصرہ اٹھا لے تو، تو خدا کے حکم پر محاصرہ کو نہ اٹھائے بلکہ اپنی رائے اور اپنے حکم سے محاصرہ کو اٹھا اس لئے کہ تو نہیں جانتا کہ خدا کا کیا حکم ہے۔ (مسلم)

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ اَیَّامِہِ الَّتِیْ لَقِیْ فِیْھَا الْعَدُوَّ انْتَظَرَ حَتّٰی مَالَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَامَ فِی النَّاسِ فَقَالَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْاَلُوا اللّٰہَ الْعَافِیَۃَ فَاِذَا لَقِیْتُمْ فَاصْبِرُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّۃَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ وَمُجْرِی السَّحَابِ وَھَازِمَ الْاَحْزَابِ اَھْزِمْھُمْ وَانْصُرْنَا عَلَیْھِمْ متفق علیہ.

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے ایام میں ایک دفعہ انتظار کیا یعنی دشمن سے جنگ نہ کی شروع دن میں جیسا کہ معمول تھا بلکہ دن چڑھنے کا انتظار کیا جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! دشمنوں سے معرکہ آرا ہونے کی آرزو نہ کرو اس لئے کہ جنگ کرنا مصیبت وبلا کا سامنا کرنا ہے، بلکہ خدا سے امن وعافیت چاہو اور جب تم دشمن سے لڑو اور صبر سے کام لو اور

اس کا یقین رکھو کہ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے پھر آپ نے یہ دعا فرمائی اے اللہ کتاب کو نازل کرنے والے ابر کو چلانے والے۔ دشمن کی جماعت کو شکست و ہزیمت دینے والے دشمنوں کو شکست و ہزیمت دے اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کَانَ اِذَا غَزَا بِنَا قَوْماً لَمْ یَکُنْ یَغْزُوْ بِنَا حَتّٰی یُصْبِحَ وَیَنْظُرَ اِلَیْھِمْ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا کَفَّ عَنْھُمْ وَاِنْ لَّمْ یَسْمَعْ اِذَا نًا اَغَارَ عَلَیْھِمْ قَالَ فَخَرَجْنَا اِلٰی خَیْبَرَ فَانْتَھَیْنَا اِلَیْھِمْ لَیْلاً فَلَمَّا اَصْبَحَ وَلَمْ یَسْمَعْ اَذَاناً رَکِبَ وَرَکِبْتُ خَلْفَ اَبِیْ طَلْحَۃَ وَاِنَّ قَدَمِیْ لَتَمَسُّ قَدَمَ نَبِیِّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فَخَرَجُوْا اِلَیْنَا بِمَکَاتِلِھِمْ وَمَسَاحِیْھِمْ فَلَمَّا رَاَوُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالُوْا مُحَمَّدٌ وَاللّٰہِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِیْسُ فَلَجَأُوْا اِلَی الْحِصْنِ فَلَمَّا رَاٰھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَۃِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ متفق علیہ۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے ساتھ کسی قوم سے جہاد کرتے تو صبح ہونے سے پہلے دشمن پر حملہ آور نہ ہوتے یعنی جب کہ کسی نامعلوم دشمن سے لڑتے یا ان پر حملہ کا ارادہ فرماتے چنانچہ جب صبح ہو جاتی تو آپ دشمن کی جماعت پر نظر ڈالتے یعنی قرائن سے یہ معلوم کرنا چاہتے کہ یہ کون لوگ ہیں اگر ان میں سے اذان کی آواز آتی تو لڑائی سے رک جاتے اور اذان کی آواز نہ آتی تو ان پر حملہ کر دیتے۔ انس کا

بیان ہے کہ حسب معمول ہم خیبر کی طرف گئے اور خیبر والوں کے قریب ہم رات کے وقت پہنچے جب صبح ہوئی اور اذان کی آواز سنائی نہ دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے اور میں ابو طلحہؓ کی سواری پر ان کے پیچھے بیٹھا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سے اتنا قریب تھا کہ میرے پاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک سے لگتے تھے انسؓ کہتے ہیں کہ صبح ہونے پر خیبر والے سامان و آلات زراعت لے کر ہماری طرف آئے یعنی اپنے کھیتوں میں جانے کے لئے کیونکہ وہ ہماری آمد سے بے خبر تھے جب انہوں نے نبیؐ کو دیکھا تو کہا محمدؐ (آگئے) اور ان کا لشکر بھی یہ کہہ کر وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر فرمایا۔ اللہ بزرگ و برتر ہے۔ اللہ بزرگ و برتر ہے۔ خیبر خراب ہوا۔ البتہ ہم یعنی مسلمان جب کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو اس خوف زدہ قوم کی صبح بڑی ہو جاتی ہے۔

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ شَهِدْتُ الْقِتَالَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اِذَا لَمْ يُقَاتِلْ اَوَّلَ النَّهَارِ اَنْتَظَرَ حَتّٰى تَهُبَّ الْاَرْوَاحُ وَتَحْضُرَ الصَّلٰوةُ رواه البخاری.

حضرت نعمان بن مقرنؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا ہوں جب آپ کسی دن صبح کے وقت جنگ نہ کرتے تو انتظار فرماتے اس وقت کا جب کہ ہوا چل نکلے اور نماز کا یعنی ظہر کی نماز کا وقت آجائے۔ (بخاری)

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ اِذَا لَمْ يُقَاتِلْ اَوَّلَ النَّهَارِ اَنْتَظَرَ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ وَتَهُبَّ الرِّيَاحُ وَيَنْزِلَ النَّصْرُ رواہ ابو دائود.

حضرت نعمان بن مقرنؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوا ہوں جب آپ کسی روز اول دن میں جنگ نہ چھیڑتے تو انتظار فرماتے جب آفتاب ڈھل جاتا ہوائیں چل نکلتیں اور فتح نازل ہوتی تب لڑائی شروع فرماتے۔ (ابوداود)

وَعَنْ قَتَادَةَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ اَمْسَكَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتْ قَاتَلَ فَاِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ اَمْسَكَ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ قَاتَلَ حَتَّى الْعَصْرِ ثُمَّ اَمْسَكَ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ يُقَاتِلُ قَالَ قَتَادَةُ كَانَ يُقَالُ عِنْدَ ذٰلِكَ تَهِيْجُ رِيَاحُ النَّصْرِ وَيَدْعُو الْمُؤْمِنُوْنَ لِجُيُوْشِهِمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ رواہ الترمذی.

حضرت قتادہ نعمان بن مقرنؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں جنگیں کی ہیں (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ) جب صبح ہوتی تو آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے جنگ نہ فرماتے یعنی جب آفتاب نکل آتا۔ تب لڑائی شروع کرتے اور جب دوپہر ہو جاتی تو لڑائی کو بند کر دیتے پھر جب آفتاب ڈھل جاتا تو نماز ظہر کے بعد پھر جنگ شروع کرتے اور عصر تک اس کا سلسلہ جاری رہتا پھر لڑائی بند کر دیتے اور عصر کی نماز ادا کرتے اور اس کے بعد لڑتے قتادہ

کا بیان ہے کہ صحابہؓ کہا کرتے تھے۔ کہ ان اوقات میں جن میں آپ جنگ کیا کرتے تھے فتح کی ہوائیں چلتی ہیں اور مسلمانوں نمازوں میں اپنے لشکر کی فتح کی دعائیں مانگتے ہیں۔ (ترمذی)

وَعَنْ عِصَامِ الْمُزَنِیِّ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَرِیَّۃٍ فَقَالَ اِذَا رَاَیْتُمْ مَسْجِداً اَوْ سَمِعْتُمْ مُؤَذِّناً فَلَا تَقْتُلُوْا اَحَداً رواہ الترمذی و ابوداود.

حضرت عصام مزنیؓ کہتے ہیں کہ ہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹے لشکر میں بھیجا اور یہ حکم دیا کہ جب تم مسجد کو دیکھو یا مؤذن کو اذان دیتے سنو تو وہاں جنگ نہ کرا ور کسی کو قتل نہ کرو۔ (ترمذی۔ ابوداوَد)

عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ کَتَبَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ اِلٰی اَھْلِ فَارِسٍ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ اِلٰی رُسْتَمَ وَمِھْرَانَ فِیْ مَلَاِ فَارِسٍ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّا نَدْعُوْکُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَبَیْتُمْ فَاَعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَدٍ وَاَنْتُمْ صَاغِرُوْنَ فَاِنْ اَبَیْتُمْ فَاِنَّ مَعِیَ قَوْماً یُحِبُّوْنَ الْقَتْلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَا یُحِبُّ فَارِسُ الْخَمْرَ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی رواہ فی شرح السنۃ.

حضرت ابی وائلؓ کہتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے فارس کے سرداروں کے نام یہ نامہ لکھا تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم خالد بن ولید کی طرف سے رستم اور مہران کے نام جو فارس کی جماعت میں شریک ہیں اس شخص پر سلام جو حق وہدایت کی پیروی کرے اس کے بعد میں تم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں اگر تم اسلام قبول نہ کرو تو جزیہ دو اپنے ہاتھ سے ذلیل

ہو کر اور اگر اس سے بھی انکار کرو۔ تو میرے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو خدا کی راہ میں لڑنے کو یا مارے جانے کو ایسا پسند کرتے ہیں جیسا کہ فارس کے لوگ شراب کو پسند کرتے ہیں اور سلام ہو اس پر جو پیرو ہو ہدایت و حق کا۔ (شرح السنۃ)

کافر معاہدہ پر قائم رہیں تو مسلمان بھی قائم رہیں۔ اگر وہ توبہ کریں تو وہ مسلمانوں کے بھائی ہیں

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَاللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ج فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ط يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ج وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ط اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ○ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ط وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

کیونکر ہووے مشرکوں کے لئے عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک مگر جن لوگوں سے تم نے عہد کیا تھا مسجد حرام کے پاس، سوجب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم ان سے سیدھے رہو، بیشک اللہ کو پسند ہیں احتیاط والے۔ کیونکر رہے صلح اور اگر وہ تم پر قابو پائیں تو نہ لحاظ کریں تمہاری قرابت کا اور نہ عہد کا، تم کو راضی کردیتے ہیں اپنے منہ کی بات سے اور ان کے دل نہیں مانتے، اور اکثر ان میں بد عہد ہیں۔ بیچ ڈالے انہوں نے

اللہ کے حکم تھوڑی قیمت پر پھر روکا اس کے راستہ سے' برے کام ہیں جو وہ لوگ کر رہے ہیں۔ نہیں لحاظ کرتے کسی مسلمان کے حق میں قرابت کا اور نہ عہد کا' اور وہی ہیں زیادتی پر سو اگر توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز اور دیتے رہیں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں حکم شریعت میں' اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں حکموں کو جاننے والے لوگوں کے واسطے۔

تفسیر :

سورہ توبہ کی ابتدائی پانچ آیتوں میں اس کا ذکر تھا کہ فتح مکہ کے بعد مکہ اور اس کے اطراف کے تمام مشرکین و کفار کو جان و مال کا عام امان دے دیا گیا مگر ان کی سابقہ غداری اور عہد شکنی کے تجربہ کی بنا پر آئندہ کے لئے ان سے کوئی معاہدہ نہ کیا جانا طے ہو گیا۔ اس قرار داد کے باوجود جن لوگوں سے کوئی معاہدہ اس سے پہلے ہو چکا تھا اور انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تو ان کا معاہدہ ختم میعاد تک پورا کرنے کے احکام ان آیات میں نازل ہوئے۔ اور جن سے کوئی معاہدہ نہیں تھا یا کسی معین میعاد کا معاہدہ نہیں تھا ان کے ساتھ بھی یہ رعایت کی گئی کہ ان کو فوری طور پر مکہ چھوڑ دینے کے حکم کے بجائے چار مہینہ کی وسیع مہلت دے دی گئی کہ اس عرصہ میں وہ مکہ چھوڑ کر جہاں مناسب سمجھیں سہولت و اطمینان کے ساتھ چلے جائیں۔ یا اگر اسلام کی حقانیت ان پر روشن ہو چکی ہے تو مسلمان ہو جائیں۔ ان احکام کا نتیجہ یہ تھا کہ سال آئندہ تک مکہ مکرمہ سہولت کے ساتھ ان سب غدار مشرکین سے خالی ہو جائے اور چونکہ یہ خالی کرنا بھی کسی انتقامی جذبہ سے نہیں بلکہ مسلسل تجربوں کے بعد اپنی حفاظت کے پیش نظر عمل میں لایا گیا تھا اس لئے ان کی اصلاح و خیر خواہی کا دروازہ اب بھی کھلا رکھا گیا۔ جس کا ذکر چھٹی آیت میں ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو'

آپ کو پناہ دینی چاہئے تاکہ وہ آپ کے قریب آکر اللہ کا کلام سن سکے اور اسلام کی حقانیت کو سمجھ سکے۔ اور صرف یہی نہیں کہ وقتی طور پر اس کو پناہ دے دی جائے بلکہ جب وہ اپنے اس کام سے فارغ ہو جائے تو اپنی حفاظت اور نگرانی میں اس کو اس مقام تک پہنچانا بھی مسلمانوں کے ذمہ ہے جہاں یہ اپنے آپ کو محفوظ و مطمئن سمجھتا ہے۔ آخر آیت میں فرمایا کہ یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ لوگ پوری خبر نہیں رکھتے قریب آکر باخبر ہو سکتے ہیں۔

اس آیت سے بھی چند مسائل اور فوائد حاصل ہوئے جن کو امام ابوبکر جصاص نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

حقانیت اسلام کو دلائل کے ساتھ سمجھانا علماءِ دین کا فرض ہے

اول یہ کہ آیت سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی کافر مسلمانوں سے اس کا مطالبہ کرے کہ مجھے اسلام کی حقانیت دلیل سے سمجھاؤ تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کا مطالبہ پورا کریں۔

دوسرے یہ کہ جو شخص اسلام کی تحقیق اور معلومات حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس آئے تو ہم پر واجب ہے کہ اس کو اجازت دیں اور اس کی حفاظت کریں۔ اس کو کسی قسم کی تکلیف یا نقصان پہنچانا جائز نہیں۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس کے آنے کا مقصد اللہ کا کلام سننا اور اسلام کی تحقیق کرنا ہو اور اگر کوئی دوسری غرض تجارت وغیرہ ہو تو وہ مسلمانوں کے مصالح اور حاکم مسلمین کی صوابدید پر موقوف ہے مناسب سمجھے تو اجازت دے ورنہ اختیار ہے۔

☆☆☆

غیر مسلم جو دار الاسلام کے باشندے نہ ہوں ان کو ضرورت سے زیادہ دار الاسلام میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی جائے

تیسرے یہ کہ غیر مسلم حربی جس کے ساتھ ہمارا کوئی معاہدہ نہ ہو اس کو ضرورت سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ کیونکہ آیت مذکورہ میں پناہ دینے اور ٹھہرنے کی یہ حد مقرر کردی گئی ہے حتیٰ یسمع کلام اللہ یعنی اس کو اپنے یہاں اتنا ٹھہراؤ کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔

چوتھے یہ کہ مسلمان حاکم و امیر کے فرائض میں سے ہے کہ جب کوئی حربی غیر مسلم کسی ضرورت کے بنا پر ہم سے اجازت (ویزا) لے کر ہمارے ملک میں داخل ہو تو اس کے حالات پر نظر رکھے اور جب وہ اپنا کام پورا کر چکے اس کو حفاظت کے ساتھ واپس کردے۔

ساتویں آٹھویں نویں دسویں چار آیتوں میں اس اعلان برأت کی حکمت کا بیان ہے جو سورہ توبہ کی ابتدائی آیات میں ذکر کیا گیا ہے اس آیت میں عہد شکنی کرنے والے مشرکین کی طبعی خست اور مسلمانوں سے بغض و عناد کی شدت کا ذکر کر کے یہ بتلایا گیا ہے کہ ان سے وفاء عہد کی امید رکھنا ہی غلط ہے۔ ارشاد فرمایا کہ بجز چند لوگوں کے جن سے مسجد حرام کے پاس تمہارا معاہدہ ہوا تھا ان مشرکین کا کوئی عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک قابل رعایت کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر ان کو کسی وقت بھی ذرا موقع مل جائے تو وہ تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت داری کی رعایت کریں نہ عہد و پیمان کی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ معاہدہ کرنے کے وقت بھی دل میں اس کے پورا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے بلکہ صرف الفاظ سے تمہیں خوش کرنا چاہتے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق یعنی عہد شکن غدار ہیں۔

کفار کے مقابلہ میں بھی سچائی پر قائم رہنے اور ان کے متعلق مبالغہ آمیزی سے پرہیز کرنے کی تعلیم

قرآن کریم کے اس بیان نے مسلمانوں کو یہ ہدایت دی کہ اپنے دشمن مخالفین کے معاملہ میں بھی جب کوئی گفتگو آئے تو سچائی اور انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، مبالغہ آمیزی سے کام نہ لیں جیسا کہ ان آیات میں مشرکین مکہ کے بارہ میں اس کی پوری رعایت کی گئی ہے کہ اگرچہ معدودے چند لوگوں کے سوا سبھی نے غدر و عہد شکنی کی تھی اور ایسے حالات میں عام طور پر کہنے والے سبھی کو برا کہا کرتے ہیں مگر قرآن کریم نے **الا الذین عاهدتم عند المسجد الحرام** فرما کر ان لوگوں کا استثناء کر دیا جنہوں نے عہد شکنی نہیں کی اور یہ حکم دیا کہ جب تک وہ استقامت اور وفاء عہد پر قائم رہیں تم بھی عہد پر قائم رہو دوسرے لوگوں کی خیانت سے متأثر ہو کر ان کے عہد کو نہ توڑو۔

اس کے بعد عہد شکنی کرنے والوں کا جہاں یہ حال بیان فرمایا کہ ان لوگوں کے دلوں میں شروع ہی سے خیانت تھی وفائے عہد کا ارادہ ہی نہ تھا یہاں بھی **اکثرهم فاسقون** فرما کر اشارہ کر دیا کہ ان میں بھی سب کا یہ حال نہیں بعض شریف لوگ ایسے بھی ہیں جو عہد پر قائم رہنا چاہتے تھے مگر دوسروں کے سامنے ان کی بات نہ چلی۔

یہ وہی مضمون ہے جس کی ہدایت قرآن کریم نے دوسری جگہ صاف لفظوں میں اس طرح دی ہے **لایجرمنکم شنآن قوم ان لا تعدلوا**۔ یعنی کسی قوم کی عداوت تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف کو چھوڑ بیٹھو۔

اس کے بعد نویں آیت میں ان غدار مشرکین کی غداری کی علت اور ان کے مرض کا سبب بیان فرما کر ان کو بھی ایک ہدایت نامہ دے دیا کہ اگر یہ غور کریں تو اپنی

اصلاح کرلیں اور عام مسلمانوں کو بھی متنبہ کردیا کہ جس سبب سے یہ لوگ غدر وخیانت میں مبتلا ہوئے اس سبب سے پورے طور پر پرہیز کو اپنا شعار بنالیں۔ اور وہ سبب ہے حب دنیا کہ دنیا کے مال و متاع کی محبت نے ان کو اندھا کردیا ہے تھوڑے سے پیسوں کے بدلہ میں اللہ کی آیات اور اپنے ایمان کو بیچ ڈالتے ہیں۔ اور ان کا یہ کردار نہایت برا ہے۔

دسویں آیت میں انہیں لوگوں کی انتہائی کجروی کا یہ بیان ہے لا یرقبون فی مؤمن الاً و لا ذمۃً یعنی صرف یہی نہیں کہ ان لوگوں نے عہد کرنے والے مسلمانوں سے غداری کی اور ان کی قرابت اور عہد و پیمان کو پیچھے ڈال دیا بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ کسی مسلمان کے بارہ میں نہ یہ قرابت کی رعایت کرنے والے ہیں نہ کسی عہد و پیمان کی۔

مشرکین کے مذکورہ حالات کا طبعی تقاضا یہ ہوسکتا تھا کہ مسلمان ان سے ہمیشہ کے لئے بیزار ہوجائیں۔ اور کسی حالت میں بھی ان کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ اسی لئے قرآنی عدل وانصاف نے گیارھویں آیت میں یہ ہدایت دے دی۔

فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین۔ یعنی اگر یہ لوگ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اب یہ بھی تمہارے دینی بھائی ہیں۔

اس میں بتلادیا کہ کوئی کیسا ہی دشمن ہو اور کتنی ہی ایذاء اس نے پہنچائی ہو جب وہ مسلمان ہوگیا تو جس طرح اللہ تعالیٰ اس کے سب پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ پچھلے سب معاملات کو دل سے بھلادیں اور آج سے ان کو اپنا دینی بھائی سمجھیں اور برادرانہ تعلق کے حقوق ادا کریں۔

اسلامی برادری میں داخل ہونے کی تین شرطیں

اس آیت نے واضح کر دیا کہ اسلامی برادری میں داخل ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں۔ اول کفر و شرک سے توبہ، دوسرے، نماز تیسرے زکوٰۃ کیونکہ ایمان و توبہ تو ایک امر مخفی ہے جس کی حقیقت کا عام مسلمانوں کو علم نہیں ہو سکتا اس لئے اس کی دو ظاہری علامتوں کو بیان کر دیا گیا، یعنی نماز اور زکوٰۃ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت نے اہل قبلہ مسلمانوں کے خون کو حرام کر دیا، یعنی جو لوگ نماز، زکوٰۃ کے پابند ہوں اور اسلام کے خلاف کوئی قول و فعل ان کا نہ ہو وہ تمام احکام میں مسلمان سمجھے جائیں گے، اگرچہ ان کے دل میں صحیح ایمان نہ ہو، یا نفاق ہو۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں پر جہاد کرنے کے لئے اسی آیت سے استدلال فرما کر صحابہ کرامؓ کو مطمئن کیا تھا۔ (ابن کثیر)

آخر آیت میں معاہدین اور تائبین سے متعلقہ احکام مذکورہ کی پابندی کی تاکید کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ونفصل الاٰیٰت لقوم یعلمون ’’یعنی ہم سمجھدار لوگوں کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں‘‘۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا
اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا
نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ
اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ قَاتِلُوْهُمْ
يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ

مُؤْمِنِيْنَ لا ○ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ط وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ط
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ
وَلِيْجَةً ط وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں عہد کرنے کے بعد اور عیب لگادیں تمہارے دین میں تو لڑو کفر کے سرداروں سے بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں تاکہ وہ باز آویں‘ کیا نہیں ڈرتے ایسے لوگوں سے جو توڑیں اپنی قسمیں اور فکر میں رہیں کہ رسولؐ کو نکال دیں اور انہوں نے پہلے چھیڑ کی تم سے کیا ان سے ڈرتے ہو سو اللہ کا ڈر چاہئے تم کو زیادہ اگر تم ایمان رکھتے ہو‘ لڑو ان سے تا عذاب دے اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں اور رسوا کرے اور تم کو ان پر غالب کرے اور ٹھنڈے کرے دل مسلمان لوگوں کے‘ اور نکالے ان کے دل کی جلن‘ اور اللہ توبہ نصیب کرے گا جس کو چاہے گا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے‘ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور حالانکہ ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا ہے اور نہیں پکڑا انہوں نے سوا اللہ کے اور اس کے رسول کے اور مسلمانوں کے کسی کو بھیدی‘ اور اللہ کو خبر ہے جو تم کر رہے ہو۔

تفسیر :

قریش مکہ جن سے ۶ ھ میں بمقام حدیبیہ ایک معاہدہ التواء جنگ کا ہوا تھا ان کے متعلق سورہ توبہ کی ابتدائی آیتوں میں بطور پیشگوئی کے یہ اطلاع دے دی گئی تھی کہ یہ لوگ اپنے معاہدہ پر قائم نہ رہیں گے‘ جس کا ذکر سورہ توبہ کی ساتویں آیت میں

کیف یکون للمشرکین عهد کے الفاظ میں گذر چکا ہے، اور پھر آٹھویں نویں دسویں آیتوں میں ان کی عہد شکنی کے اسباب کا بیان ہوا، گیارہویں آیت میں اس کا بیان آیا کہ عہد شکنی کے اس جرم عظیم کے بعد بھی اگر یہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور اپنے اسلام کا اظہار نماز روزہ کے ذریعہ کرنے لگیں تو پھر مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کے پچھلے جرائم کا کوئی اثر اپنے معاملات میں باقی نہ رکھیں، بلکہ ان کو اپنا دینی بھائی سمجھیں اور برادرانہ معاملات کریں، مذکورہ بارہویں آیت میں اس کا بیان ہے کہ پیشگوئی کے مطابق جب یہ لوگ عہد شکنی کر ہی ڈالیں تو پھر ان کے ساتھ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔

اس میں ارشاد فرمایا **وان نکثوآ ایمانهم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمة الکفر** "یعنی اگر یہ لوگ اپنے معاہدہ اور قسموں کو توڑ ڈالیں اور مسلمان بھی نہ ہوں بلکہ بدستور تمہارے دین اسلام پر طعن وتشنیع کرتے رہیں تو ان کفر کے پیشواؤں کے ساتھ جنگ کرو"۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ تقاضائے مقام اس جگہ بظاہر یہ تھا کہ **فقاتلوهم** فرمایا جاتا یعنی ان لوگوں سے قتال کرو، قرآن کریم نے اس جگہ مختصر ضمیر استعمال کرنے کے بجائے **فقاتلوا ائمة الکفر** فرمایا، ائمہ، امام کی جمعہ، معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ اپنی عہد شکنی کی وجہ سے کفر کے امام اور قائد ہو کر اس کے مستحق ہو گئے کہ ان سے جنگ کی جائے، اس میں حکم قتال کی علت اور وجہ کا بھی بیان ہو گیا، اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہاں **ائمة الکفر** سے مراد قریش مکہ کے وہ سردار ہیں جو لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے اور جنگی تیاریوں میں لگے رہتے تھے، ان سے جنگ کرنے کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر فرمایا کہ اہل مکہ کی اصل طاقت کا

سرچشمہ یہی لوگ تھے اس کے علاوہ مسلمانوں کی قریبی رشتہ داری بھی انہی لوگوں سے تھی، جس کی وجہ سے اس کا خطرہ ہو سکتا تھا کہ ان کے معاملہ میں کوئی رعایت برتی جائے۔ (مظہری)

دارالاسلام میں غیر مسلم ذمیوں کو اسلام پر علمی تنقید کی تو اجازت ہے مگر طعن و تشنیع کی نہیں

طعنوا فی دینکم' کے لفظ سے بعض حضرات نے اس پر استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں کے دین پر طعن و تشنیع کرنا عہد شکنی کرنے میں داخل ہے، جو شخص اسلام اور شریعت اسلام پر طعنہ زنی کرے وہ مسلمانوں کا معاہد نہیں رہ سکتا، مگر باتفاق فقہاء اس سے مراد وہ طعن و تشنیع ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی اہانت اور تحقیر کے طور پر اعلاناً کی جائے، احکام و مسائل کی تحقیق میں کوئی علمی تنقید کرنا اس سے مستثنیٰ ہے اور لغت میں اس کو طعن و تشنیع کہتے بھی نہیں۔

اس لئے دارالاسلام کے غیر مسلم باشندوں کو علمی تنقید کی تو اجازت دی جا سکتی ہے، مگر اسلام پر طعنہ زنی اور تحقیر و توہین کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

اسی آیت میں فرمایا **انھم لا ایمان لھم** "یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کی قسم کوئی قابل اعتبار قسم نہیں، کیونکہ یہ لوگ قسم توڑنے اور عہد شکنی کرنے کے عادی ہیں، اور اس جمع کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جب انہوں نے اپنی قسم توڑ دی تو اب مسلمانوں پر بھی ان کی قسم اور عہد کی کوئی ذمہ داری نہیں رہی۔

آخر آیت میں ہے **لعلھم ینتھون**، تاکہ وہ باز آجائیں، اس آخری جملہ میں بتلادیا کہ مسلمانوں کی جنگ و جہاد کا مقصد عام دنیا کے لوگون کی طرح دشمن کو ستانا اور جوش انتقام کو فرو کرنا یا عام بادشاہوں کی طرح ملک گیری نہ ہونا چاہیئے، بلکہ ان کی جنگ

کا مقصد دشمنوں کی خیر خواہی اور ہمدردی اور یہ جذبہ ہونا چاہئے کہ وہ لوگ اپنی غلط روش سے باز آجائیں۔

اس کے بعد تیرہویں آیت میں مسلمانوں کو جہاد و قتال کی ترغیب کے لئے فرمایا کہ تم ایسی قوم کے ساتھ جنگ کے لئے کیوں تیار نہ ہوگے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالنے کا منصوبہ بنایا‘ مراد اس سے یہود مدینہ ہیں‘ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے نکالنے کا منصوبہ بنایا تھا‘ اور کہا تھا لیخرجن الاعز منھا الاذل‘ یعنی ایسا ضرور ہوگا کہ عزت و قوت والا کمزور ذلیل کو مدینہ سے نکال دے گا“ ان کے نزدیک عزت والے وہ لوگ تھے اور مسلمانوں کو کمزور ذلیل سمجھتے تھے‘ جس کے جواب میں حق تعالی نے ان کے ہی قول کو اس طرح پورا کر دکھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ان کو مدینہ سے نکال کر یہ ثابت کردیا کہ عزت والے مسلمان ہی ہیں اور کمزور و ذلیل یہود تھے۔

دوسری وجہ ان سے جنگ کرنے کی یہ ارشاد فرمائی وھم بدء و کم اول مرۃ یعنی جنگ و قتال کی پہل انہی لوگوں کی طرف سے ہوئی‘ اب تو صرف مدافعانہ کارروائی ہے‘ جو ہر فطرت سلیمہ کا تقاضا ہے۔

پھر مسلمانوں کے دلوں سے ان لوگوں کا رعب دور کرنے کے لئے فرمایا اتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ‘ یعنی کیا تم لوگ ان سے خوف کھاتے ہو‘ حالانکہ خوف اور ڈرنا صرف اللہ تعالی سے چاہئے“ جس کے عذاب کو کوئی طاقت ٹلا نہیں سکتی‘ آخر میں ان کنتم مؤمنین فرما کر بتلادیا کہ غیر اللہ سے ایسا خوف کھانا جو احکام شرعیہ کی ادائیگی میں حائل ہوسکے کسی مؤمن مسلمان کا کام نہیں۔

چودھویں اور پندرہریں آیت میں بھی مسلمانوں کو جنگ و جہاد کی ترغیب

ایک دوسرے عنوان سے دی گئی ہے، جس میں چند چیزیں بتلائی گئیں۔

اول یہ کہ اگر تم ان سے جنگ کے لئے تیار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے شامل حال ہو گی، اور یہ قوم اپنے اعمال بد کی وجہ سے اللہ کے عذاب کے مستحق تو ہو ہی چکی ہے، مگر ان پر اللہ کا عذاب پچھلی قوموں کی طرح آسمان یا زمین سے نہیں آئے گا، بلکہ **یعذبھم اللہ بایدیکم** یعنی ان کو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے عذاب دیں گے۔"

دوسرے یہ کہ اس جنگ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں کو اس رنج و غم سے شفا عطا فرمائیں جو کفار کی طرف سے ان کو مسلسل پہنچتا رہا ہے۔

تیسرے یہ کہ ان کی غداری اور عہد شکنی کے سبب جو غیظ و غضب مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوا تھا، انہی کے ہاتھوں ان کو عذاب دے کر ان کے غیظ کو دور فرمادیں گے۔

پچھلی آیت **لعلھم ینتھون** فرما کر مسلمانوں کو اس کی ہدایت کی گئی تھی کہ وہ کسی قوم سے اپنا غصہ اتارنے کے لئے نہ لڑیں، بلکہ ان کی اصلاح و ہدایت کو مقصد بنائیں، اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ جب وہ اپنی نیت کو اللہ کے لئے صاف کر لیں اور محض اللہ کے لئے لڑیں تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسی صورتیں بھی پیدا فرما دیں گے کہ ان کے غم و غصہ کا انتقام بھی خود بخود ہو جائے۔

چوتھی چیز یہ ارشاد فرمائی **ویتوب اللہ علیٰ من یشاء** "یعنی ان میں سے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا اس کی توبہ قبول فرما لیں گے۔"

جس سے معلوم ہوا کہ اس جہاد کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ دشمن کی جماعت میں سے بہت سے لوگوں کو اسلام کی توفیق ہو جائے گی، وہ مسلمان ہو جائیں گے، چنانچہ فتح مکہ میں بہت سے سرکش ذلیل و خوار ہوئے اور بہت سے لوگ مشرف باسلام

ہو گئے۔

ان آیات میں جن حالات وواقعات کی خبر بطور پیشگوئی دی گئی ہے تاریخ شاہد ہے کہ وہ سب ایک ایک کر کے اسی طرح مشاہدہ میں آئے جس طرح قرآن حکیم نے خبر دی تھی، اس لئے یہ آیات بہت سے معجزات پر مشتمل ہیں۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ط اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ج وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ O اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ O

مشرکوں کا کام نہیں کہ آباد کریں اللہ کی مسجدیں اور تسلیم کر رہے ہوں اپنے اوپر کفر کو وہ لوگ خراب گئے ان کے عمل اور آگ میں رہیں گے وہ ہمیشہ۔ وہی آباد کرتا ہے مسجدیں اللہ کی جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور قائم کیا نماز کو اور دیتا رہا زکوۃ اور نہ ڈرا سوائے اللہ کے کسی سے سو امیدوار ہیں وہ لوگ کہ ہوویں ہدایت والوں میں۔

معارف و مسائل

پچھلی آیات میں مشرکین مکہ کی کج روی، عہد شکنی اور اپنے دین باطل کے لئے ہر طرح کی کوشش کا اور اس کے مقابلہ پر مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب کا بیان آیا تھا، آیات مذکورہ میں مسلمانوں کو جہاد کی تاکید کے ساتھ یہ بتلایا گیا ہے کہ جنگ و جہاد ہی وہ چیز ہے جس میں مسلمان کا امتحان ہوتا ہے، مخلص مسلمان اور منافق یا ضعیف الایمان کا نیاز ہوتا ہے، اور یہ امتحان ضروری ہے۔

سولھویں آیت میں ارشاد فرمایا کہ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم صرف کلمہ اسلام زبان سے کہہ لینے اور اسلام کا دعویٰ کر لینے پر آزاد چھوڑ دیئے جاؤ گے، جب تک اللہ تعالیٰ ظاہری طور پر بھی ان سچے اور پکے مسلمانوں کو نہ دیکھ لیں جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں، اور جو اللہ اور رسولؐ اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا رازدار دوست نہیں بناتے۔

اسی آیت میں ان عام لوگوں کو خطاب ہے جو مسلمان سمجھے جاتے تھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض منافق بھی تھے اور بعض ضعیف الایمان اور مذبذب تھے۔ ایسے ہی لوگوں کا یہ حال تھا کہ اپنے غیر مسلم دوستوں کو مسلمانوں کے راز اور اسرار پر مطلع کر دیا کرتے تھے۔ اس لئے اس آیت میں مخلص مسلمان کی دو علامتیں بتلا دی گئیں۔

مخلص مسلمان کی دو علامتیں:

اول یہ کہ اللہ کے واسطے کفار سے جہاد کریں، دوسرے یہ کہ کسی غیر مسلم کو اپنا رازدار، دوست نہ بنائیں آخر آیت میں فرمایا واللہ خبیر بما تعملون۔ یعنی تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہیں۔ ان کے آگے کسی کا حیلہ و تاویل نہیں چل سکتی۔

یہی مضمون قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے، احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون۔ "یعنی کیا لوگوں نے یوں سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف زبانی اپنے آپ کو مؤمن کہنے پر آزاد چھوڑ دیئے جائیں گے، اور ان کا کوئی امتحان نہ لیا جائے گا۔"

کسی غیر مسلم کو ہمراز دوست بنانا درست نہیں

آیت مذکورہ میں جو لفظ ولیجۃ آیا ہے اس کے معنی دخیل اور بھیدی کے ہیں، اور ایک دوسری آیت میں اسی معنی کے لئے لفظ بطانۃ استعمال کیا گیا ہے، بطانہ کے اصلی معنی

اس کپڑے کے ہیں جو دوسرے کپڑوں کے نیچے بطن اور بدن کیساتھ متصل ہو۔ مراد اس سے ایسا آدمی ہے جو اندر کے رازوں سے واقف ہو' اس آیت کے الفاظ یہ ہیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالاً

”اے ایمان والو! اپنے مسلمانوں کے سوا کسی کو ہمراز اور بھیدی دوست نہ بناؤ وہ تمہیں دھوکہ دے کر برباد کرنے میں کوئی کسر نہ رکھیں گے“۔

اس کے بعد سترہویں اور اٹھارہویں آیتوں میں مسجد حرام اور دوسری مساجد کو عبادات باطلہ سے پاک کرنے اور صحیح و مقبول طریقہ پر عبادت کرنے کی ہدایت ہیں۔

اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم نے بیت اللہ اور مسجد حرام سے ان تمام بتوں کو نکال ڈالا جن کی مشرکین عبادت کیا کرتے تھے' اسی طرح حسی طور پر تو مسجد حرام بتوں سے پاک ہو گئی' لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدیم دشمنوں پر غالب آنے کے بعد سب کو معافی اور امان دے دیا تھا' اور وہ مشرکین اب بھی بیت اللہ اور حرم محرم میں عبادت وطواف وغیرہ اپنے باطل طریقوں پر کیا کرتے تھے۔

اب ضرورت اس بات کی تھی کہ جس طرح مسجد حرام کو بتوں سے پاک کر دیا گیا' اسی طرح بت پرستی اور اس کے تمام باطل طریقوں سے بھی اس مقدس زمین کو پاک کیا جائے' اور اس سے پاک کرنے کی ظاہری صورت یہی تھی کہ مشرکین کا داخلہ مسجد حرام میں ممنوع قرار دے دیا جائے لیکن یہ اس دیئے ہوئے امان کے خلاف ہوتا' اور معاہدہ کی پابندی اسلام میں ان سب چیزوں سے مقدم اور اہم تھی' اس لئے فوری طور پر ایسے احکام نہیں دیئے گئے بلکہ فتح مکہ سے اگلے ہی سال میں رسول کریم

صلی اللہ علیہ سلم نے حضرت صدیق اکبرؓ اور علی مرتضیٰؓ کے ذریعہ منیٰ اور عرفات کے عام اجتماع میں یہ اعلان کرادیا کہ آئندہ کوئی مشرکانہ طرز کی عبادت اور حج و طواف وغیرہ حرم میں نہ ہو سکے گی، اور جاہلیت میں جو ننگے ہو کر طواف کرنے کی رسم بد چل پڑی تھی آئندہ اس حرکت کی اجازت نہ دی جائے گی، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے منیٰ کے اجتماع عام میں اس کا اعلان کر دیا کہ:

لَا يَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.

"یعنی اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا، اور کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف نہ کر سکے گا"۔

اور یہ سال بھر کی مہلت اس لیے دے دی گئی کہ ان میں بہت سے وہ لوگ بھی تھے جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ تھا اور وہ ابھی تک معاہدہ پر قائم تھے، میعاد معاہدہ پورا ہونے سے پہلے ان کو کسی نئے قانون کا پابند کرنا اسلامی رواداری کے خلاف تھا، اس لئے ایک سال پہلے سے یہ اعلان جاری کر دیا گیا کہ حرم محترم کو مشرکانہ عبادات اور رسوم سے پاک کرنا طے کر دیا گیا ہے کیونکہ اس قسم کی عبادت در حقیقت عبادت اور مسجد کی آبادی نہیں بلکہ ویرانی ہے۔

یہ مشرکین مکہ اپنی مشرکانہ رسوم کو عبادت اور مسجد حرام کی عمارت و آبادی کا نام دیتی اور اس پر فخر کیا کرتے تھے، کہ ہم بیت اللہ اور مسجد حرام کے متولی اور اس کی عمارت کے ذمہ دار ہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؓ جب سلام لانے سے پہلے غزوہ بدر میں گرفتار ہوئے اور مسلمانوں نے ان کو کفر و شرک پر نائم رہنے سے عار دلائی، تو انہوں نے جواب دیا کہ تم لوگ صرف ہماری برائیاں یاد کھتے ہو اور بھلائیوں کا کوئی ذکر نہیں کرتے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم بیت اللہ اور

مسجد حرام کو آباد رکھے اور اس کا انتظام کرنے اور حجاج کو پانی پلانے وغیرہ کی خدمات کے متولی بھی ہیں‘ اس پر قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں‘ ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ یعنی مشرکین کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مساجد کی تعمیر کریں‘ کیونکہ مسجد صرف وہی جگہ ہے جو ایک اللہ وحدہ کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہے شرک وکفر اس کی ضد ہے‘ وہ عمارت مسجد کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

عمارت مسجد کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے کئی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے‘ ایک ظاہری در و دیوار کی تعمیر‘ دوسرے مسجد کی حفاظت اور صفائی اور ضروریات کا انتظام‘ تیسری عادت کے لئے مسجد میں حاضر ہونا‘ عمرہ کو عمرہ اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ اس میں بیت اللہ کی زیارت اور عبادت کے لئے حاضری ہوتی ہے۔

مشرکین مکہ تینوں معنی کے اعتبار سے اپنے آپ کو معمار بیت اللہ اور عمارت مسجد حرام کا ذمہ دار سمجھتے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے‘ ان آیات میں اللہ تعالی نے واضح فرمادیا کہ مشرکین کو اللہ کی مساجد کی عمارت کا کوئی حق نہیں جبکہ وہ خود اپنے کفر و شرک کے گواہ ہیں‘ ان لوگوں کے اعمال خبط اور ضائع ہو گئے اور وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے۔

خود اپنے کفر و شرک کی گواہی کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اپنے مشرکانہ افعال و اعمال کے سبب گویا خود اپنے کفر و شرک کی گواہی دے رہے ہیں‘ اور یا یہ کہ عادۃً جب کسی نصرانی یا یہودی سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو؟ تو وہ اپنے آپ کو نصرانی یا یہودی کہتا ہے‘ اسی طرح مجوس اور بت پرست اپنے کافرانہ ناموں ہی سے اپنا تعارف کراتے ہیں‘ یہی ان کے کفر و شرک کا اعتراف اور شہادت ہے۔ (ابن کثیر)

اس آیت میں عمارت مسجد کا منفی پہلو بیان کیا گیا تھا کہ مشرکین اس کے اہل

نہیں ہیں۔ دوسری آیت میں عمارت مسجد کا مثبت پہلو اس طرح ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ۔ ”

یعنی مسجدوں کو آباد کرنا انہی لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر یمان لاویں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور بجز اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈریں سو ایسے لوگوں کے متعلق توقع ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے“۔

مطلب یہ ہے کہ مساجد کی اصلی عمارت صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے احکام الٰہی کے پابند ہوں، اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز زکوٰۃ کے پابند ہوں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں، اس جگہ صرف اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان کا ذکر کیا گیا۔ رسولؐ پر ایمان کے ذکر کرنے کی اس لئے ضرورت نہ سمجھی گئی کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی کوئی صورت بجز اس کے ہو ہی نہیں سکتی کہ رسول پر ایمان لائے۔ اور اس کے ذریعہ جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئیں ان کو دل سے قبول کرے، اس لئے ایمان باللہ میں ایمان بالرسول فطری طور پر داخل ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ اللہ پر ایمان کیا چیز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور رسولؐ ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اللہ پر ایمان یہ ہے کہ آدمی دل سے اس کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں، اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اس حدیث نے بتلا دیا کہ رسول پر ایمان لانا اللہ پر ایمان لانے میں داخل اور شامل ہے۔ (مظہری بحوالہ صحیحین)

اور یہ جو ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے، اس کے معنی یہ ہیں کہ دین کے معاملہ میں کسی کے خوف سے اللہ کے حکم کو ترک نہ کرے، ورنہ خوف کی چیزوں سے ڈرنا اور دہشت کھانا تو تقاضائے عقل و فطرت ہے، درندے اور زہریلے جانوروں سے چور ڈاکو سے طبعی طور پر ڈرنا اس کے خلاف نہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب جادوگروں نے رسیوں کے سانپ بنا کر دکھلائے تو وہ ڈر گئے، "اوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ" اس لئے ایذاء اور نقصان پہنچانے والوں سے طبعی خوف نہ حکم قرآنی کے خلاف ہے، نہ رسالت اور ولایت کے ہاں اس خوف سے مغلوب ہو کر کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں خلل ڈالنا یا ان کو ترک کر دینا یہ مؤمن کی شان نہیں، یہی اس جگہ مراد ہے۔

بعض مسائل متعلقہ آیت :

اور عمارت مسجد اس کے متعلق ان آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ مشرک کافر نہیں کر سکتے بلکہ وہ صرف نیک صالح مسلمان ہی کا کام ہے، اس سے مراد مساجد کی تولیت اور نظامی ذمہ داری ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کافر کو کسی اسلامی وقف کا متولی اور منتظم بنانا جائز نہیں، باقی رہا ظاہری در و دیوار وغیرہ کی تعمیر سو اس میں کسی غیر مسلم سے بھی کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ (تفسیر مراغی)

اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر مسجد بنا دے یا مسجد بنانے کے لئے مسلمانوں کو چندہ دے دے تو اس کا قبول کر لینا بھی اس شرط سے جائز ہے کہ اس سے کسی دینی یا دنیوی نقصان یا الزام کا یا آئندہ اس پر قبضہ کر لینے کا یا احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو۔ (رد المحتار، شامی، مراغی)

اور اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ مساجد کی عمارت اور آبادی صرف نیک مسلمان ہی کا کام ہے' اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو شخص مساجد کی حفاظت' صفائی' اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا ہے' اور جو عبادت اور ذکر اللہ کے لئے یا علم دین اور قرآن پڑھنے پڑھانے کے لئے مسجد میں آتا جاتا ہے اس کے یہ اعمال اس کے مؤمن کامل ہونے کی شہادت ہے۔

امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بروایت ابو سعید خدریؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کی حاضری کا پابند ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انما یعمر مسٰجد اللہ من امن باللہ۔

اور صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح و شام مسجد میں حاضر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا ایک درجہ تیار فرما دیتے ہیں۔

اور حضرت سلمان فارسیؓ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں آیا وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والا مہمان ہے۔ اور میزبان پر حق ہے کہ مہمان کا اکرام کرے۔ (مظہری بحوالہ طبرانی' ابن جریرؒ بیہقی وغیرہ)

مفسر القرآن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ عمارت مسجد میں یہ بھی داخل ہے کہ مسجد کو ایسی چیزوں سے پاک کرے جن کے لئے مسجدیں نہیں بنائی گئیں' مثلاً خرید و فروخت دنیا کی باتیں' کسی گم شدہ چیز کی تلاش یا دنیا کی چیزوں کا لوگوں سے سوال' یا فضول قسم کے اشعار' جھگڑا' لڑائی اور شور و شغب وغیرہ۔ (مظہری)

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ O اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ لا اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْفَآئِزُوْنَ O يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا
نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ O خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ O يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ
عَلَى الْاِيْمَانِ ط وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O

کیا تم نے کر دیا حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام کا بسانا برابر اس کے جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر، اور لڑا اللہ کی راہ میں یہ برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک اور اللہ رستہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو، جو ایمان لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے ان کے لئے بڑا درجہ ہے اللہ کے ہاں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ خوش خبری دیتا ہے ان کو پروردگار ان کا اپنی طرف سے مہربانی کی اور رضامندی کی اور باغوں کی کہ جن میں ان کو آرام ہے ہمیشہ کا، رہا کریں ان میں مدام، بے شک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے، اے ایمان والو مت پکڑو اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو رفیق اگر وہ عزیز رکھیں کفر کو ایمان سے، اور جو تم میں ان کی رفاقت کرے سو وہی لوگ ہیں گنہگار۔

تفسیر:

شروع کی چار آیتیں ۱۹ سے ۲۲ تک ایک خاص واقعہ سے متعلق ہیں، وہ یہ کہ

Marifat.com

بہت سے مشرکین مکہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اس پر فخر کیا کرتے تھے کہ ہم مسجد حرام کی آبادی اور حجاج کو پانی پلانے کا انتظام کرتے ہیں' اس سے بڑھ کر کسی کا کوئی عمل نہیں ہو سکتا' اسلام لانے سے پہلے جب حضرت عباسؓ غزوہ بدر میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کی قید میں آئے' اور ان کے مسلم عزیزوں نے ان کو اس پر ملامت کی کہ آپ نعمت ایمان سے محروم ہیں تو انہوں نے بھی یہی کہا تھا کہ آپ لوگ ایمان و ہجرت کو اپنا بڑا سرمایہ فضیلت سمجھتے ہیں' مگر ہم بھی تو مسجد حرام کی عمارت اور حجاج کو پانی پلانے کی اہم خدمات کے متولی ہیں جن کی برابر کسی کا عمل نہیں ہو سکتا' اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (ابن کثیر بروایت علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس)

اور مسند عبدالرزاق کی بعض روایات میں ہے کہ حضرت عباسؓ کے مسلمان ہو جانے کے بعد طلحہ بن شیبہ اور حضرت عباس اور علی کرم اللہ وجہہ کے آپس میں گفتگو ہو رہی تھی' طلحہ نے کہا کہ مجھے وہ فضیلت حاصل ہے جو تم میں سے کسی کو حاصل نہیں' کہ بیت اللہ کی چابی میرے ہاتھ میں ہے۔ میں اگر چاہوں تو بیت اللہ کے اندر جا کر رات گذار سکتا ہوں' حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ میں حجاج کو پانی پلانے کا متولی اور منتظم ہوں' اور مسجد حرام میں میرے اختیارات ہیں' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ حضرات کس چیز پر فخر کر رہے ہیں میرا حال تو یہ ہے کہ میں نے سب لوگوں سے چھ مہینہ پہلے بیت اللہ کی طرف نمازیں پڑھی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک رہا ہوں' اس پر یہ آیات نازل ہوئیں' جن میں واضح کر دیا گیا کہ کوئی عمل کتنا ہی اعلیٰ و افضل ہو ایمان کے بغیر اللہ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں' اور نہ حالت شرک میں ایسے اعمال کا کرنے والا اللہ کے نزدیک مقبول ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ واقعہ منقول ہے کہ وہ ایک روز جمعہ کے دن مسجد نبویؐ میں چند حضرات صحابہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس جمع تھے، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ اسلام و ایمان کے بعد میرے نزدیک حجاج کو پانی پلانے سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں، اور مجھے اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے عمل کی پروا نہیں۔ ایک دوسرے صاحب نے ان کے جواب میں کہا کہ نہیں، اللہ کی راہ میں جہاد سب سے بڑا عمل ہے، ان دونوں میں بحث ہونے لگی، تو حضرت فاروق اعظمؓ نے دونوں کو ڈانٹ کر کہا کہ منبر نبویؐ کے پاس شور و شغب نہ کرو، مناسب بات یہ ہے کہ جمع کی نماز پڑھنے کے بعد یہ بات خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلو، اس تجویز کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں جہاد کو عمارت مسجد حرام اور سقایۃ حجاج سے افضل عمل بتلایا گیا۔

اور اس میں کوئی بعد نہیں کہ اصل آیات کا نزول تو مشرکین کے فخر و تکبر کے جواب میں ہوا ہو، پھر اس کے بعد جو واقعات مسلمانوں کے باہم پیش آئے ان میں بھی انہی آیات کو استدلال کے لئے پیش کیا گیا ہو جس سے سننے والوں کو یہ محسوس ہوا کہ یہ آیات اس واقعہ میں نازل ہوئیں۔

بہر حال آیات مذکورہ میں دونوں قسم کے واقعات کا یہ جواب ہے کہ شرک کے ساتھ تو کوئی عمل کتنا ہی بڑا ہو مقبول اور قابل ذکر ہی نہیں، اس لیے کسی مشرک کو عمارت مسجد، یا سقایۃ حجاج کی وجہ سے کوئی فضیلت و بزرگی مسلمانوں کے مقابلہ میں حاصل نہیں ہو سکتی، اور ایمان کے بعد بھی ایمان و جہاد کا درجہ بہ نسبت عمارت مسجد حرام اور سقایۃ الحجاج کے بہت زیادہ ہے، جو مسلمان ایمان و جہاد میں مقدم رہے وہ ان

مسلمانوں سے افضل ہیں جنہوں نے جہاد میں شرکت نہیں کی، صرف مسجد حرام کی تعمیر اور حجاج کے پانی پلانے کی خدمت انجام دیتے رہے۔

اس تمہید کے بعد آیات مذکورہ کے الفاظ اور ترجمہ پر پھر ایک نظر ڈالئے، ارشاد فرمایا کہ کیا تم نے حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے برابر قرار دیا جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو، اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو، یہ لوگ برابر نہیں اللہ کے نزدیک۔

بقرینہ سیاق مقصود یہ ہے کہ ایمان اور جہاد میں سے ہر ایک افضل ہے، سقایۃ الحجاج اور عمارت مسجد سے، یعنی ایمان بھی دونوں سے افضل ہے، اور جہاد بھی، ایمان کے افضل ہونے سے مشرکین کی بات کا جواب ہو گیا، اور جہاد کے افضل ہونے سے ان مسلمانوں کی بات کا جواب ہو گیا جو عمارت مسجد اور سقایۃ حجاج کو جہاد سے افضل کہتے ہیں۔

ذکر اللہ جہاد سے افضل ہے:

تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت میں جو عمارت مسجد پر جہاد کو فضیلت اور ترجیح دی گئی ہے یہ عمارت کے ظاہری معنی کی رو سے ہے یعنی مسجد کی تعمیر اور ضروری انتظامات کہ جہاد کا ان کے مقابلہ میں افضل ہونا مسلم ہے۔

لیکن عمارت مسجد کے ایک دوسرے معنی عبادت اور ذکر اللہ کے لئے مسجد میں حاضری کے بھی آتے ہیں، اور در حقیقت مسجد کی اصلی عمارت و آبادی اسی سے ہے، اس معنی کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات کی بناء پر عمارت مسجد جہاد سے افضل و اعلیٰ ہے جیسا کہ مسند احمد اور ترمذی، ابن ماجہ میں حضرت

ابوالدرداءؓ کی روایت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسا عمل بتلاؤں جو تمہارے تمام اعمال سے بہتر اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ افضل ہو‘ اور تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا اور سونے چاندی کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بھی افضل ہو‘ اور اس سے بھی افضل ہو کہ تم جہاد میں دشمن سے سخت مقابلہ کرو جس میں تم ان کو قتل کرو وہ تمہیں قتل کریں‘ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ وہ عمل ضرور بتلایئے‘ آپ نے فرمایا کہ وہ عمل ذکر اللہ ہے‘ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کی فضیلت جہاد سے بھی زیادہ ہے‘ اور عمارت مسجد جب بمعنی ذکر اللہ لی جائے تو وہ بھی جہاد سے افضل ہے‘ مگر اس جگہ مشرکین کا فخر وغرور ظاہر ہے کہ ذکر اللہ اور عبادت کی بناء پر نہ تھا بلکہ ظاہری تعمیر اور انتظامات کی بناء پر تھا‘ اس لئے جہاد کو اس سے افضل قرار دیا گیا۔

اور قرآن وسنت کے مجموعی ارشادات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عمل کا دوسرے عمل سے افضل واعلیٰ ہونا حالات وواقعات کے تابع ہوتا ہے‘ بعض حالات میں ایک عمل دوسرے سے افضل ہوتا ہے‘ اور حالات بدلنے کے بعد معاملہ اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے‘ جس وقت اسلام اور مسلمانوں سے دفاع کی ضرورت شدید ہو اس وقت یقیناً جہاد تمام عبادات سے افضل ہوگا‘ جیسا کہ غزوہ خندق میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہو جانے کے واقعہ سے ظاہر ہے‘ اور جس وقت ایسی شدید ضرورت نہ ہو تو ذکر اللہ اور عبادت بمقابلہ جہاد کے افضل ہوگا۔

آخر آیت میں **واللہ لا یھدی القوم الظٰلمین** فرما کر یہ بتلا دیا کہ یہ کوئی دقیق اور باریک بات نہیں بلکہ بالکل واضح ہے کہ ایمان سارے اعمال کی بنیاد اور ان سب سے افضل ہے‘ اور یہ کہ جہاد بہ نسبت عمارت مسجد اور سقایۃ الحجاج کے افضل ہے‘ مگر

اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو سمجھ نہیں دیتا' اس لیے وہ ایسی کھلی اور ظاہری باتوں میں بھی کج بحثی کرتے رہتے ہیں۔

بیسویں آیت میں اس مضمون کی تفصیل ہے جو پہلی آیت میں **لایستون** کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے' یعنی ایمان لانے والے مجاہد اور صرف عمارت مسجد اور سقایۃ حجاج کرنے والے اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں' اس میں ارشاد فرمایا: **الذین امنوا وھاجروا وجٰھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃً عنداللہ واولئک ھم الفائزون** ط "یعنی وہ لوگ وایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنی جان ومال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا' وہ اللہ کے نزدیک درجہ میں بڑے ہیں' اور پورے کامیاب یہی لوگ ہیں"۔

کیونکہ ان کے مقابلہ میں جو مشرک ہیں ان کو تو کامیابی کا کوئی درجہ ہی حاصل نہیں' اور جو مسلمان ہیں اگرچہ نفس کامیابی میں وہ بھی شریک ہیں' مگر ان کی کامیابی ان سے بڑھی ہوئی ہے۔ اس لئے پورے کامیاب یہی لوگ ہیں۔

اکیسویں اور بائیسویں آیتوں میں ان کامیاب لوگوں کے اجر عظیم اور درجات آخرت کا بیان ہے **یبشرھم ربھم برحمۃ منه ورضوان وجنٰت لھم فیھا نعیم مقیم خٰلدین فیھا ابداً ان اللہ عندہ اجر عظیم** ط "یعنی ان لوگوں کو ان کا پروردگار خوش خبری سناتا ہے اپنی رحمت اور رضا کی اور ایسی جنتوں کی جن میں ان کے لئے ہمیشہ قائم رہنے والی نعمتیں ہوں گی اور یہ لوگ بھی ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے' ان کو یہاں سے کبھی نہ نکالا جائے گا بیشک اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے"۔

آیات مذکورہ میں ہجرت اور جہاد کے فضائل کا بیان آیا ہے' جن میں وطن اور اعزا واقارب اور احباب واصحاب اور اموال واملاک سب کو چھوڑنا پڑتا ہے' اور ظاہر ہے

کہ انسان کی طبیعت پر یہ کام سب سے زیادہ شاق اور دشوار ہیں' اس لئے اگلی آیت میں ان چیزوں کے ساتھ حد سے زیادہ تعلق اور محبت کی مذمت فرما کر مسلمانوں کے ذہنوں کو ہجرت و جہاد کے لئے آمادہ کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: **یایها الذین امنوا لا تتخذوا اباء کم واخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علیٰ الایمان ومن یتولهم منکم فاولئك هم الظلمون ط**

> ''یعنی اے ایمان والو تم اپنے باپ دادا اور بھائیوں کو رفیق مت بناؤ' اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے عزیز رکھیں' اور تم میں سے جو شخص ان کے ساتھ باوجود ان کے کفر کے رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں''۔

ماں باپ بھائی بہن اور تمام رشتہ داروں سے تعلق کو مضبوط رکھنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے' مگر اس آیت میں یہ بتلادیا کہ ہر تعلق کی ایک حد ہے' ان میں سے ہر تعلق خواہ ماں باپ اور اولاد کا ہو' یا حقیقی بھائی بہن کا' اللہ اور اس کے رسولؐ کے تعلق کے مقابلہ میں نظر انداز کرنے کے قابل ہے' جس موقع پر یہ دونوں رشتے ٹکرا جائیں' تو پھر رشتہ و تعلق اللہ و رسولؐ کا ہی قائم رکھنا ہے' اس کے مقابلہ میں سارے تعلقات سے قطع نظر کرنا ہے۔

آیات مذکورہ کے متعلق چند فوائد اور مسائل :

مذکورہ پانچ آیتوں سے چند فوائد اور مسائل حاصل ہوئے۔

اول یہ کہ ایمان روح عمل ہے' اس کے بغیر کیسا ہی اچھا عمل ہو وہ صرف صورت بے جان اور ناقابل قبول ہے' نجات آخرت میں اس کی کوئی قیمت نہیں' ہاں اللہ تعالیٰ کے یہاں بے انصافی نہیں' کافروں کے ایسے بے روح اعمال حسنہ بھی بالکل

ضائع نہیں کیے جاتے' ان کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں آرام و عیش اور دولت و راحت دے کر بے باق کر دیا جاتا ہے' جس کا بیان قرآن کریم کی متعدد آیات میں آیا ہے۔

دوسرا فائدہ ان آیات سے یہ حاصل ہوا کہ معصیت و نافرمانی سے انسان کی عقل بھی خراب ہو جاتی ہے اچھے کو برا اور برے کو اچھا سمجھنے لگتا ہے' انیسویں آیت کے آخر میں ان اللہ لا یھدی القوم الظلمین' فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا ہے جیسا کہ اس کے بالمقابل ایک آیت میں ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقاناً فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اطاعت و تقویٰ سے انسان کی عقل کو جلا ہوتی ہے' سلامت فکر نصیب ہوتی ہے' وہ اچھے برے کی تمیز میں غلطی نہیں کرتا۔

تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ نیک اعمال میں بھی باہمی تفاضل ہے' اور اسی کی مناسبت سے عمل کرنے والوں کے درجات میں تفاضل قائم ہوتا ہے' سب عمل کرنے والے ایک درجہ میں نہیں رکھے جا سکتے' اور مدار کثرت عمل پر نہیں بلکہ حسن عمل پر ہے۔ سورہ ملک میں آیا ہے: لیبلوکم ایکم احسن عملاً ط ''یعنی اللہ تعالی تمہاری آزمائش کریں گے' کہ کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے''۔

چوتھا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ راحت و نعمت کے دائمی رہنے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں' ایک یہ کہ وہ نعمتیں کسی وقت ختم نہ ہو جائیں' دوسرے یہ کہ کسی وقت ان لوگوں کو ان نعمتوں سے جدا نہ کیا جائے' اس لئے اللہ کے مقبول بندوں کے لئے دونوں چیزوں کی ضمانت دے دی گئی' نعیم مقیم فرما کر نعمتوں کا دائمی ہونا بیان فرما دیا' اور خلدین فیھا ابداً فرما کر ان لوگوں کو کبھی ان نعمتوں سے الگ نہ کرنے کا اطمینان دلا دیا۔

اصل رشتہ اسلام وایمان کا رشتہ ہے نسبی ووطنی تعلقات سب اس پر قربان کرنے ہیں

پانچواں مسئلہ ایک بنیادی مسئلہ ہے کہ رشتہ داری اور دوستی کے سارے تعلقات پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق مقدم ہے، جو تعلق اس سے ٹکرائے وہ توڑنے کے قابل ہے، صحابہ کرامؓ کا وہ عمل جس کی وجہ سے وہ سارے امت سے افضل واعلیٰ قرار پائے یہی چیز تھی کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان ومال اور ہر رشتہ و تعلق کو قربان کر کے زبان حال سے کہا ؎

تو نخل خوش ثمر کیستی کہ سرو و سمن
ہمہ زخویش بریدند و باتو پیوستند

بلال حبشی، صہیب رومی، سلمانؓ فارسی اور قریش مکہ انصار مدینہ توسب آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور بدر واحد کے میدانوں میں باپ بیٹے، بھائی بھائی کی تلواریں آپس میں ٹکرا کر اس کی شہادت دی کہ ان کا مسلک یہ تھا کہ ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تنِ بیگانہ کاشنا باشد

اللھم ارزقنا اتباعھم واجعل حبك احب الأشياء الينا وخشيتك اخوف الاشياء عندنا۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ

فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ O

تو کہہ دے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو پسند کرتے ہو تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور لڑنے سے اس کی راہ میں تو انتظار کرو یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم' اور اللہ راستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔

تفسیر :

سورہ توبہ کی یہ آیت دراصل ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے مکہ سے ہجرت فرض ہونے کے وقت ہجرت نہیں کی' ماں' باپ' بھائی' بہن' اولاد اور بیوی اور مال و جائداد کی محبت نے ان کو فریضہ ہجرت ادا کرنے سے روک دیا' ان کے بارے میں حق تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ اپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ :

> اگر تمہارے باپ' تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر ہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں' اور اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا"۔

اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ "منتظر ہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں" امام تفسیر مجاہدؒ نے فرمایا کہ حکم سے مراد جہاد و قتال اور فتح مکہ کا حکم ہے' اور مطلب

یہ ہے کہ اس وقت دنیاوی تعلقات پر اللہ و رسولؐ کے تعلقات کے قربان کرنے والوں کا انجام بد عنقریب سامنے آنے والا ہے‘ جبکہ مکہ فتح ہو گا‘ اور نافرمانی کرنے والے ذلیل و خوار ہوں گے‘ اور ان کے یہ تعلقات اس وقت ان کے کام نہ آئیں گے۔

اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس جگہ حکم سے مراد حکم عذاب ہے‘ کہ دینوی تعلقات پر اُخروی تعلقات کو قربان کر کے ہجرت نہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا حکم عذاب عنقریب آنے والا ہے یا تو دنیا ہی میں ان پر عذاب آئے گا ورنہ آخرت کا عذاب تو یقینی ہے‘ آیت میں اس جگہ مقصود تو ترک ہجرت پر وعید ہے‘ مگر ذکر بجائے ہجرت کے جہاد کا کیا گیا‘ جو ہجرت کے بعد کا اگلا قدم ہے‘ اس میں اشارہ کر دیا گیا کہ ابھی تو صرف ہجرت اور ترک وطن ہی کا حکم ہوا ہے‘ اس میں کچھ لوگ ہمت ہار بیٹھے‘ آگے جہاد کا حکم آنے والا ہے‘ جس میں اللہ اور رسولؐ کی محبت پر ساری محبتوں کو اور خود اپنی جان کو قربان کرنا پڑتا ہے‘ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس جگہ ہجرت ہی کو جہاد سے تعبیر کر دیا ہو کیونکہ وہ بھی حقیقت میں جہاد ہی کا ایک شعبہ ہے۔

اور آخر آیت میں واللہ لا یھدی القوم الفٰسقین فرما کر یہ بھی بتلا دیا کہ جو لوگ حکم ہجرت کے باوجود اپنے دینوی تعلقات کو ترجیح دے کر اپنے خویش و عزیز اور مال و مکان سے چمٹے رہے‘ ان کا یہ عمل دنیا میں بھی ان کے لئے مفید نہیں ہو گا‘ اور ان کا یہ مقصد حاصل نہیں ہو گا کہ ہمیشہ اپنے اہل و عیال اور مال و مکان میں امن و چین سے بیٹھی رہیں‘ بلکہ حکم جہاد شروع ہوتے ہی یہ سب چیزیں ان کے لئے وبال جان بن جائیں گی‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتے۔

مسائل متعلقہ ہجرت:

اول جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرض کر دی گئی تو وہ صرف ایک

فرض ہی نہیں بلکہ مسلمان ہونے کی علامت بھی تھی' جو باوجود قدرت کے ہجرت نہ کرے وہ مسلمان نہ سمجھا جاتا تھا' یہ حکم فتح مکہ کے بعد منسوخ ہو گیا' اور اصل حکم یہ باقی رہ گیا کہ جس زمین پر انسان کو اللہ کے احکام نماز روزہ وغیرہ کی تعمیل ممکن نہ ہو اس سے ہجرت کرنا ہمیشہ کے لیے فرض ہے' بشرطیکہ ہجرت پر قدرت ہو۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی ہر ایسی جگہ کو چھوڑ دے جہاں فسق وفجور کا غلبہ ہو یہ ہمیشہ کے لئے مستحب ہے (تفصیل فتح الباری میں ہے)

آیت مذکورہ میں براہ راست تو خطاب ان لوگوں سے ہے جنہوں نے ہجرت فرض ہونے کے وقت دینوی تعلقات کی محبت سے مغلوب ہو کر ہجرت نہیں کی' لیکن الفاظ آیت کا عموم تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس درجہ ہونا لازم وواجب ہے کہ دوسرا کوئی تعلق اور کوئی محبت اس پر غالب نہ آئے' اور جس نے اس درجے کی محبت پیدا نہ کی وہ مستحق عذاب ہو گیا' اس کو عذاب الٰہی کا منتظر رہنا چاہئے۔

سچا ایمان اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ اللہ اور رسولؐ کی محبت ساری دنیا اور خود اپنی جان سے بھی زیادہ ہو :

اسی لئے ایک صحیح حدیث میں جو صحیحین میں بروایت انسؓ منقول ہے' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ' اور اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اور ابوداؤد' ترمذی میں براویت ابو امامہؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی سے دوستی کی تو اللہ کے لئے کی اور دشمنی کی تو وہ بھی اللہ

ہی کے لئے کی اور مال کو خرچ کیا تو وہ بھی اللہ کے لئے، اور کسی جگہ خرچ کرنے سے رکا تو وہ بھی اللہ کے لئے، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

ان روایات حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ ایمان کی تکمیل اس پر موقوف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سب محبتوں پر غالب ہو، اور انسان کی دوستی دشمنی، دینا یا نہ دینا سب حکم خدا اور رسولؐ کے تابع ہو۔

امام تفسیر قاضی بیضاوی وغیرہ نے فرمایا کہ بہت کم لوگ ہیں جو اس آیت کی وعید سے مستثنیٰ ہوں، کیونکہ عام طور پر بڑے سے بڑے عابد و زاہد اور عالم و متقی بھی اہل و عیال اور مال و متاع کی محبت سے مغلوب نظر آتے ہیں، الا ماشاء اللہ، مگر ساتھ ہی قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ محبت سے مراد اس جگہ اختیاری محبت ہے، غیر اختیاری اور طبعی محبت مراد نہیں، کیونکہ اللہ تعالی کسی انسان کو اس کی طاقت و اختیار سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، اس لئے اگر کسی شخص کا دل ان دینوی تعلقات کی طبعی محبت سے لبریز ہو مگر ان سے اتنا مغلوب نہ ہو کہ اللہ و رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی کی پروانہ کرے، تو وہ بھی اس وعید سے خارج اور اللہ و رسولؐ کی محبت کو غالب رکھنے والا ہے، جیسے کوئی بیمار دوا کی تلخی یا آپریشن کی تکلیف سے طبعاً گھبراتا ہے، مگر عقلاً اس کو اپنی نجات و سلامتی کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کرتا ہے۔ تو وہ کسی کے نزدیک قابل ملامت نہیں، اور نہ کوئی عقل سلیم اس کو اس پر مجبور کرتی ہے، کہ طبعی اور غیر اختیاری گھبراہٹ اور کراہت کو بھی دل سے نکال دے اسی طرح اگر کسی کو مال و اولاد وغیرہ کی محبت کے سبب بعض احکام الٰہیہ کی تعمیل میں غیر اختیاری طور پر تکلیف محسوس ہو، مگر اس کے باوجود وہ اس تکلیف کو برداشت کر کے احکام الٰہیہ بجا لائے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں، بلکہ قابل تحسین ہے اور اللہ و رسولؐ کی محبت کو اس آیت کے مطابق غالب رکھنے والا

کہلائے گا۔

ہاں اس میں شبہ نہیں کہ محبت کا اعلیٰ مقام یہی ہے کہ محبت طبیعت پر بھی غالب آجائے، اور محبوب کے حکم کی تعمیل کی لذت ہر تلخی و تکلیف کو بھی لذیذ بنادے جیسا دنیا کی فانی لذت و راحت کے طلبگاروں کو رات دن دیکھا جاتا ہے، کہ بڑی سے بڑی محنت و مشقت کو ہنس کھیل کر اختیار کر لیتے ہیں، کسی دفتر کی ملازمت میں مہینہ کے ختم پر ملنے والے چند سکوں کی محبت انسان کی نیند، آرام اور سارے تعلقات پر ایسی غالب آجاتی ہے کہ اس کے پیچھے ہزاروں مشقتوں کو بڑی کوششوں سفارشوں اور رشوتوں کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔

رنج و راحت شد چو مطلب شد بزرگ
گرد گلہ توتیائے چشم گرگ

اللہ والوں کو یہ مقام اللہ و رسولؐ اور نعمائے آخرت کی محبت میں ایسا ہی حاصل ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی تکلیف تکلیف نظر نہیں آتی، صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں پائی جاویں تو اس کو ایمان کی حلاوت حاصل ہو جاتی ہے، وہ تین خصلتیں یہ ہیں، ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسولؐ اس کے نزدیک ان کے ماسوائے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو، دوسرے یہ کہ وہ کسی اللہ کے بندے سے صرف اللہ ہی کے لئے محبت رکھے، تیسرے یہ کہ کفر و شرک اس کو آگ میں ڈالے جانے کے برابر محسوس ہو۔

اس حدیث میں حلاوت ایمان سے مراد محبت کا یہی مقام ہے جو انسان کے لئے ہر مشقت و محنت کو لذیذ بنادیتا ہے۔ از محبت تلخہا شیریں شود، اسی مقام کے متعلق بعض علماء نے فرمایا ہے۔

وَاِذَا حَلّتِ الحَلَاوَۃُ قَلْباً
نَشطَتْ فِی الْعِبَادَۃِ الْاَعْضَاءُ

"یعنی جب کسی دل میں حلاوت ایمان پیدا ہو جاتی ہے، تو عبادت واطاعت میں اس کے اعضاء لذت پانے لگتے ہیں"۔

اسی کو بعض روایات میں بشاشت ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے، اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ محبت خدا اور رسول کا یہ مقام ایک نعمت کبریٰ ہے، مگر وہ صرف اللہ والوں کی صحبت ومعیت ہی سے حاصل ہوتی ہے، اسی لئے صوفیائے کرام اس کو خدمت مشائخ سے حاصل کرنا ضروری قرار دیتے ہیں، صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہ مقام خلت اسی کو حاصل ہوتا ہے جو خلیل اللہ کی طرح اپنے مال واولاد اور جان کو اللہ کی محبت میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو

خلیل آسا در ملک یقین زن
نوائے لا احب الآفلین زن

قاضی بیضاویؒ نے فرمایا کہ رسول للہ صلی للہ علیہ وسلم کی سنت وشریعت کی حفاظت اور اس میں رخنے ڈالنے والوں کی مدافعت بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک کھلا نشان ہے، رزقنا اللہ تعالیٰ وجمیع المسلمین حبہ و حب رسولہ کما یحب ویرضاہ۔

غزوۂ حنین میں بھی مسلمانوں کو فتح عظیم نصیب ہوئی

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ O ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط وَ ذٰلِكَ
جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ O ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O

مدد کر چکا ہے اللہ تمہاری بہت میدانوں میں اور حنین کے دن، جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت پر پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے پھر ہٹ گئے تم پیٹھ دے کر، پھر اتاری اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور اتاریں فوجیں کہ جن کو تم نے نہیں دیکھا اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے منکروں کی۔ پھر توبہ نصیب کرے گا اللہ اس کے بعد جس کو چاہے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر:

آیات مذکورہ میں غزوہ حنین کے واقعات شکست و فتح کا اور ان کے ضمن میں بہت سے اصولی اور فروعی مسائل اور فوائد کا بیان ہے، جیسا کہ اس سے پہلی سورت میں فتح مکہ اور اس کے متعلقات کا ذکر تھا، شروع آیت میں حق تعالی نے اپنے اس انعام و احسان کا ذکر فرمایا ہے جو مسلمانوں پر ہر موقع اور ہر حالت میں مبذول رہا ہے، ارشاد فرمایا:

لقد نصر کم اللہ فی مواطن کثیرۃ "یعنی اللہ تعالی نے تمہاری مدد فرمائی بہت سے مقامات میں" اور اس تمہید کے بعد خصوصیت کے ساتھ فرمایا ویوم حنین "یعنی غزوہ حنین کے دن بھی اللہ تعالی کی مدد پہنچی"۔

غزوہ حنین کی خصوصیت اس وجہ سے فرمائی ہے کہ اس میں بہت سے واقعات اور حالات خلاف توقع عجیب انداز سے ظاہر ہوئے، جن میں غور کرنے سے انسان کے ایمان میں قوت اور عمل میں ہمت پیدا ہوتی ہے، اس لیے آیات مذکورہ کی لفظی تفسیر سے پہلے اس غزوہ کے ضروری واقعات جو حدیث و تاریخ کی مستند کتابوں میں مذکور ہیں کسی قدر تفصیل سے بیان کر دینا مناسب ہے، تاکہ آیات مذکورہ کے سمجھنے میں آسانی ہو اور جن فوائد کے لئے یہ واقعات بیان فرمائے گئے ہیں وہ سامنے آجائیں، ان واقعات کا بیشتر حصہ تفسیر مظہری سے لیا گیا ہے، جس میں بحوالہ کتب حدیث و تاریخ واقعات کا ذکر ہے۔

حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے، جو مکہ مکرمہ سے دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر واقع ہے۔ رمضان ۸ھ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور قریش مکہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے، تو عرب کا ایک بہت بڑا مشہور بہادر جنگجو اور مالدار قبیلہ ہوازن جس کی ایک شاخ طائف کے رہنے والے بنو ثقیف بھی تھے، ان میں ہلچل مچ گئی، انہوں نے جمع ہو کر یہ کہنا شروع کیا، "کہ مکہ فتح ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہو گئی ہے، اس سے فارغ ہونے کے بعد لازمی ہے کہ ان کا رخ ہماری طرف ہو گا، اس لئے دانشمندی کی بات یہ ہے کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہم خود ان پر حملہ کر دیں، اس کام کے لئے قبیلہ ہوازن نے اپنی سب شاخوں کو جو مکہ سے طائف تک پھیلی ہوئی تھیں جمع کر لیا، اس قبیلہ کے سب بڑے چھوٹے بجز معدودے چند افراد کے جن کی تعداد سو سے بھی کم تھی، سب ہی جمع ہو گئی۔

اس تحریک کے لیڈر مالک بن عوف تھے، جو بعد میں مسلمان ہو گئے، اور

اسلام کے بڑے علمبردار ثابت ہوئے، اس وقت مسلمانوں کے خلاف حملہ کا سب سے زیادہ جوش انہی میں تھا، قبیلہ کی عظیم اکثریت نے ان کی رائے سے اتفاق کر کے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، اس قبیلہ کی چھوٹی چھوٹی دو شاخیں بنو کعب اور بنو کلاب اس رائے سے متفق نہیں ہوئی، اللہ تعالی نے ان کو کچھ بصیرت دے دی تھی، انہوں نے کہا کہ اگر مشرق سے مغرب تک ساری دنیا بھی محمدؐ کے خلاف جمع ہو جائے گی تو وہ ان سب پر بھی غالب آئیں گے ہم خدائی طاقت کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے، باقی سب کے سب نے معاہدے کئے، اور مالک ابن عوف نے ان سب کو پوری قوت سے جنگ پر قائم رہنے کی ایک تدبیر یہ کی کہ ہر شخص کے تمام اہل و عیال بھی ساتھ چلیں، اور اپنا اپنا پورا مال بھی ساتھ لے کر نکلیں، جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ میدان سے بھاگنے لگیں تو بیوی بچوں اور مال کی محبت ان کے پاؤں کی زنجیر بن جائے، میدان سے گریز کا ان کے لئے کوئی موقع نہ رہے، ان کی تعداد کے بارے میں اہل تاریخ کے مختلف اقوال ہیں۔ حافظ حدیث علامہ ابن حجر وغیرہ نے راجح اس کو قرار دیا ہے کہ چوبیس یا اٹھائیس ہزار کا مجمع تھا اور بعض حضرات نے چار ہزار کی تعداد بیان کی ہے، یہ ممکن ہے کہ سب اہل و عیال عورتوں بچوں سمیت تعداد چوبیس یا اٹھائیس ہزار ہو، اور لڑنے والے جوان ان میں چار ہزار ہوں۔

بہر حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں ان کے خطرناک عزائم کی اطلاع ملی تو آپؐ نے ان کے مقابلہ پر جانے کا عزم فرمالیا، مکہ مکرمہ پر حضرت عتابؓ بن اسید کو امیر بنایا، اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو ان کے ساتھ لوگوں کو اسلامی تعلیمات سکھانے کے لئے چھوڑا، اور قریش مکہ سے اسلحہ اور سامان جنگ عاریت کے طور پر مانگا، صفوان بن امیہ جو قریش کا سردار تھا بول اٹھا کہ کیا آپ یہ سامان جنگ ہم سے

غصب کر کے لینا چاہتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ عاریت کے طور پر لیتے ہیں جس کی واپسی ہمارے ذمہ ہو گی، یہ سن کر اس نے سو زرہیں مستعار دیں اور نوفل بن حارث نے تین ہزار نیزے اسی طرح پیش کر دیئے امام زہریؒ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چودہ ہزار صحابہ کا لشکر لے کر اس جہاد کی طرف متوجہ ہوئے جن میں بارہ ہزار انصار مدینہ تھے جو فتح مکہ کے لئے آپ کے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار وہ مسلمان تھے جو مکہ اور اطراف مکہ کے لوگوں میں سے بوقت فتح مسلمان ہو گئے تھے، جن کو طلقاء کہا جاتا ہے، شوال کی چھٹی تاریخ ہفتہ کے دن آپؐ اس غزوہ کے لئے نکلے، اور فرمایا کہ کل انشاء اللہ ہمارا قیام خیف بنی کنانہ کے اس مقام پر ہو گا، جہاں جمع ہو کر قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ کے لئے عہد نامہ لکھا تھا۔

یہ چودہ ہزار مجاہدین کا لشکر تو جہاد کے لئے نکلا، ان کے ساتھ مکہ کے بے شمار لوگ مرد و عورت تماشائی بن کر نکلے، جن کے دلوں میں عموماً یہ تھا کہ اگر اس موقع پر مسلمانوں کو شکست ہو تو ہمیں بھی اپنا انتقام لینے کا موقع ملے گا، اور یہ کامیاب ہوں تو بھی ہمارا کوئی نقصان نہیں۔

اسی قسم کے لوگوں میں ایک شیبہ بن عثمان بھی تھے جنہوں نے بعد میں مسلمان ہو کر خود اپنا واقعہ بیان کیا کے غزوۂ بدر میں میرا باپ حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے اور چچا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا جس کا جوش انتقام اور انتہائی غیض میرے دل میں تھا۔ میں اس موقع کو غنیمت جان کر مسلمانوں کے ساتھ ہو لیا کہ جب کبھی موقع پاؤں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کروں، میں ان کے ساتھ ہو کر ہر وقت موقع کی تلاش میں رہا، یہاں تک کہ اس جہاد کے ابتدائی وقت میں،

جب کچھ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے اور وہ بھاگنے لگے تو میں موقع پا کر حضورؐ کے قریب پہنچا، مگر دیکھا کہ داہنی طرف حضرت عباسؓ آپؐ کی حفاظت کر رہے ہیں، اور بائیں طرف ابوسفیان ابن حارث، اس لئے میں پیچھے کی طرف پہنچ کر ارادہ ہی کر رہا تھا کہ یکبارگی تلوار سے آپ پر حملہ کر دوں کہ یکایک آپؐ کی نظر مجھ پر پڑی اور آپؐ نے مجھے آواز دی کہ شیبہ یہاں آؤ، اپنے قریب بلا کر دست مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا، اور دعا کی کہ یا اللہ اس سے شیطان کو دور کر دے، اب جو میں نظر اٹھاتا ہوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل میں اپنے آنکھ، کان اور جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ کفار کا مقابلہ کرو، اب تو میرا یہ حال تھا کہ میں اپنی جان آپ پر قربان کر رہا تھا، اور بڑی بے جگری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جہاد سے واپس آئے تو میں خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے میرے دل کے تمام خیالات کی نشاندہی کر دی، کہ تم مکہ سے اس نیت پر چلے تھے، اور میرے گرد میرے قتل کے لئے گھوم رہے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ تم سے نیک کام لینے کا تھا جو ہو کر رہا۔

اسی طرح کا واقعہ نضر بن حارث کو پیش آیا کہ وہ بھی اسی نیت سے حنین گئے تھے، وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رسول کریم صلی اللہ عایہ وسلم کی معصومیت اور محبت ڈال دی، اور ایک مرد مجاہد بن کر دشمنوں کی صفوں سے ٹکرا گئے۔

اسی سفر میں ابوبردہ بن دینارؓ کو یہ واقعہ پیش آیا کہ مقام اوطاس پر پہنچ کر دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف رکھتے ہیں، اور ایک اور شخص آپ کے پاس بیٹھا ہے۔ آپؐ نے ذکر فرمایا کہ میں سو گیا تھا۔ یہ شخص آیا اور اس نے میری تلوار اپنے قبضہ میں لے کر میرے سر پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے محمدؐ! اب

بتلاؤ تمہیں کون میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ بچا سکتا ہے۔ یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی، ابوبردہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اجازت دیجئے کہ میں اس دشمن خدا کی گردن مار دوں، یہ دشمن قوم کا جاسوس معلوم ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبردہ خاموش رہو اللہ تعالی میری حفاظت کرنے والا ہے۔ جب تک کہ میرا دین سارے دینوں پر غالب نہ آجائے، اور آپؐ نے اس شخص کو کوئی ملامت بھی نہ فرمائی۔ اور آزاد چھوڑ دیا۔

مقام حنین پر پہنچ کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت سہیل بن حنظلہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ خبر لے کر حاضر ہوئے کہ گھوڑے سوار آدمی ابھی دشمن کی طرف سے آیا ہے وہ بتلا رہا ہے کہ قبیلہ ہوازن پورا کا پورا مع اپنے سب سامان کے مقابلہ پر آگیا ہے، آنحضرتؐ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور کہا کہ پروانہ کرو یہ سارا سامان مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن کر ہاتھ آئے گا۔

اس جگہ ٹھہر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن حداد کو جاسوس بنا کر بھیجا کہ دشمن کے حالات کا پتہ چلائیں، وہ ان کی قوم میں جا کر دو دن رہے، سب حالات دیکھتے سنتے رہے، ان کے لیڈر اور کمانڈر مالک بن عوف کو دیکھا کہ وہ اپنے لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ محمدؐ کو اب تک کسی بہادر تجربہ کار قوم سے سابقہ نہیں پڑا، مکہ کے بھولے بھالے قریشیوں کا مقابلہ کر کے انہیں اپنی طاقت کا زعم ہو گیا، اب ان کو پتہ لگے گا، تم سب لوگ صبح ہوتے ہی اس طرح صف بندی کرو کہ ہر ایک کے پیچھے اس کے بیوی بچے اور مال ہو، اور اپنی تلواروں کی میانوں کو توڑ ڈالو، اور سب مل کر یکبارگی حملہ بولو، یہ لوگ جنگ کے بڑے تجربہ کار تھے، اپنی فوج کے چند دستوں کو مختلف گھاٹیوں میں چھپا دیا تھا۔

اس طرف کفار کے لشکر کی یہ تیاریاں تھیں، دوسری طرف مسلمانوں کا یہ پہلا جہاد تھا، جس میں چودہ ہزار سپاہی مقابلہ کے لئے نکلے تھے، اور سامان جنگ بھی ہمیشہ سے زیادہ تھا، اور یہ لوگ بدر و احد کے میدانوں میں یہ دیکھ چکے تھے کہ صرف تین سو تیرہ بے سامان لوگوں نے ایک ہزار کے لشکر جرار پر فتح پائی، تو آج اپنی کثرت اور تیاری پر نظر کر کے حاکم اور بزار کی روایت کے مطابق ان میں سے بعض کی زبان سے ایسے کلمات نکل گئے کہ آج تو یہ ممکن نہیں کہ ہم کسی سے مغلوب ہو جائیں آج تو مقابلہ کی دیر ہے کہ دشمن فوراً بھاگے گا۔

مالک الملک والملکوت کو یہی چیز ناپسند تھی کہ اپنی طاقت پر کوئی بھروسہ کیا جائے، چنانچہ مسلمانوں کو اس کا سبق اس طرح ملا کہ جب قبیلہ ہوازن نے قرارداد کے مطابق یکبارگی ہلہ بولا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چار طرف سے گھیر ڈال دیا، گرد و غبار نے دن کو رات بنا دیا تو صحابہ کرام کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنے لگے، صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے تھے اور بہت تھوڑے سے صحابہ کرام جن کی تعداد تین سو اور بعض نے ایک سو یا اس سے بھی کم بتلائی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمے رہے، وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ آپؐ آگے نہ بڑھیں۔

یہ حالت دیکھ کر آپؐ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ کو پکارو کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے جہاد کی بیعت کی تھی، اور سورہ بقرہ والے حضرات کہاں ہیں، اور وہ انصار کہاں ہیں جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا، سب کو چاہئے کہ واپس آئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہیں۔

حضرت عباسؓ کی ایک آواز بجلی کی طرح دوڑ گئی، اور یکایک سب بھاگنے والوں کو پشیمانی ہوئی اور بڑی دلیری کے ساتھ لوٹ کر دشمن کا پورا مقابلہ کیا اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد بھیج دی، ان کا کمانڈر مالک بن عوف اپنے اہل وعیال اور سب مال کو چھوڑ کر بھاگا اور طائف کے قلعہ میں جا چھپا، اور پھر باقی پوری قوم بھاگ کھڑی ہوئی، ان کے ستر سردار مارے گئے بعض مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ بچے زخمی ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ان کا سب مال مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، چھ ہزار جنگی قیدی چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی ہاتھ آئی۔

پہلی اور دوسری آیت میں اسی مضمون کا بیان ہے، ارشاد فرمایا کہ جب تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلی نازل فرمائی اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور ایسے لشکر فرشتوں کے نازل کر دیئے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو تمہارے ہاتھ سے سزا دلوا دی۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ثم انزل اللہ سکینته علیٰ رسوله وعلی المؤمنین "یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر اور سب مسلمانوں پر اپنی تسلی نازل فرمادی"۔

معنی اس کے یہ ہیں کہ غزوہ حنین کے ابتدائی ہلہ میں جن صحابہ کرام کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر اپنی تسلی نازل فرمادی، جس سے ان کے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور بھاگنے والے پھر لوٹ آئے اور رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان صحابہ پر جو مضبوطی کے ساتھ محاذ پر جمے رہے تسلی نازل فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنی فتح قریب نظر آنے لگی، اور چونکہ تسلی کی یہ دو قسمیں تھیں ایک بھاگنے والوں کے لئے دوسری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمے رہنے والوں کے لئے، اسی طرف اشارہ کرنے کے لئے **علیٰ رسوله و علی المؤمنین** کو علیحدہ علیحدہ تکرار علیٰ کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا **وانزل جنوداً لم تروها**، یعنی ایسے لشکر نازل فرمادیئے جن کو تم نے نہیں دیکھا، اس سے مراد عام طور پر لوگوں کا نہ دیکھنا ہے، احاد وافراد سے جو بعض روایتوں میں اس لشکر کا دیکھنا منقول ہے وہ اس کے منافی نہیں۔

پھر فرمایا **وعذب الذین کفروا وذٰلك جزاء الکٰفرین** "یعنی کافروں کو اللہ تعالی نے سزا دے دی اور کافروں کی یہی سزا ہے" اس سزا سے مراد ان کا مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح اور مغلوب ہونا ہے۔ جو واضح طور پر مشاہدہ میں آیا، مطلب یہ ہے کہ یہ دنیاوی سزا تھی، جو فوری طور پر مل گئی۔ آگے آخرت کے معاملہ کا ذکر بعد کی آیت میں اس طرح آیا ہے۔

ثم یتوب اللہ من بعد ذٰلك علیٰ من یشاء واللہ غفور رحیم "یعنی پھر خدا تعالی جس کو چاہیں توبہ نصیب کردیں، اور اللہ تعالی بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں"۔

اس میں اشارہ ہے کہ اس جہاد میں جن لوگوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب اور مفتوح ہونے کی سزا مل چکی ہے، اور ابھی تک وہ اپنے کفر پر قائم ہیں، ان میں سے بھی کچھ لوگوں کو توفیق ایمان نصیب ہوگی، چنانچہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا جس

کی تفصیل یہ ہے :

حنین کی فتح، اور ہوازن وثقیف کے سرداروں کا مسلمان ہو کر حاضر ہونا قیدیوں کی واپسی

حنین میں قبیلہ ہوازن وثقیف کے کچھ سردار مارے گئے، کچھ بھاگ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ جو ان کے اہل وعیال اور اموال تھے وہ مسلمانوں کے قیدی اور مال غنیمت بن کر مسلمانوں کے ہاتھ آئے جس میں چھ ہزار قیدی چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں، اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی، جس کے تقریباً چار من ہوتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سفیان بن حرب کو اموال غنیمت کا نگران مقرر فرمایا۔

پھر شکست خوردہ ہوازن اور ثقیف نے مختلف مقامات پر مسلمانوں کے خلاف اجتماع کیا مگر ہر مقام پر ان کی شکست ہوتی گئی، وہ سخت مرعوب ہو کر طائف کے نہایت مستحکم قلعہ میں قلعہ بند ہو گئے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ بیس روز اس قلعہ کا محاصرہ کیا، یہ قلعہ بند دشمن اندر ہی سے تیر برساتے رہے، سامنے آنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان لوگوں کے لئے بد دعاء فرمائیے، مگر آپ نے ان کے لئے ہدایت کی دعاء فرمائی اور بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ فرما کر واپسی کا قصد فرمایا، اور مقام جعرانہ پر پہنچ کر ارادہ فرمایا کہ پہلے مکہ معظمہ جا کر عمرہ ادا کریں، پھر مدینہ طیبہ کو واپسی ہو، مکہ والوں کی بڑی تعداد جو تماشائی بن کر مسلمانوں کی فتح وشکست کا امتحان کرنے آئی تھی، اس جگہ پہنچ کر ان میں سے بہت لوگوں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

اسی مقام پر پہنچ کر مال غنیمت کی تقسیم کا انتظام کیا گیا تھا، ابھی اموال غنیمت

تقسیم ہو ہی رہے تھے کہ دفعتہً ہوازن کے چودہ سرداروں کا ایک وفد زہیر بن صرد کی قیادت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی چچا ابویرقان بھی تھے' انہوں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں' اور یہ درخواست کی کہ ہمارے اہل وعیال اور اموال ہمیں واپس دے دیئے جائیں' اس درخواست میں عرض کیا گیا یارسول اللہؐ ہم بسلسلہ رضاعت آپؐ کے خویش وعزیز ہیں' اور جو مصیبت ہم پر پڑی ہے وہ آپؐ سے مخفی نہیں' آپؐ ہم پر احسان فرمائیں۔ رئیس وفد ایک شاعر آدمی تھا اس نے کہا کہ یا رسول اللہ اگر ہم بادشاہ روم یا شاہ عراق سے اپنی ایسی مصیبت کے پیش نظر کوئی درخواست کرتے تو ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ بھی ہماری درخواست کو رد نہ کرتے اور آپؐ کو تو اللہ تعالی نے اخلاق فاضلہ میں سب سے زیادہ ممتاز فرمایا ہے آپؐ سے ہم بڑی امید لے کر آئے ہیں۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ موقع دوہری مشکل کا تھا' کہ ایک طرف ان لوگوں پر رحم وکرم کا تقاضا یہ کہ ان کے سب قیدی اور اموال ان کو واپس کر دیئے جائیں' دوسری طرف یہ کہ اموال غنیمت میں تمام مجاہدین کا حق ہوتا ہے' ان سب کو ان کے حق سے محروم کر دینا از روئے انصاف درست نہیں' اس لئے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں فرمایا۔

میرے ساتھ کس قدر مسلمانوں کا لشکر ہے' جو ان اموال کے حق دار ہیں' میں سچی اور صاف بات کو پسند کرتا ہوں اس لئے آپ لوگوں کو اختیار دیتا ہوں کہ یا تو اپنے قیدی واپس لے لو یا اموال غنیمت ان دونوں میں جس کو تم انتخاب کرو وہ تمہیں دے دیئے جائیں گے' سب نے قیدیوں کی واپسی کو اختیار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے تمام صحابہ کو جمع فرما کر ایک خطبہ دیا جس میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ :

"یہ تمہارے بھائی تائب ہو کر آ گئے ہیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو واپس دے دیئے جائیں" "تم میں سے جو لوگ خوش دلی کے ساتھ اپنا حصہ واپس دینے کے لئے تیار ہوں وہ احسان کریں اور جو اس کے لئے تیار نہ ہوں تو ہم ان کو آئندہ اموال فئے میں سے اس کا بدلہ دے دیں گے"۔

حقوق کے معاملہ میں رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے عوامی جلسوں کی آوازیں کافی نہیں ہر ایک سے علیحدہ رائے معلوم کرنا چاہئے :

مختلف اطراف سے یہ آوازا ٹھی کہ ہم خوش دلی کے ساتھ سب قیدی واپس کرنے کے لئے تیار ہیں، مگر عدل وانصاف اور حقوق کے معاملہ میں احتیاط کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی مختلف آوازوں کو کافی نہ سمجھا، اور فرمایا کہ میں نہ نہیں جانتا کہ کون لوگ اپنا حق چھوڑنے کے لئے خوش دلی سے تیار ہوئے اور کون ایسے ہیں جو شرما شرمی خاموش رہے، معاملہ لوگوں کے حقوق کا ہے، اس لئے ایسا کیا جائے کہ ہر جماعت اور خاندان کے سردار اپنی اپنی جماعت کے لوگوں سے الگ الگ صحیح بات معلوم کر کے مجھے بتائیں۔

اس کے مطابق سرداروں نے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ اجازت حاصل کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ سب لوگ خوش دلی سے اپنا حق چھوڑنے کے لئے تیار ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب قیدی ان کو واپس کر دیئے۔

یہی وہ لوگ تھے جن کے تائب ہونے کی طرف مذکورہ تیسری آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے ثم یتوب اللہ من بعد ذٰلک الایۃ، غزوہ حنین میں پیش آنے والے واقعات کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس کا کچھ حصہ تو خود قرآن کریم میں مذکور ہے اور باقی مستند روایات حدیث سے لیا گیا ہے۔ (مظہری وابن کثیر) .

احکام و مسائل :

ان واقعات کے ضمن میں بہت سے احکام وہدایات اور ضمنی فوائد آئے ہیں، وہی ان واقعات کے بیان کرنے کا اصل مقصد ہیں۔

آیات مذکورہ میں سب سے پہلی ہدایت تو یہ دی گئی کہ مسلمانوں کو کسی وقت بھی اپنی جمعیت اور طاقت پر غرہ نہ ہونا چاہئے جس طرح کمزوری اور بے سامانی کے وقت ان کی نظر اللہ تعالی کی نصرت وامداد پر رہتی ہے اسی طرح قوت و طاقت کے وقت بھی ان کا مکمل اعتماد صرف اللہ تعالی کی امداد ہی پر ہونا چاہئے۔

غزوہ حنین میں مسلمانوں کی تعدادی کثرت اور سامان حرب کے کافی ہونے کی وجہ سے بعض صحابہ کرام کی زبان پر جو بڑا بول آگیا تھا کہ آج تو کسی کی مجال نہیں جو ہم سے بازی لے جاسکے، اللہ تعالی کو اپنی اس محبوب جماعت کی زبان سے ایسے کلمات پسند نہ آئے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدائی حملہ کے وقت مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنے لگے، پھر اللہ تعالی ہی کی غیبی امداد سے یہ میدان فتح ہوا۔

مفتوح و مغلوب کفار کے اموال میں عدل وانصاف اور احتیاط :

دوسری ہدایت اس واقعہ سے یہ حاصل ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے لئے مکہ کے مفتوح غیر مسلموں سے جو سامان جنگ زرہیں اور نیزے لئے تھے یہ ایسا موقع تھا کہ ان سے زبردستی بھی یہ چیزیں لی جاسکتی تھیں مگر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے عاریت کہہ کر لیا اور پھر سب کو ان کی مستعار چیزیں واپس کر دیں۔

اس واقعہ نے مسلمانوں کو دشمنوں کے ساتھ بھی پورے عدل وانصاف اور رحم وکرم کے معاملہ کا سبق دیا۔

تیسری ہدایت اس ارشاد نبویؐ سے حاصل ہوئی جس میں حنین کی طرف جاتے ہوئے خیف بن کنانہ میں قیام کے وقت فرمایا کہ کل ہم ایسے مقام پر قیام کریں گے جس میں بیٹھ کر ہمارے دشمن قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ کی قرار داد پر معاہدہ کیا تھا' اس میں اشارہ ہے کہ جب مسلمانوں کو حق تعالی نے فتح وقوت عطا فرمادی تو اپنے پچھلے مصیبت کے دور کو نہ بھلادیں' تاکہ اللہ تعالی کا شکر ادا ہو سکے' ہوازن کے شکست خوردہ لوگوں کے بار بار حملہ آور ہونے اور تیر برسانے کے جواب میں رحمۃ للعالمین کی زبان مبارک سے بد دعاء کے بجائے ان کے لئے ہدایت کی دعاء مسلمانوں کو یہ سبق دے رہی ہے کہ مسلمانوں کی جنگ وجہاد کا مقصد صرف دشمن کو زیر کرنا نہیں' بلکہ ان کو ہدایت پر لانا ہے' اس لئے اس کی کوشش سے کسی وقت غفلت نہ ہونی چاہئے۔

تیسری آیت نے یہ ہدایت کر دی کہ جو کفار مقابلہ میں مغلوب ہو جائیں ان سے بھی مایوس نہ ہوں کہ شاید اللہ تعالی ان کو پھر اسلام وایمان کی ہدایت دے دیں جیسا کہ وفد ہوازن کے واقعہ اسلام سے ثابت ہوا۔

وفد ہوازن کی درخواست پر ان کے جنگی قیدیوں کی واپسی کے وقت جب صحابہ کرام کے مجمع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا اور مجمع کی طرف سے یہ آوازیں آئیں کہ ہم سب ان کی واپسی کے لئے خوشدلی سے رضامند ہیں' تو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کافی نہ سمجھا بلکہ جدا جدا ہر ایک کی اجازت معلوم کرنے کا اہتمام فرمایا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حقوق کے معاملہ میں جب تک خوش دلی کا اطمینان نہ ہو جائے کسی کا حق لینا جائز نہیں‘ مجمع کے رعب یا لوگوں کی شرم سے کسی کا خاموش رہنا رضامندی کے لئے کافی نہیں‘ اسی سے حضرات فقہاء نے فرمایا ہے کہ کسی شخص پر اپنی وجاہت کا رعب ڈال کر کسی دینی مقصد کے لئے چندہ کرنا بھی درست نہیں‘ کیونکہ ایسے حالات میں بہت سے شریف آدمی محض شرما شرمی کچھ دے دیتے ہیں‘ پوری رضامندی نہیں ہوتی‘ اس طرح کے مال میں برکت بھی نہیں ہوتی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۗءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ O

اے ایمان والو مشرک جو ہیں سو پلید ہیں سو نزدیک نہ آنے پاویں مسجد الحرام کے اس برس کے بعد اور اگر تم ڈرتے ہو فقر سے تو آئندہ غنی کر دے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے‘ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

تفسیر :

سورہ توبہ کے شروع میں کفار و مشرکین سے اعلان برأت کیا گیا تھا‘ مذکورۃ الصدر آیت میں اس اعلان برأت سے متعلقہ احکام کا ذکر ہے‘ اعلان برأت کا حاصل یہ تھا کہ سال بھر کے عرصہ میں تمام کفار کے معاہدات ختم یا پورے کر دیئے جائیں‘ اور اعلان کے ایک سال بعد کوئی مشرک حدود حرم میں نہ رہنے پائے۔

اس آیت میں اسی کا بیان ایک خاص انداز میں کیا گیا ہے، جس میں اس حکم کی حکمت و مصلحت بھی بتلادی اور اس کی تعمیل میں جو بعض مسلمانوں کو خطرات تھے ان کا بھی جواب دے دیا، اس میں لفظ نجس بفتح جیم استعمال فرمایا ہے، جو نجاست کے معنی میں ہے، اور نجاست کہا جاتا ہے ہر گندگی کو جس سے انسان کی طبیعت نفرت کرے، امام راغب اصفہانیؒ نے فرمایا کہ اس میں وہ نجاست بھی داخل ہے جو آنکھ، ناک یا ہاتھ وغیرہ سے محسوس ہو، اور وہ بھی ظاہری طور پر سب محسوس کرتے ہیں اور اس معنوی نجاست کو بھی جس کی بناء پر شرعاً وضو یا غسل واجب ہوتا ہے، جیسے جنابت یا حیض ونفاس کے ختم ہونے کے بعد کی حالت، اور وہ باطنی نجاست بھی جس کا تعلق انسان کے قلب سے جیسے عقائد فاسدہ اور اخلاق ذیلہ۔

آیت مذکورہ میں کلمہ انما لایا گیا ہے جو حصر کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے انما المشرکون نجس کے معنی یہ ہوگئے کہ مشرکین نری نجاست ہی ہیں، اور صحیح بات یہ ہے کہ عام طور پر مشرکین میں تینوں قسم کی نجاستیں ہوتی ہیں، کیونکہ بہت سی ظاہری ناپاک چیزوں کو وہ ناپاک نہیں سمجھتے، اس لئے ان ظاہری نجاستوں سے بھی نہیں بچتے جیسے شراب اور اس سے بنی ہوئی چیزیں، اور معنوی نجاست سے غسل جنابت وغیرہ کے تو وہ معتقد ہی نہیں، اسی طرح عقائد فاسدہ اور اخلاق رذیلہ کو بھی وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

اسی لئے آیت مذکورہ میں مشرکین کو نری نجاست قرار دے کر یہ حکم دیا گیا **فلا یقربوا المسجد الرحام بعد عامھم ھٰذا** "یعنی ایسا کرنا چاہئے کہ اس سال کے بعد یہ مشرکین مسجد حرام کے پاس نہ جاسکیں"۔

مسجد حرام کا لفظ عام طور پر تو اس جگہ کے لئے بولا جاتا ہے جو بیت اللہ کے

گرد چہار دیواری سے گھری ہوئی ہے' لیکن قرآن وحدیث میں بعض اوقات یہ لفظ پورے حرم مکہ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے' جو کئی میل مربع کا رقبہ اور چاروں طرف حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قائم کردہ حدود سے گھرا ہوا ہے' جیسا کہ واقعہ معراج میں من المسجد الحرام سے باتفاق یہی معنی مراد لئے گئے ہیں' کیونکہ واقعہ صلح کا اس میں ذکر ہے وہ مقام حدیبیہ پر ہوا ہے' جو حد حرم سے باہر اس کے متصل واقع ہے۔ (جصاص)

اس لئے معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ اس سال کے بعد مشرکین کا داخلہ حدود حرم میں ممنوع ہے' اس سال سے مراد کون سا سال ہے' بعض حضرات نے فرمایا کہ ۱۰ ہجری مراد ہے' مگر جمہور مفسرین کے نزدیک ۹ھ راجح ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان برأت حضرت صدیق اکبرؓ اور علی مرتضیٰؓ کے ذریعہ موسم حج میں اسی ۹ھ میں کرایا ہے' اس لئے ۹ھ سے ۱۰ھ تک مہلت کا سال ہے ۱۰ھ کے بعد یہ قانون نافذ ہوا۔

مشرکین کے مسجد حرام میں داخلے کی ممانعت کا مطلب اور یہ کہ مسجد حرام کی خصوصیت ہے یا سب مساجد کے لئے عام ہے

آیت مذکورہ میں جو حکم دیا گیا ہے کہ ۱۰ھ کے بعد سے کوئی مشرک مسجد حرام کے پاس نہ جانے پائے اس کے متعلق تین باتیں غور طلب ہیں کہ یہ حکم مسجد حرام کے ساتھ مخصوص ہے یا دنیا کی دوسری مسجدیں بھی اسی حکم میں داخل ہیں' اور اگر مسجد حرام کے ساتھ مخصوص ہے تو کسی مشرک کا داخلہ مسجد حرام میں مطلقاً ممنوع ہے' یا صرف حج وعمرہ کے لئے داخلہ کی ممانعت ہے' ویسے جا سکتا ہے' تیسرے یہ کہ آیت میں یہ حکم مشرکین کا بیان کیا گیا ہے کفار اہل کتاب بھی اس میں شامل ہیں یا نہیں۔

ان تفصیلات کے متعلق چونکہ الفاظ قرآن ساکت ہیں اس لئے اشارات قرآن اور روایات حدیث کو سامنے رکھ کر ائمہ مجتہدین نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق احکام بیان فرمائے، اس سلسلہ میں پہلی بحث اس میں ہے کہ قرآن کریم نے مشرکین کو نجس کس اعتبار سے قرار دیا ہے، اگر ظاہری نجاست یا معنوی جنابت وغیرہ مراد ہے تو ظاہر ہے کہ کسی مسجد میں نجاست کا داخل کرنا جائز نہیں، اسی طرح جنابت والے شخص یا حیض و نفاس والی عورت کا داخلہ کسی مسجد میں جائز نہیں، اور اگر اس میں نجاست سے مراد کفر و شرک کی باطنی نجاست ہے تو ممکن ہے کہ اس کا حکم ظاہری نجاست سے مختلف ہو۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ فقہائے مدینہ امام مالک وغیرہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ مشرکین ہر معنی کے اعتبار سے نجس ہیں، ظاہری نجاست سے بھی عموماً اجتناب نہیں کرتے، اور جنابت وغیرہ کے بعد غسل کا بھی اہتمام نہیں کرتے، اور کفر و شرک کی باطنی نجاست تو ان میں ہے ہی، اس لئے یہ حکم تمام مشرکین اور تمام مساجد کے لئے عام ہے، اور اس کی دلیل میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ فرمان پیش کیا جس میں انہوں نے امراء بلاد کو ہدایت کی تھی کہ کفار کو مساجد میں داخل نہ ہونے دیں، اس فرمان میں اسی آیت مذکورہ کو تحریر فرمایا تھا۔

نیز یہ کہ حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا احل المسجد لحائض و لا جنب

"یعنی مسجد میں داخل ہونا کسی حائضہ عورت یا جنبی شخص کے لئے میں حلال نہیں سمجھتا"۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ حکم مشرکین اور کفار اہل کتاب سب کے لئے عام

ہے، مگر مسجد حرام کے لئے مخصوص ہے، دوسری مساجد میں ان کا داخلہ ممنوع نہیں، (قرطبی) اور دلیل میں ثمامہ ابن اثال کا واقعہ پیش کرتے ہیں کہ مسلمان ہونے سے پہلے جب یہ گرفتار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد نبویؐ کے ایک ستون سے باندھ دیا تھا۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک آیت میں مشرکین کو مسجد حرام کے قریب جانے سے منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ سال سے ان کو مشرکانہ طرز پر حج و عمرہ کرنے کی اجازت نہ ہوگی، اور دلیل یہ ہے کہ جس وقت موسم حج میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے ذریعہ اعلان برأت کر دیا گیا تو اس میں اعلان اسی کا تھا کہ **لا یحجن بعد العام مشرك**، جس میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا، اس لئے اس آیت میں **فلا یقربوا المسجد الحرام** کے معنی بھی اس اعلان کے مطابق یہی ہیں کہ ان کو حج و عمرہ کی ممانعت کر دی گئی۔ اور کسی ضرورت سے باجازت امیر المؤمنین داخل ہو سکتے ہیں، وفد ثقیف کا واقعہ اس کا شاہد ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب ان کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا حالانکہ یہ لوگ اس وقت کافر تھے صحابہ کرام نے عرض بھی کیا یا رسول اللہ یہ نجس قوم ہے، تو آپؐ نے فرمایا کہ مسجد کی زمین پر ان لوگوں کی نجاست کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (جصاص)

اس روایت نے یہ بات واضح کر دی کہ قرآن کریم میں مشرکین کو نجس کہنے سے ان کی نجاست کفر و شرک مراد ہے، جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے، اسی طرح حضرت جابر ابن عبداللہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ عیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مشرک مسجد کے پاس نہ جائے، بجز اس کے کہ وہ کسی مسلمان کا غلام یا کنیز

ہو تو بضرورت اس کو داخل کر سکتے ہیں۔ (قرطبیؒ)

یہ حدیث بھی اسی کی شاہد ہے کہ نجاست ظاہری کو سبب قرار دے کر مشرکین کو مسجد حرام سے نہیں روکا گیا ورنہ اس میں غلام اور جاریہ کی کوئی تخصیص نہ تھی، بلکہ بنیاد اصل کفر و شرک اور ان کے غلبہ کا خطرہ ہے، غلام و کنیز میں یہ خطرہ نہیں، ان کو اجازت دے دی گئی، اس کے علاوہ ظاہری نجاست کے اعتبار سے تو مسلمان بھی اس میں داخل ہیں کہ نجاست یا حدث اکبر کی حالت میں ان کے لئے بھی مسجد حرام کا داخلہ ممنوع ہے۔

نیز جمہور کی تفسیر کے مطابق مسجد حرام سے اس جگہ جب پورا حرم مراد ہے تو وہ بھی اسی کا مقتضی ہے کہ یہ ممانعت ظاہری نجاست کی بنیاد پر نہیں، بلکہ کفر و شرک کی نجاست کی بناء پر ہے، اسی لئے صرف مسجد حرام میں ان کا داخلہ ممنوع نہیں کیا گیا، بلکہ پورے حرم محترم میں ممنوع قرار دیا گیا، کیونکہ وہ اسلام کا حمی اور ایک قلعہ ہے، اس میں کسی غیر مسلم کو رکھنا گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ نجاسات سے مساجد کی تطہیر بھی ایک مستقل مسئلہ ہے، جو قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے، لیکن اس آیت کا تعلق اس مسئلہ سے نہیں بلکہ اسلام کے اس سیاسی حکم سے ہے جس کا اعلان سورۃ برأت کے شروع میں کیا گیا ہے کہ جتنے مشرکین مکہ میں موجود تھے، ان سب سے حرم محترم کو خالی کرانا مقصود تھا، لیکن بتقاضائے عدل و انصاف و رحم و کرم مکہ فتح ہوتے ہی سب کو یک قلم خارج کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ جن لوگوں سے کسی خاص میعاد کا معاہدہ تھا اور وہ لوگ اس معاہدہ پر قائم رہے تو ان کی میعاد معاہدہ پوری کر کے اور باقیوں کو کچھ کچھ مہلت دے کر سال بھر کے اندر اس تجویز کی تکمیل پیش نظر تھی،

اسی کا بیان اس آیت مذکورہ میں آیا کہ اس سال کے بعد مشرکین کا داخلہ حدود حرم میں ممنوع ہو جائے گا وہ مشرکانہ حج و عمرہ نہ کرنے پائیں گے۔

اور جس طرح سورہ توبہ کی آیات میں واضح طور پر یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ ۹ھ کے بعد کوئی مشرک حدد حرم میں داخل نہ ہو سکے گا، روایات حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے اس دائرہ کو اور وسیع فرما کر پورے جزیرۃ العرب کے لئے بھی حکم دے دیا تھا، مگر عہد رسالتؐ میں اس کی تکمیل نہ ہونے پائی۔ پھر صدیق اکبرؓ بھی دوسرے ہنگامی مسائل کی وجہ سے اس پر توجہ نہ دے سکے۔ فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانہ میں اس حکم کو نافذ فرمایا۔

اب رہا کفار کی نجاست اور مساجد کی نجاسات سے تطہیر کا مسئلہ وہ اپنی جگہ ہے جس کے مسائل کتب فقہ میں تفصیل سے مذکور ہیں، کوئی مسلمان بھی ظاہری نجاست یا حالت جنابت میں کسی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا، اور عام کفار و مشرکین ہوں یا اہل کتاب وہ بھی عموماً ان نجاسات سے پاک نہیں ہوتے، اس لئے بلا ضرورت شدیدہ ان کا داخلہ بھی کسی مسجد میں جائز نہیں۔

اس آیت کی رو سے جب کفار و مشرکین کا داخلہ حرم میں ممنوع کر دیا گیا تو مسلمانوں کے سامنے ایک معاشی مسئلہ یہ پیش آیا کہ مکہ میں کوئی پیداوار نہیں، باہر کے آنے والے ہی اپنے ساتھ ضروریات لاتے تھے، اور موسم حج میں اہل مکہ کے لئے سب ضروریات جمع ہو جاتی تھیں، اب ان کا داخلہ ممنوع ہو جانے کے بعد کام کیسے چلے گا، اس کا جواب قرآن میں یہ دیا گیا کہ وان خفتم عیلة فسوف یغنیکم اللہ من فضله ان شاء "یعنی اگر تمہیں معاشی مشکلات کا اندیشہ ہو تو سمجھ لو کہ نظام معاش تمام مخلوق کا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے، اگر وہ چاہیں گے تو تمہیں ان سب کفار سے مستغنی کر دیں

گے، اور یہاں اگر چاہیں گے کی قید لگانے کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں کوئی شک وتردد ہے بلکہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ صرف مادی اسباب پر نظر رکھنے والوں کے لئے اگرچہ یہ بات بہت بعید اور مشکل نظر آتی ہے کہ ظاہری ذریعہ معاش یہی غیر مسلم تھے، ان کا داخلہ ممنوع کرنا اپنے لئے اسباب معاش منقطع کرنے کے مترادف ہے، مگر ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان مادی اسباب کا محتاج نہیں، جب ان کا ارادہ کسی کام سے متعلق ہو جائے تو سب اسباب مطابق ہوتے چلے جاتے ہیں، بس چاہنے کی دیر ہے اور کچھ نہیں، اس لیے انشاء فرما کر اس کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ج يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ط قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے اور نہ قبول کرتے ہیں دین سچا ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر، اور یہود نے کہا کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے ریس کرنے لگے اگلے کافروں کی بات کی۔ ہلاک کرے ان کو اللہ، کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔

تفسیر :

آیات مذکورہ سے پہلی آیت میں مشرکین مکہ سے جہاد و قتال کا ذکر تھا، ان آیات میں اہل کتاب سے جہاد کا بیان ہے، یہ گویا غزوہ تبوک کی تمہید ہے جو اہل کتاب کے مقابلہ میں پیش آیا ہے، تفسیر در منثور میں مفسر القرآن حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیات غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، اور لفظ اہل کتاب اگرچہ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے ہر اس کافر جماعت پر حاوی ہے جو کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتی ہو، لیکن قرآن کریم کی اصطلاح میں ہے لفظ صرف یہود نصاریٰ کے لئے استعمال ہوا ہے، کیونکہ عرب کے قرب وجوار میں یہی دو فرقے اہل کتاب کے معروف تھے، اسی لئے قرآن کریم نے مشرکین عرب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ۔

اور جہاد و قتال کا جو حکم اس آیت میں بمقابلہ اہل کتاب دیا گیا ہے وہ درحقیقت اہل کتاب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام طوائف کفار کا یہی حکم ہے، کیونکہ اس آیت میں حکم قتال کی جو وجوہ آگے بیان کی گئی ہیں وہ سب کفار میں مشترک ہیں، تو حکم بھی مشترک ہونا چاہئے، مگر ذکر میں اہل کتاب کی خصوصیت اس لئے کی گئی کہ یہ ممکن تھا کہ مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں جہاد و قتال کرنے سے اس بناء پر جھجک ہو کر یہ لوگ کسی درجہ میں ایمان رکھتے ہیں، تورات و انجیل اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام پر ان کا ایمان ہے تو ممکن تھا کہ انبیاء سابقین اور ان کی کتابوں کے ساتھ ان کا منسوب ہونا مسلمانوں کے لئے جہاد سے رکاوٹ کا سبب بن جائے، اس لئے بالتخصیص ان کے ساتھ قتال کا ذکر کر دیا گیا۔

دوسرے اس جگہ ذکر میں اہل کتاب کے ساتھ تخصیص کرنے سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ ایک حیثیت سے یہ لوگ زیادہ سزا کے مستحق ہیں، کیونکہ یہ اہل علم تھے، ان کے پاس توریت وانجیل کا علم تھا، جن میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک اور حلیہ تک تفصیل سے مذکور ہے، اس علم کے باوجود ان کا کفر وانکار اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں ایک حیثیت سے ان کا جرم زیادہ شدید ہو گیا، اس لئے خصوصی طور پر ان سے جنگ کا ذکر کیا گیا۔

جنگ کے حکم کی چار وجوہ اس آیت میں بتلائی گئی ہیں، اول **لا یؤمنون باللہ**، یعنی وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، دوسرے **ولا بالیوم الآخر**، یعنی آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، تیسرے **لا یحرمون ما حرم اللہ** یعنی ان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے جن کو اللہ نے حرام بتلایا ہے، چوتھے **لا یدینون دین الحق**، یعنی سچے دین کو قبول نہیں کرتے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ تو بظاہر خدا تعالیٰ پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور آخرت و قیامت کے بھی قائل ہیں پھر ان چیزوں پر ان کے ایمان کی نفی کیوں کی گئی وجہ یہ ہے کہ محض ایمان لانے کے الفاظ تو کافی نہیں جس طرح کا ایمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلوب ہے، جب اس طرح کا ایمان نہ ہوا تو وہ نہ ہونے کے حکم میں ہے، یہود و نصاریٰ نے اگرچہ علانیہ طور پر توحید کا انکار نہیں کیا، مگر جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے کہ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ کر اس کی خدائی میں شریک ٹھہرا دیا، اس لئے ان کا اقرار توحید لغو اور ایمان کا دعویٰ غلط ہوگا۔

اس طرح آخرت پر جس طرح کا ایمان مطلوب ہے وہ بھی اکثر اہل کتاب میں نہیں رہا تھا، ان میں سے بہت سے لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ قیامت میں حشر

اجساد یعنی مادی اجسام کی دوبارہ زندگی نہ ہوگی، بلکہ ایک قسم کی روحانی زندگی ہوگی، اور جنت ودوزخ بھی کوئی خاص مقامات نہیں، روح کی خوشی کا نام جنت، اور رنج کا نام جہنم ہے، جو ارشادات ربانی کے سراسر خلاف ہے، اس لئے یوم آخر پر بھی ان کا ایمان در حقیقت ایمان نہ ہوا۔

تیسری چیز جو یہ فرمائی کہ جن چیزوں کو اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے یہ ان کو حرام نہیں سمجھتے اس سے مراد یہ ہے کہ بہت سی چیزیں جن کو تورات یا انجیل نے حرام قرار دیا تھا یہ اس کی حرمت کے قائل نہیں، جیسے ربا (سود) اسی طرح اور بہت سی کھانے پینے کی چیزیں جو تورات وانجیل میں حرام قرار دی گئی تھیں انہوں نے ان کو حرام نہ سمجھا، اور ان میں مبتلا ہوگئے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس چیز کو اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے اس کو حلال سمجھنا صرف ایک گناہ ہی کا ارتکاب نہیں بلکہ کفر ہے، اسی طرح کسی حلال چیز کو حرام قرار دینا بھی کفر ہے، ہاں اگر حرام کو حرام سمجھتے ہوئے عملی کوتاہی غلطی سے ہوائے تو وہ کفر نہیں، فسق اور گناہ ہے۔

آیت مذکورہ میں ان لوگوں سے جہاد وقتال کرتے رہنے کی ایک حد اور انتہاء بھی بتلائی ہے، حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صاغرون، یعنی یہ حکم قتال اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ وہ ماتحت ہوکر، رعیت بن کر جزیہ دینا منظور نہ کرلیں۔

جزیہ کے لفظی معنی بدلے اور جزاء کے ہیں، اصطلاح شرع میں اس سے مراد وہ رقم ہے جو کفار سے قتل کے بدلہ میں لی جاتی ہے۔

وجہ یہ ہے کہ کفر وشرک اللہ اور رسول ﷺ کی بغاوت ہے، جس کی اصلی سزا قتل ہے، مگر اللہ تعالی نے اپنی رحمت کاملہ سے ان کی سزا میں یہ تخفیف کردی کہ اگر وہ

اسلامی حکومت کی رعیت بن کر عام اسلامی قانون کے ماتحت رہنا منظور کریں تو ان سے ایک معمولی رقم جزیہ کی لے کر چھوڑ دیا جائے‘ اور اسلامی ملک کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے ان کی جان و مال‘ آبرو کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمہ ہوگی‘ ان کی مذہبی رسوم میں کوئی مزاحمت نہ کی جائے‘ اسی رقم کو جزیہ کہا جاتا ہے۔

جزیہ کا تعین اگر باہمی مصالحت اور رضامندی سے ہو تو شرعاً اس کی کوئی تحدید نہیں۔ جتنی مقدار اور جس چیز پر باہمی معاہدہ صلح کا ہو جائے وہی ان سے لیا جائے گا‘ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرمایا کہ ان کی پوری جماعت سے سالانہ دو ہزار حلے دینے پر معاہدہ ہو گیا‘ حلہ دو کپڑوں کے جوڑے کو کہتے ہیں‘ ایک تہبند ایک چادر‘ ہر حلہ کی قیمت کا اندازہ بھی یہ طے کر دیا گیا کہ ایک اوقیہ چاندی کی قیمت کا ہوگا‘ اوقیہ چالیس درہم یعنی ہمارے وزن کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے گیارہ تولہ چاندی ہوتی ہے۔

اسی طرح نصاریٰ بنی تغلب سے حضرت فاروق اعظمؓ کا اس پر معاہدہ ہوا کہ ان کا جزیہ اسلامی زکوٰۃ کے حساب سے وصول کیا جائے مگر زکوٰۃ سے دوگنا۔

اور اگر مسلمانوں نے کسی ملک کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا‘ پھر وہاں کے باشندوں کی جائدادوں کو انہی کی ملکیت پر برقرار رکھا‘ اور وہ رعیت بن کر رہنے رضامند ہو گئے‘ تو ان کے جزیہ کی مقرر شرح یہ ہوگی جو حضرت فاروق اعظمؓ نے اپ عہد خلافت میں نافذ فرمائی کہ سرمایہ دار متمول سے چار درہم اور متوسط الحال سے اس نصف صرف دو درہم اور غریب سے جو تندرست اور محنت مزدوری یا صنعت و تجار وغیرہ کے ذریعہ کماتا ہے اس سے اس کا بھی آدھا صرف ایک درہم ماہوار یعنی ساڑ تین ماشہ چاندی یا اس کی قیمت لی جائے‘ اور جو بالکل مفلس یا اپاہج یا معذور ہیں ان

کچھ نہ لیا جائے' اسی طرح عورتوں بچوں بوڑھوں سے اور ان کے تارک الدنیا مذہبی پیشواؤں سے کچھ نہ لیا جائے۔

اتنی قلیل مقدار کے لینے کے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات یہ تھیں کہ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے' اور جو شخص کسی غیر مسلم باشندہ پر ظلم کرے گا تو میں قیامت کے روز ظالم کے مقابلہ میں اس غیر مسلم کی حمایت کروں گا۔ (مظہری)

اسی طرح کی روایات سے بعض ائمہ فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ دراصل جزیہ کی کوئی خاص شرح شرعاً مقرر نہیں ہے' بلکہ حاکم وقت کی صوابدید پر ہے کہ ان لوگوں کے حالات کا جائزہ لے کر اس کے مناسب تجویز کریں۔

اس بیان سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ جزیہ کفار سے سزائے قتل رفع کرنے کا معاوضہ ہے اسلام کا بدلہ نہیں' اس لئے یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ تھوڑے سے دام لے کر اسلام سے اعراض اور کفر پر قائم رہنے کی اجازت کیسے دے دی گئی' اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے اسلامی حکومت میں رہنے کی اجازت بہت سے ان لوگوں کو بھی ملتی ہے جن سے جزیہ نہیں لیا جاتا' مثلاً عورتیں' بچے' بوڑھے مذہبی پیشوا' اپاہج معذور' اگر جزیہ اسلام کا بدلہ ہوتا تو ان سے بھی لیا جانا چاہئے تھا۔

آیت مذکورہ میں عطا جزیہ کے ساتھ جو عن ید فرمایا ہے اس میں حرف عن بمعنی سبب اور ید بمعنی قوت و غلبہ ہے' اور معنی یہ ہیں کہ یہ جزیہ کا دینا بطور اختیاری چندہ یا خیرات کے نہ ہو بلکہ اسلامی غلبہ کو تسلیم کرنے اور اس کے ماتحت رہنے کی حیثیت سے ہو (کذافی الروح) اور وھم صاغرون کے معنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

کی تفسیر کے مطابق یہ ہیں کہ وہ لوگ اسلام کے عام (جنرل) قانون کی اطاعت کو اپنے ذمہ لازم قرار دیں (روح المعانی و مظہری)

اور اس آیت میں جو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جب یہ لوگ جزیہ ادا کرنا منظور کرلیں تو جنگ بند کر دی جائے، اس میں جمہور فقہاء کے نزدیک تمام کفار شامل ہیں، خواہ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب البتہ مشرکین عرب اس سے مستثنیٰ ہیں کہ ان سے جزیہ قبول نہیں کیا گیا۔

دوسری آیت میں اسی مضمون کی مزید تفصیل ہے، جس کا ذکر پہلی آیت میں اجمالاً آیا ہے کہ یہ اہل کتاب اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، اس دوسری آیت میں فرمایا کہ یہود تو عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، اس لئے ان کا دعویٰ توحید اور ایمان کا غلط ہوا۔

پھر فرمایا ذٰلك قولهم بافواههم ''یعنی یہ ان کا قول ہے ان کے منہ سے'' اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ لوگ صاف طور پر اپنی زبانوں سے اس کا اقرار کرتے ہیں کوئی مخفی چیز نہیں، اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ کلمہ کفر صرف ان کی زبانوں پر ہے نہ اس کی کوئی وجہ بتا سکتے ہیں نہ دلیل۔

پھر ارشاد فرمایا یضاهؤن قول الذین کفروا من قبل ط قاتلهم الله فانی یؤفکون۔ ''یعنی یہ ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں، خدا ان کو غارت کرے، یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں''۔

مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ انبیاء کو خدا کا بیٹا کہنے میں ایسے ہی ہو گئے جیسے پچھلے کفار و مشرکین تھے کہ فرشتوں کو اور لات و منات کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

جزیہ کا بیان:

عَنْ بَجَالَةَ قَالَ كُنْتُ كَاتِباً لِجَزْءِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَمِّ الْاَحْنَفِ فَاَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَبْلَ مَوْتِهِ بِسَنَةٍ فَرِّقُوْا بَيْنَ كُلِّ ذِيْ مَحْرَمٍ مِنَ الْمَجُوْسِ وَلَمْ يَكُنْ عُمَرُ اَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنَ الْمَجُوْسِ حَتّٰى شَهِدَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَهَا مِنْ مَجُوْسِ هَجَرَ رواه البخاری وَذُكِرَ حَدِيْثُ بُرَيْدَةَ اِذَا اَمَّرَ اَمِيْرًا عَلٰى جَيْشٍ فِيْ بَابِ الْكِتَابِ اِلَى الْكُفَّارِ۔

حضرت بجالہؓ کہتے ہیں کہ میں جزء بن معاویہ کا منشی تھا۔ جو احنف کا چچا ہے، ہمارے پاس حضرت عمر بن خطابؓ کا ایک خط آیا ان کی وفات سے ایک سال پہلے اس میں لکھا تھا کہ مجوسیوں میں سے ذی محرم کو جدا کر دو آتش پرستوں میں ذی محرم یعنی ماں بیٹی وغیرہ وہ تمام عورتیں حلال تھیں جن سے اسلام میں نکاح حرم ہے اور مجوسی ماں بیٹی وغیرہ سے بھی نکاح کر لیتے تھے حضرت عمر نے اپنے ایام میں جاری کیا کہ جو محرم عورتیں مجوسیوں کے نکاح میں ہوں ان کو جدا کر دو یعنی نکاح فسخ کرا دو اور آئندہ ذی محرم سے نکاح کی ممانعت کر دو، بجالہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجوس سے جزیہ نہ لیتے تھے جب عبدالرحمنؓ بن عوف نے یہ گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا ہے تب آپ نے بھی جزیہ لیا۔ (بخاری) اور بریدہ کی حدیث اذا امر الخ کتاب الی الکفار کے باب میں بیان کی جا چکی ہے۔

عَنْ مُعَاذٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّهَهُ اِلَى

الْيَمَنَ اَمَرَهُ اَنْ يَاْخُذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ يَعْنِيْ مُحْتَلِمٍ دِيْنَاراً اَوْ عَدْلَهُ مِنَ الْمُعَافِرِيِّ ثِيَابٌ تَكُوْنُ بِالْيَمَنِ رواه ابو دائود.

حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن روانہ فرمایا تو یہ حکم دیا کہ وہ ہر بالغ آدمی سے جزیہ میں ایک دینار لیں یا ایک دینار کی قیمت کا معافری کپڑا جو یمن میں تیار ہوتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْلُحُ قِبْلَتَانِ فِيْ اَرْضٍ وَاحِدَةٍ وَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ جِزْيَةٌ رواه احمد والترمذی وابو دائود.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایک زمین میں دو قبلوں کا ہونا درست نہیں (یعنی ایک مقام پر دو مذہب کے لوگوں کے اجتماع و قیام مناسب نہیں اور مسلمان پر جزیہ واجب نہیں ہے۔

(احمد۔ ترمذی۔ ابو داوٗد)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اِلٰى اُكَيْدِرِ دُوْمَةَ فَاَخَذُوْهُ فَاَتَوْبِهٖ فَحَقَنَ لَهٗ دَمَهٗ وَصَالَحَهٗ عَلَى الْجِزْيَةِ رواه ابو دائود.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولیدؓ کو اکیدر دومہ (یعنی مقام دومہ کے بادشاہ) کے پاس بھیجا خالد اور ان کے ہمراہیوں نے اکیدر کو گرفتار کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے آپ نے اس کا خون معاف کر دیا اور جزیہ پر اس سے صلح کر لیا۔

(ابو داوٗد)

وَعَنْ حَرْبِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ جَدِّهِ اَبِىْ اُمِّهٖ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا الْعُشُوْرُ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ عُشُوْرًا رواه احمد و ابو دائود.

حضرت حربؓ بن عبیداللہ اپنے نانا سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دسواں حصہ (مال و تجارت میں سے) یہود و نصاریٰ پر واجب ہے مسلمانوں پر نہیں۔ (احمد۔ ابوداؤد)

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَنَّا نَمُرُّ بِقَوْمٍ فَلَاهُمْ يُضَيِّفُوْنَا وَلَاهُمْ يُؤَدُّوْنَ مَالَنَا عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ وَلَا نَحْنُ نَاخُذُ مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اَبَوْا اِلَّا اَنْ تَاخُذُوْا كَرْهًا فَخُذُوْا رواه الترمذى.

حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم جہاد کو جاتے ہوئے بعض ایسے لوگوں پر گذرتے ہیں جو نہ تو ہماری میزبانی کرتے ہیں اور نہ وہ حق ادا کرتے ہیں جو ہمارے لئے ان پر واجب ہے (یعنی حیثیت مسلمان ہونے کے۔ ہماری امداد و اعانت) اور نہ ہم ان سے زبردستی اپنے حق کو حاصل کرتے ہیں آپ نے فرمایا اگر وہ مہمانداری کے فرائض ادا کرنے سے انکار کریں یا تمہاری مدد نہ کریں اور تم ان سے زبردستی اپنا حق حاصل کرسکو تو زبردستی لے لو۔ (ترمذی)

عَنْ اَسْلَمَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ضَرَبَ الْجِزْيَةَ عَلٰى اَهْلِ الذَّهَبِ اَرْبَعَةَ دَنَانِيْرَ وَعَلٰى اَهْلِ الْوَرِقِ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا مَعَ ذٰلِكَ

اَرْزَاقُ الْمُسْلِمِيْنَ وَضِيَافَةُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ رواه مالك.

حضرت اسلمؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ان لوگوں جو زیادہ مقدار میں سونا رکھتے تھے چار دینار جزیہ مقرر کا تھا اور ان لوگوں پر جو چاندی رکھتے تھے۔ چالیس درہم اس کے علاوہ ان پر یہ بھی واجب کیا تھا کہ وہ تین دن تک مسلمانوں کی مہمان نوازی کریں۔ (مالک)

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ج وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ O يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ O هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ لا وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ O يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لا فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ O يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ O

ٹھہرا لیا انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی اور ان کو حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک معبود کی، کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے، چاہتے ہیں کہ بجھادیں روشنی اللہ کی اپنے منہ سے اور اللہ نہ رہے گا بدون پورا کئے اپنی روشنی کے اور پڑے برا مانیں کافر، اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت

اور سچا دین دے کر تاکہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر اور پڑے برا مانیں مشرک، اے ایمان والو بہت سے عالم اور درویش اہل کتاب کے کھاتے ہیں مال لوگوں کے ناحق اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، اور جو لوگ گاڑھ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو ان کو خوش خبری سنا دے عذاب دردناک کی، جس دن کہ آگ دھکائیں گے اس مال پر دوزخ کی، پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں (کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے گاڑھ کر رکھا تھا اپنے واسطے اب مزہ چکھو اپنے گاڑھنے کا۔

تفسیر:

ان چاروں آیتوں میں یہود و نصاریٰ کے علماء اور عباد و زہاد کی گمراہی اور ان کے کفریات قولی و عملی کا ذکر ہے، احبار، حبر کی جمع ہے اور رہبان، راہب کی جمع ہے، حبر یہود و نصاریٰ کے عالم کو اور راہب عابد و زاہد کو کہا جاتا ہے۔

پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے علماء اور عبادت گذاروں کو اللہ کے سوا اپنا رب اور معبود بنا رکھا ہے، اسی طرح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو اپنا رب بنا لیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب و معبود بنانا تو اس لئے ظاہر ہے کہ وہ ان کو خدا تعالیٰ کا بیٹا مانتے اور کہتے تھے اور علماء و عباد کو معبود بنانے کا جو الزام ان پر عائد کیا گیا ہے اگرچہ وہ صراحۃً ان کو اپنا رب نہ کہتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اطاعت مطلقہ جو خاص اللہ جل شانہ کا حق ہے اس حق کو ان کے حوالے کر دیا تھا کہ ہر حال میں ان کے کہنے کی پیروی کرتے تھے، اگرچہ ان کا قول اللہ اور رسول کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، تو یہ ظاہر ہے کہ کسی کی ایسی اطاعت کرنا کہ اللہ و رسول کے فرمان کے خلاف بھی کہے

تو اس کی اطاعت نہ چھوڑے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو اپنا رب اور معبود کہے جو کھلا ہوا کفر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسائل دین سے ناواقف عوام کے لئے علماء کے فتویٰ کا اتباع یا اجتہادی مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اتباع اس کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ یہ اتباع در حقیقت خدا اور رسول ہی کے احکام کا اتباع ہوتا ہے، اہل علم و نظر براہ راست اللہ و رسول کے کلام کو دیکھ کر اس پر عمل کرتے ہیں، اور ناواقف عوام اہل علم سے پوچھ کر انہی احکام پر عمل کرتے ہیں، اور اہل علم جو درجہ اجتہاد کا نہیں رکھتے وہ بھی اجتہادی مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اتباع کرتے ہیں، یہ اتباع خود قرآن کریم کے حکم کے مطابق ہے اور حق تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے جیسا کہ ارشاد ہے : فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون ”یعنی اگر تم خود احکامِ خدا اور رسول سے واقف نہیں تو اہل علم سے پوچھ کر عمل کیا کرو“۔

یہود و نصاریٰ کے عوام نے کتاب اللہ اور احکام خدا اور رسول کو بالکل نظر انداز کر کے خود غرض پیشہ ور علماء یا جاہل عبادت گذاروں کے قول و عمل ہی کو اپنا دین بنالیا تھا، اس کی مذمت اس آیت میں فرمائی گئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں نے یہ گمراہی اختیار کر لی حالانکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جو ان تمام چیزوں کے شرک سے پاک ہے جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

اس آیت میں تو ان کے اتباع باطل اور غیر اللہ کی ناجائز اطاعت کا ذکر تھا، اس کے بعد کی آیت میں ان کی ایک اور گمراہی کا ذکر ہے کہ یہ لوگ صرف اس پر بس نہیں کرتے کہ خود گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، بلکہ ہدایت اور دین حق کے مٹانے اور

رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی مضمون کو بطور مثال کے اس طرح فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ ان کے بس کی بات نہیں، اللہ تعالی یہ طے کر چکے ہیں کہ وہ اپنے نور یعنی دین اسلام کو مکمل اور پورا ہی کریں گے خواہ کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔

اس کے بعد تیسری آیت کے مضمون کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے رسول کو ہدایت کا سامان یعنی قرآن اور دین حق یعنی اسلام دے کر اسی لئے بھیجا ہے تاکہ اس کو دنیا کے تمام بقیہ دینوں پر غالب کر دے، تقریباً انہی لفظوں کے ساتھ قرآن کریم میں متعدد آیات آئی ہیں جن میں یہ وعدہ ہے کہ دین اسلام کو تمام دنیا کے ادیان پر غالب کیا جائے گا۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ دین اسلام کو تمام دوسرے دینوں پر غالب کرنے کی یہ خوشخبری اکثر زمانوں اور اکثر حالات کے اعتبار سے ہے جیسا کہ حضرت مقداد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی کچا پکا مکان باقی نہ رہے گا جس میں اسلام کا کلمہ داخل نہ ہو جائے عزت داروں کی عزت کے ساتھ اور ذلیل لوگوں کی ذلت کے ساتھ جن کو اللہ تعالی عزت دیں گے وہ مسلمان ہو جائیں گے اور جن کو ذلیل کرنا ہو گا وہ اسلام کو قبول تو نہ کریں گے مگر اسلامی حکومت کے تابع ہو جائیں گے، چنانچہ اللہ تعالی کا یہ وعدہ پورا ہوا، ایک ہزار سال کے قریب اسلام کی شان و شوکت پوری دنیا پر چھائی رہی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم اور سلف صالحین کے عہد مبارک میں تو اس نور کی تکمیل و اتمام کا مشاہدہ ساری دنیا کر ہی چکی ہے، اور آئندہ بھی دلائل اور حقائق کے اعتبار سے ہر زمانہ میں دین اسلام ایسا مکمل دین ہے کہ کسی معقول پسند انسان کو اس

پر حرف گیری کا موقع نہیں مل سکتا، اس لئے کفار کی مخالفتوں کے باوجود یہ دین حق اپنی حجت ودلیل کے اعتبار سے ہمیشہ غالب ہے، اور جب مسلمان اس دین کی پوری پیروی کریں تو ان کا ظاہری غلبہ اور حکومت و سلطنت بھی اس کے لوازم میں سے ہے، جیسا کہ تاریخ اسلام کا تجربہ اس پر شاہد ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے قرآن وسنت پر پوری طرح عمل کیا تو کوئی کوہ و دریا ان کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکا، اور یہ پوری دنیا پر غالب آ کر رہے، اور جب کبھی جہاں کہیں ان کو مغلوب یا مقہور ہونے کی نوبت آتی ہے، قرآن وسنت کے احکام سے غفلت اور خلاف ورزی کا نتیجہ بد تھا، جو ان کے سامنے آیا، دین حق پھر بھی اپنی جگہ مظفر و منصور ہی رہا۔

چوتھی آیت میں مسلمانوں کو مخاطب بنا کر یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ کے ایسے حالات کا ذکر ہے جن کی وجہ سے عوام میں گمراہی پھیلی، مسلمانوں کو مخاطب کرنے سے شاید اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ یہ حالات یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ کے بیان ہو رہے ہیں لیکن ان کو بھی اس سے متنبہ رہنا چاہئے کہ ان کے ایسے حالات نہ ہو جائیں۔

اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کے بہت سے علماء و مشائخ کا یہ حال ہے کہ باطل طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور اللہ کے سیدھے راستہ سے ان کو روکتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے اکثر علماء و مشائخ کا یہی حال تھا اور ایسے حالات میں عام طور پر کہنے والے سبھی کو برا کہا کرتے ہیں، لیکن قرآن کریم نے اس جگہ لفظ کثیراً کا اضافہ کر کے مسلمانوں کو دشمنوں کے معاملہ میں بھی احتیاط کلام کی تلقین فرما دی کہ یہ حال سب لوگوں کی طرف منسوب نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ ان میں بہت سے لوگ

ایسا کرتے ہیں' ان کی گمراہی یہ بتلائی گئی کہ وہ لوگوں کے اموال باطل طریقہ سے کھاتے ہیں' باطل طریقہ سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ بعض اوقات ان لوگوں سے پیسے لے کر حکم تورات کے خلاف فتویٰ دے دیتے تھے' اور بعض اوقات احکام الٰہی میں اخفا اور تلبیس سے کام لیتے تھے' اس پر مزید ان کی یہ گمراہی بتلائی گئی کہ یہ کم بخت صرف خود ہی گمراہ نہیں بلکہ دوسرے طالبان رشد وہدایت کو اللہ کے راستہ سے روکنے کا سبب بھی ہیں' کیونکہ جب لوگ اپنے مقتداؤں کو ایسے کام کرتے دیکھیں تو ان میں بھی جذبہ حق پرستی مر جاتا ہے' اس کے علاوہ ان کے غلط فتووں کی بنیاد پر وہ گمراہی اور غلطی ہی کو صواب و صحیح سمجھنے لگتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ کی یہ بیماری کہ پیسوں کے لالچ میں غلط فتویٰ دے دیں چونکہ حب مال اور حرص دنیا کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی' اس لئے آیت مذکورہ میں حب مال کے اندر غلو کے نتائج بد اور عذاب الیم کا بیان اور اس بیماری سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ ذکر کیا گیا ہے' ارشاد ہے: **والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔** "یعنی جو لوگ سونے چاندی کو جمع کرتے رہتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دیجئے۔"

ولا ینفقونھا کے لفظوں سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ جو لوگ بقدر ضروری اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو باقی ماندہ جمع کیا ہوا مال ان کے حق میں مضر نہیں۔

حدیث میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے' کنز میں داخل نہیں۔ (ابوداؤد' احمد وغیرہ)

جس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد جو مال باقی رہے اس کا جمع رکھنا کوئی گناہ نہیں۔

جمہور فقہاء وائمہ کا یہی مسلک ہے ولا ینفقونھا کی ضمیر فضۃ کی طرف راجع ہے، جس کے معنی چاندی کے ہیں، اوپر سونے اور چاندی ودو چیزوں کا ذکر تھا مگر ضمیر صرف چاندی کی طرف راجع کی گئی، تفسیر مظہری میں اس کو اشارہ اس بات کا قرار دیا ہے کہ جب کسی شخص کے پاس سونا اور چاندی تھوڑا تھوڑا موجود ہو تو اعتبار چاندی کا کیا جائے گا، سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب میں لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

پانچویں آیت میں اس عذاب الیم کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے: یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ط ھٰذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون ط "یعنی زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو یہ عذاب الیم اس دن ہوگا جب کہ ان کے جمع کئے ہوئے سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں پر داغ دیئے جائیں گے، اور ان سے زبانی سزا کے طور پر کہا جائے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، سو اپنے جمع کئے ہوئے سرمایہ کو چکھو، اس سے معلوم ہوا کہ جزاء عمل عین عمل ہے، جو سرمایہ ناجائز طور پر جمع کیا تھا، یا اصل سرمایہ تو جائز تھا مگر اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو خود وہ سرمایہ ہی ان لوگوں کا عذاب بن گیا۔

اس آیت میں داغ لگانے کے لئے پیشانیوں، پہلوؤں، پشتوں کا ذکر کیا گیا ہے، یا تو اس سے مراد پورا بدن ہے، اور یا پھر ان تین چیزوں کی تخصیص اس بناء پر ہی کہ بخیل آدمی جو اپنا سرمایہ اللہ کی رہ میں خرچ کرنا نہیں چاہتا، جب کوئی سائل یا زکوٰۃ کا طلبگار اس کے سامنے آتا ہے تو اس کو دیکھ کر سب سے پہلے اس کی پیشانی پر بل آتے

ہیں، پھر اس سے نظر بچانے کے لئے یہ داہنے بائیں مڑنا چاہتا ہے، اور اس سے بھی سائل نہ چھوڑے تو اس کی طرف پشت کر لیتا ہے، اس لئے پیشانی، پہلو، پشت اس عذاب کے لئے مخصوص کئے گئے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ط ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ط وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ O اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ط زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ط وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ O

مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کے حکم میں جس دن اس نے پیدا کئے تھے آسمان اور زمین ان میں چار مہینے ہیں ادب کے، یہی ہے سیدھا دین سو ان میں ظلم مت کرو اپنے اوپر اور لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں جیسے وہ لڑتے ہیں تم سب سے ہر حال میں اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے ڈرنے والوں کے، یہ جو مہینہ ہٹا دینا ہے سو بڑھائی ہوئی بات ہے کفر کے عہد میں گمراہی میں پڑتے ہیں اس سے کافر، حلال کر لیتے ہیں اس مہینہ کو ایک برس اور حرام رکھتے ہیں دوسرے برس تاکہ پوری کر لیں گنتی ان مہینوں کی جو اللہ نے ادب کے لئے رکھے ہیں، پھر حلال کر لیتے ہیں جو مہینہ کہ اللہ نے حرام کیا بھلے کر دیئے گئے ان کی نظر میں ان کے برے کام اور اللہ راستہ نہیں دیتا کافر لوگوں کو۔

تفسیر :

پچھلی آیات میں کفار و مشرکین کے کفر و شرک، گمراہی اور بداعمالیوں کا ذکر تھا، ان دو آیتوں میں بھی اسی سلسلہ کا ایک مضمون اور عرب جاہلیت کی ایک جاہلانہ رسم بد کا بیان اور مسلمانوں کو اس سے اجتناب کی ہدایت ہے، وہ رسم بد ایک واقعہ سے متعلق ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ عہد قدیم سے تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں میں سال کے بارہ مہینے مانے جاتے تھے اور ان میں سے چار مہینے بڑے متبرک اور ادب و احترام کے مہینے سمجھے جاتے تھے، تین مہینے مسلسل شوال، ذوالقعدہ، ذوی الحجہ، اور ایک مہینہ رجب کا۔

تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں اس پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، اور ان میں کوئی گناہ کرے تو اس کا وبال اور عذاب بھی زیادہ سابق شریعتوں میں ان مہینوں کے اندر قتل و قتال بھی ممنوع تھا۔

مکہ مکرمہ کے عرب چونکہ اسمعیل علیہ السلام کے واسطہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں، اس لئے یہ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے قائل اور ان کی شریعت کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے، اور چونکہ ملت ابراہیم میں بھی ان چار مہینوں (یعنی اشہر حرم) میں قتل و قتال اور شکار ممنوع تھا، عرب جاہلیت پر اس حکم کی تعمیل اس لئے سخت دشوار تھی کہ دور جاہلیت میں قتل و قتال ہی ان کا پیشہ بن کر رہ گیا تھا، اس لئے اس میں آسانی پیدا کرنے کے لئے انہوں نے اپنی نفسانی اغراض کے لئے طرح طرح کے حیلے نکالے کبھی اشہر حرم کے کسی مہینہ میں جنگ کی ضرورت پیش آئی یا لڑتے لڑتے شہر حرام آجاتا تو کہہ دیتے کہ اب کے سال یہ مہینہ حرام نہیں ہوا اگلا مہینہ حرام ہوگا، مثلاً محرم آگیا تو کہتے کہ اس

سال محرم کا مہینہ حرام نہیں بلحہ صفر کا مہینہ حرام ہو گا' اور مزید ضرورت پڑتی تو کہتے کہ ربیع الاول حرام ہو گا' یا یہ کہتے کہ اس سال صفر کا مہینہ پہلے آگیا محرم بعد میں آئے گا اس طرح محرم کو صفر بنادیا' غرض سال بھر میں چار مہینے تو پورے کر لیتے تھے لیکن اللہ کی متعین کردہ ترتیب اور تعین کا لحاظ نہ کرتے تھے جس مہینہ کو چاہیں ذی الحجہ کہہ دیں اور جس کو چاہیں رمضان کہہ دیں' جس کو چاہیں مقدم کردیں جس کو چاہیں مؤخر کردیں اور کبھی زیادہ ضرورت پڑتی مثلاً لڑتے لڑتے دس مہینے گذر گئے اور سال کے صرف دو ہی مہینے باقی رہ گئے' تو ایسے موقع پر سال کے مہینوں کی تعداد بڑھا دیتے اور کہتے کہ اب کے برس سال چودہ مہینوں کا ہو گا' اسی طرح باقی ماندہ چار مہینوں کو اشہر حرم بنا لیتے تھے۔

غرض دین ابراہیمی کا اتنا تو احترام کرتے تھے کہ سال میں چار مہینوں کا احترام کرتے اور ان میں قتل و قتال سے باز رہتے تھے' مگر اللہ تعالی نے جو ترتیب مہینوں کی متعین فرمائی اور اسی ترتیب سے چار مہینوں کو اشہر حرام قرار دیا' اس میں طرح طرح کی تاویلیں کر کے اپنی اغراض نفسانی کو پورا کرتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں اس کا امتیاز ہی دشوار ہو گیا تھا کہ کون سا مہینہ رمضان یا شوال کا ہے اور کون سا ذی القعدہ' ذی الحجہ یا رجب کا ہے' ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور نویں سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کو موسم حج میں تمام کفار مشرکین سے برأت کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا تو یہ مہینہ حقیقی حساب سے اگرچہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا' مگر جاہلیت کے اسی پرانے دستور کے مطابق یہ مہینہ ذی القعدہ کا قرار پایا تھا' اور اس سال ان کے نزدیک حج کا مہینہ بجائے ذی الحجہ کے ذی القعدہ مقرر تھا پھر ۱۰ھ میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ

الوداع کیلئے تشریف لے گئے تو قدرتی طور ر ایسا نظام بن گیا کہ مہینہ اصلی ذی الحجہ کا تھا اہل جاہلیت کے حساب میں بھی وہ ذی الحجہ ہی قرار پایا' اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم نے اپنے منیٰ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا الا ان الزمان قد استدار کھیئة یوم خلق اللہ السموات والارض 'یعنی زمانہ پھر پھرا کر اپنی اسی ہیئت پر آگیا جس پر اس کو اللہ تعالی نے زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت رکھا تھا' یعنی جو مہینہ اصلی ذی الحجہ کا تھا جاہلیت والوں کے نزدیک بھی اس سال وہی مہینہ ذی الحجہ کا مہینہ قرار پایا۔

یہ تھی وہ رسم جاہلیت جو مہینوں کی تعداد اور ترتیب اور تعین میں کمی بیشی اور ردوبدل کر کے کی جاتی تھی' جس کے نتیجہ میں ان تمام احکام شرعیہ میں خلل آتا تھا جو کسی خاص مہینہ یا اس کی کسی خاص تاریخ سے متعلق ہیں' یا جو سال کے شروع یا ختم سے متعلق ہیں' مثلاً عشرہ ذی الحجہ میں احکام حج اور عشرہ محرم کے روزے اور ختم سال پر زکوٰۃ وغیرہ کے احکام۔

بات تو مختصر سی تھی کہ مہینہ کا نام بدل کر مقدم و مؤخر کر دیا کہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم بنا دیا لیکن اسکے نتیجہ میں سینکڑوں احکام شرعیہ کی تحریف ہو کر عمل برباد ہوا' قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں اس رسم جاہلیت کی خرابی اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کی ہدایت ہے۔

پہلی آیت میں ارشاد ہے :ان عدة الشهور عنداللہ اثنا عشر شهراً 'اس میں لفظ عدۃ تعداد کے معنی میں ہے' اور شہور شہر کی جمع ہے' شہر کے معنی مہینہ ہے' معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالی کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ متعین ہے' اس میں کسی کو کمی بیشی کا کئی اختیار نہیں۔

اس کے بعد فی کتب اللہ کا لفظ بڑھا کر بتلا دیا کہ یہ بات ازل سے لوح محفوظ

میں لکھی ہوئی تھی، پھر یوم خلق السمٰوٰت والارض فرما کر اشارہ کر دیا کہ قضاء خداوندی اس معاملہ میں اگرچہ ازل میں جاری ہو چکی تھی، لیکن یہ مہینوں کی ترتیب اور تعین اس وقت عمل میں آئی جب آسمان وزمین پیدا کیے گئے۔

پھر ارشاد فرمایا منھا اربعة حرم، یعنی ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، ان کو حرمت والا دو معنی کے اعتبار سے کہا گیا، ایک تو اس لئے کہ ان میں قتل و قتال حرام ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ مہینے متبرک اور واجب الاحترام ہیں، ان میں عبادات کا ثواب زیادہ ملتا ہے، ان میں سے پہلا حکم تو شریعت اسلام میں منسوخ ہو گیا، مگر دوسرا حکم احترام اور ادب اور ان میں عبادت گذاری کا اہتمام اسلام میں بھی باقی ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ یوم النحر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مہینوں کی تشریح یہ فرمائی کہ تین مہینے مسلسل ہیں، شوال، ذی القعدہ، ذی الحجہ، جن کو اشہر حج بھی کہا جاتا ہے اور ایک مہینہ رجب کا ہے، مگر ماہ رجب کے معاملہ میں عرب کے دو قول مشہور تھے، بعض قبائل اس مہینہ کو رجب کہتے تھے جس کو ہم رمضان کہتے ہیں، اور قبیلہ مضر کے نزدیک رجب وہ مہینہ تھا جو جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجب مضر فرما کر یہ وضاحت بھی فرما دی کہ جو جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے وہ ماہ رجب مراد ہے۔

ذٰلك الدين القيم یہ ہے دین مستقیم یعنی مہینوں کی تعین اور ترتیب اور ان میں ہر مہینہ خصوصاً اشہر حرم کے متعلق جو احکام ہیں ان کو اللہ تعالی کے حکم ازلی کے مطابق رکھا ہے دین مستقیم ہے، اس میں اپنی طرف سے کمی بیشی اور تغیر و تبدل کرنا کج فہمی اور کج طبعی کی علامت ہے۔

فلا تظلموا فیھن انفسکم یعنی ان مقدس مہینوں میں تم اپنا نقصان نہ کر بیٹھنا کہ ان کے معینہ احکام واحترام کے خلاف ورزی کر دیا ان میں عبادت گذاری میں کوتاہی کرو۔

امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے' اسی طرح جو شخص کوشش کر کے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور برے کاموں سے بچالے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو ان برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے' اس لئے ان مہینوں سے فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے۔

یہاں تک مشرکین مکہ کی ایک خاص رسم جاہلیت کا بیان اور اس کا ابطال تھا' آخر آیات میں پھر اس حکم کا اعادہ ہے جو شروع سورۃ میں دیا گیا تھا کہ میعاد معاہدہ ختم ہونے کے بعد تمام مشرکین و کفار سے جہاد واجب ہے۔

دوسری آیت میں بھی اسی رسم جاہلیت کا ذکر اس طرح فرمایا **انما النسیٔ زیادۃ فی الکفر** ' لفظ نسی مصدر ہے' اس کے معنی پیچھے ہٹا دینے اور مؤخر کر دینے کے ہیں' اور بمعنی مؤخر بھی استعمال ہوتا ہے۔

مشرکین عرب نے ان مہینوں کے آگے پیچھے کرنے کو یہ سمجھا تھا کہ اس طرح ہماری اغراض نفسانی بھی فوت نہ ہوں گی' اور حکم خداوندی کی تعمیل بھی ہو جائے گی' حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارا مہینوں کو مؤخر کرنا اور اپنی جگہ سے ہٹاد کفر میں اور زیادتی ہے' جس سے ان کفار کی گمراہی اور بڑھتی ہے کہ وہ شہر حرام کو کسی سال تو حرام قرار دیں ار کسی سال حلال کر لیں۔ **لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ** ' یعنی تاک

وہ پوری کرلیں گنتی ان مہینوں کی جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ محض گنتی پوری کرلینے سے تعمیل حکم نہیں ہوتی، بلکہ جو حکم جس مہینہ کے لئے دیا گیا ہے اسی مہینہ میں اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔

احکام و مسائل :

مذکورہ آیتوں سے ثابت ہوا کہ مہینوں کی جو ترتیب اور ان مہینوں کے جو نام اسلام میں معروف ہیں وہ انسانوں کی بنائی ہوئی اصطلاح نہیں بلکہ رب العالمین نے جس دن آسمان وزمین پیدا کئے اسی دن یہ ترتیب اور یہ نام اور ان کے ساتھ خاص خاص مہینوں کے خاص خاص احکام متعین فرمادیئے تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے نزدیک احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے، اسی قمری حساب پر تمام احکام شرعیہ، روزہ، حج، زکوٰۃ، وغیرہ دائر ہیں، لیکن قرآن حکیم نے تاریخ وسال معلوم کرنے کے لئے جیسے قمر کو علامت قرار دیا ہے اسی طرح آفتاب کو بھی اس کی علامت فرمایا۔۔۔ لتعلموا عدد السنین والحساب، اس لئے تاریخ وسال کا حساب چاند اور سورج دونوں سے جائز ہے، لیکن اللہ تعالی نے اپنے احکام کے لئے چاند کے حساب کو پسند فرمایا، اور احکام شرعیہ اس پر دائر فرمائے، اس لئے قمری حساب کا محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے، اگر ساری امت قمری حساب ترک کرکے اس کو بھلادے تو سب گنہگار ہوں گے، اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی جائز ہے، لیکن سنت اللہ اور سنت سلف کے خلاف ضرور ہے، اس لئے بلا ضرورت اس کو اختیار کرنا اچھا نہیں۔

حساب کو پورا کرنے کے لئے جو لوند کا مہینہ بڑھایا جاتا ہے، بعض لوگوں نے اس کو بھی اس آیت کے تحت ناجائز سمجھا ہے، مگر وہ صحیح نہیں، کیونکہ اس حساب میں لوند کا مہینہ بڑھاتے ہیں اس سے احکام شرعیہ کا تعلق نہیں، اہل جاہلیت قمری اور

شرعی مہینوں میں زیادتی کر کے شرعی احکام کو بدلتے تھے' اس لئے منع کیا گیا لوند کا کوئی اثر شرعی احکام پر نہیں پڑتا اس لئے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں۔

غزوۂ تبوک کا بیان

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّا
قَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ O اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا
اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ O اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O
اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ O لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا
قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ
لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ O

اے ایمان والو تم کو کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ کوچ کرو اللہ کی راہ میں تو گرے جاتے ہو زمین پر کیا خوش ہو گئے دنیا کی زندگی پر آخرت کو چھوڑ کر سو کچھ نہیں نفع اٹھانا دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلہ میں مگر بہت تھوڑا۔ اگر تم نہ نکلو گے تو دے گا تم کو عذاب دردناک اور بدلہ میں لاوے گا

اور لوگ تمہارے سوا اور کچھ نہ بگاڑ سکو گے تم اس کا اور اللہ سب چیز پر قادر ہے۔ اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تو غم نہ کھا' بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے' پھر اللہ نے اتاری اپنی طرف سے اس پر تسکین اور اس کی مدد کو وہ فوجیں بھیجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں' اور نیچے ڈالی بات کافروں کی' اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے' اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔ نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔ اگر مال ہوتا نزدیک اور سفر ہلکا تو وہ لوگ ضرور تیرے ساتھ ہو لیتے لیکن لمبی نظر آئی ان کو مسافت اور اب قسمیں کھاویں گے اللہ کی کہ اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم ضرور چلتے تمہاری ساتھ' وبال میں ڈالتے ہیں اپنی جانوں کو' اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

تفسیر:

آیات مذکورہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے ایک اہم غزوہ کا بیان اور اس کے ضمن میں بہت سے احکام اور ہدایات ہیں' یہ غزوہ غزوہ تبوک کے نام سے موسوم ہے' اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تقریباً آخری غزوہ ہے۔

تبوک' مدینہ کے شمال میں سرحد شام پر ایک مقام کا نام ہے' شام اس وقت رومی مسیحیوں کی حکومت کا ایک صوبہ تھا' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۸ھ میں جب فتح مکہ اور غزوہ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے تو اس قت جزیرۃ العرب کے اہم

حصے اسلامی حکومت کے زیر نگیں آچکے تھے' اور مشرکین مکہ کی ہشت سالہ مسلسل جنگوں کے بعد اب مسلمانوں کو ذرا سکون کا وقت ملا تھا۔

مگر جس ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی **لیظھرہ علی الدین کلہ**۔ نازل فرما کر پورے عالم کی فتوحات اور اس میں اپنے دین حق کو غالب کرنے کی بشارت دے دی تھی اسؐ کو اور اس کے رفقاء کار کو فرصت کہاں' مدینہ پہنچتے ہی ملک شام سے آنے والے تجارت پیشہ لوگ جو شام سے زیتوں کا تیل لاکر مدینہ وغیرہ میں فروخت کیا کرتے تھے' ان لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ شاہ روم ہرقل نے اپنی فوجیں مقام تبوک میں سرحد شام پر جمع کر دی ہیں' اور فوجیوں کو پورے ایک سال کی تنخواہیں پیشگی دے کر مطمئن اور خوش کر دیا ہے' اور عرب کے بعض قبائل سے بھی ان کی سازباز ہے۔ ان کا تہیہ یہ ہے کہ مدینہ پر یکبارگی حملہ کریں۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپؐ نے یہ ارادہ فرمالیا کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے پیش قدمی کر کے وہیں مقابلہ کیا جائے جہاں ان کی فوجیں جمع ہیں۔ (تفسیر مظہری بحوالہ محمد بن یوسف صالحی)

یہ زمانہ اتفاق سے سخت گرمی کا زمانہ تھا اور مدینہ کے حضرات عموماً زراعت پیشہ لوگ تھے' ان کی کھیتیاں اور باغات کے پھل پک رہے تھے جس پر ان کی ساری معیشت اور پورے سال کے گذارہ کا مدار تھا' اور یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح ملازمت پیشہ لوگوں کی جیبیں مہینہ کے آخری دنوں میں خالی ہو جاتی ہیں اسی طرح زراعت پیشہ لوگ فصل کے ختم پر خالی ہاتھ ہوتے ہیں ایک طرف افلاس دوسری طرف قریب آمدنی کی امید' اس پر مزید موسم گرما کی شدت اس قوم کے لئے جس کو ابھی ابھی ایک حریف کے ساتھ آٹھ سال مسلسل جنگوں کے بعد ذرا دم لینے کا موقع ملا

تھا' ایک انتہائی صبر آزما امتحان تھا۔

مگر وقت کا تقاضا تھا' اور یہ جہاد اپنی نوعیت میں پہلی سب جنگوں سے اس لئے بھی ممتاز تھا کہ پہلے تو اپنی ہی طرح کے عوام سے جنگ تھی' اور یہاں ہرقل شاہ روم کی تربیت یافتہ فوج کا مقابلہ تھا' اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے پورے مسلمانوں کو اس جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دے دیا' اور کچھ آس پاس کے دوسرے قبائل کو بھی شرکت جہاد کے لئے دعوت دی تھی۔

یہ اعلان عام اسلام کے فداکاروں کا ایک سخت امتحان تھا' اور منافق دعویداروں کا امتیاز بھی' اس کے علاوہ لازمی نتیجہ کے طور پر اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کے مختلف حالات ہو گئے' قرآن کریم نے ان میں سے ہر حالت کے متعلق جدا جدا ارشادات فرمائے ہیں۔

ایک حالت ان کامل مکمل حضرات کی تھی جو بلا تردد جہاد کے لئے تیار ہو گئے' دوسرے وہ لوگ جو ابتداءً کچھ تردد کے بعد ساتھ ہو گئے' ان دونوں طبقوں کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم۔ "یعنی وہ لوگ قابل مدح ہیں جنہوں نے سخت تنگی کے وقت رسول کریمؐ کا اتباع کیا' بعد اس کے کہ ان میں سے ایک فریق کے قلوب لغزش کرنے لگے تھے۔"

تیسری حالت ان لوگوں کی تھی جو کسی صحیح عذر کی بناء پر اس جہاد میں نہ جا سکے' اس کے متعلق قرآن کریم نے آیت لیس علی الضعفاء و لا علی المرضیٰ میں ان کے عذر کی قبولیت کا اظہار فرما دیا۔

چوتھی قسم ان لوگوں کی تھی جو باوجود کوئی عذر نہ ہونے کے کاہلی کے سبب جہاد میں شریک نہیں ہوئے ان کے متعلق کئی آیتیں نازل ہوئیں' آخرون اعترفوا

بذنوبھم اوراخرون مرجون لامر اللہ اور وعلی الثلثۃ الذین خلفوا الآیۃ یہ تینوں آیتیں ایسے ہی حضرات کے بارے میں نازل ہوئیں جن میں ان کی کاہلی پر زجر و تنبیہ بھی ہے اور بالآخر ان کی توبہ کے قبول ہونے کی بشارت بھی۔

پانچواں طبقہ منافقین کا تھا جو اپنے نفاق کی وجہ سے اس سخت امتحان میں اپنے نفاق کو چھپا نہ سکا، اور شرکت جہاد سے الگ رہا، اس طبقہ کا ذکر بہت سی آیات میں آیا ہے۔

چھٹا طبقہ ان منافقین کا تھا جو جاسوسی اور شرارت کے لئے مسلمانوں کے ساتھ ہو لیا تھا ان کی حالت کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں ہے: وفیکم سمّٰعون لھم۔ ولئن سالتھم لیقولن۔ وھموا بما لم ینالوا۔

لیکن اس ساری سختی اور تکلیف کے باوجود شرکت جہاد سے باز رہنے والوں کی مجموعی تعداد پھر بھی برائے نام تھی، بھاری اکثریت انہی مسلمانوں کی تھی جو اپنے سارے منافع اور راحت کو قربان کر کے اللہ کی راہ میں ہر طرح کی مشقت برداشت کرنے کے لئے تیار ہو گئے، اسی لئے اس جہاد میں نکلنے والے اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی جو اس سے پہلے کسی جہاد میں نظر نہیں آئی۔

نتیجہ اس جہاد کا یہ ہوا کہ جب ہرقل شاہ روم کو مسلمانوں کی اتنی بڑی جمعیت کے مقابلہ پر آنے کی خبر پہنچی تو اس پر رعب طاری ہو گیا، مقابلہ پر نہیں آیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرشتہ خصلت صحابہ کرام کے لشکر کے ساتھ چند روز محاذ جنگ پر قیام کر کے جب مخالف کے مقابلہ پر آنے سے مایوس ہو گئے تو واپس تشریف لے آئے۔

جو آیتیں اوپر لکھی گئی ہیں بظاہر ان کا تعلق اس چوتھی جماعت سے ہے جو بغیر

کسی صحیح عذر کے اپنی سستی اور کاہلی کی بنا پر شریک جہاد نہیں ہوئے پہلی آیت میں ان کو اس کاہلی اور غفلت پر تنبیہ کی گئی اراس کے ساتھ ان کے اس مرض غفلت و کاہلی کا سبب اور پھر اس کا علاج بھی ارشاد فرمایا گیا، جس کے ضمن میں یہ بھی واضح ہو گیا کہ :

دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت تمام جرائم کی بنیاد ہے

کیونکہ مرض کا جو سبب اور علاج اس جگہ بیان فرمایا گیا ہے اگرچہ اس جگہ اس کا تعلق ایک خاص واقعہ سے تھا، لیکن اگر غور کیا جائے تو ثابت ہو گا کہ دین کے معاملہ میں ہر کوتاہی سستی اور غفلت اور تمام جرائم اور گناہوں کا اصلی سبب یہی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہے، اسی لئے حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حب الدنیا رأس کل خطیئة، یعنی دنیا کی محبت ہر خطا گناہ کی بنیاد ہے، اسی لئے آیت مذکورہ میں فرمایا گیا کہ :

> ”اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تمہیں اللہ کے راستہ میں نکلنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تم زمین کو لگے جاتے ہو (حرکت کرنا نہیں چاہتے) کیا تم آخرت کے بدلے صرف دنیا کی زندگی پر مگن ہو گئے“۔

تشخیص مرض کے بعد اس کا علاج اگلے جملہ میں اس طرح ارشاد ہوا کہ :

> ”دنیوی زندگی سے نفع اٹھانا تو کچھ بھی نہیں بہت قلیل و حقیر ہے“۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ بڑی فکر آخرت کی دائمی زندگی کی چاہئے، اور یہ فکر آخرت ہی در حقیقت سارے امراض کا واحد اور مکمل علاج ہے اور انسداد جرائم کے لئے بے نظیر نسخہ اکسیر ہے۔

عقائد اسلام کے بنیادی اصول تین ہیں، توحید، رسالت اور آخرت، ان میں عقیدہ آخرت در حقیقت اصلاح عمل کی روح اور جرائم اور گناہوں کے آگے ایک آہنی

دیوار ہے، اور غور کیا جائے تو بدیہی طور پر معلوم ہوگا کہ دنیا میں امن و سکون اس عقیدہ کے بغیر قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ آج کی دنیا میں مادی ترقیات اپنے شباب کو پہنچی ہوئی ہیں، جرائم کے انسداد کے لئے بھی کسی ملک و قوم میں مادی تدبیروں کی کوئی کمی نہیں، قانون کی جکڑ بندی اور اس کے لئے انتظامی مشینری روز بروز ترقی پر ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی آنکھوں دیکھا حال ہے کہ جرائم ہر جگہ اور ہر قوم میں روز بروز ترقی ہی پر ہیں، ہماری نظر میں اس کی وجہ اس کے سوا نہیں کہ مرض کی تشخیص اور علاج کا رخ صحیح نہیں، مرض کا سرچشمہ مادہ پرستی اور مادیات میں انہماک اور آخرت سے غفلت و اعراض ہے، اور اس کا واحد علاج ذکر اللہ اور آخرت کی فکر ہے، جس وقت اور جس جگہ بھی دنیا میں اس اکسیری نسخہ کو استعمال کیا گیا پوری قوم اور اس کا معاشرہ صحیح انسانیت کی تصویر بن کر فرشتوں کے لئے قابل رشک ہو گیا، عہد رسالت ؐ اور عہد صحابہ کرام کا مشاہدہ اس کے لئے کافی دلیل ہے۔

آج کی دنیا جرائم کا انسداد تو چاہتی ہے، مگر خدا و آخرت سے غافل ہو کر چاہتی ہے اور قدم قدم پر ایسے سامان جمع کرتی ہے جس میں رہ کر خدا و آخرت کی طرف دھیان بھی نہ آئے تو اس کا لازمی نتیجہ وہی تھا جو آنکھوں کے سامنے آ رہا ہے، کہ بہتر سے بہتر قانون اور قانونی مشینریاں سب فیل نظر آتی ہیں، جرائم اپنی جگہ نہ صرف موجود بلکہ روز بروز طوفانی رفتار سے بڑھ رہے ہیں، کاش ایک مرتبہ عقلاء دنیا اس قرآنی نسخہ کو استعمال کر کے دیکھیں تو انہیں معلوم ہو کہ کس قدر آسانی کے ساتھ جرائم پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

دوسری آیت میں سستی اور کاہلی برتنے والوں کو ان کے مرض اور علاج پر متنبہ کرنے کے بعد آخری فیصلہ یہ بھی سنا دیا کہ:

”اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلے تو اللہ تعالی تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیں گے اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو کھڑا کر دیں گے، اور دین پر عمل نہ کرنے سے تم اللہ کو یا اللہ کے رسولؐ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکو گے، کیونکہ اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے“۔

تیسری آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا واقعہ پیش کر کے یہ بتلا دیا گیا کہ اللہ تعالی کا رسولؐ کسی انسان کی نصرت و امداد کا محتاج نہیں، اللہ تعالی آپؐ کو براہ راست غیب سے امداد پہنچا سکتے ہیں، جیسا کہ ہجرت کے وقت پیش آیا، جب آپؐ کو آپؐ کی برادری اور اہل وطن نے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا، سفر میں آپ کا رفیق بھی ایک صدیقؓ کے سوا کوئی نہ تھا، دشمنوں کے پیادے اور سوار تعاقب کر رہے تھے، آپؐ کی جائے پناہ بھی کوئی مستحکم قلعہ نہ تھا بلکہ ایک غار تھا جس کے کنارے تک تلاش کرنے والے دشمن پہنچ چکے تھے اور رفیق غار ابوبکرؓ کو اپنی جان کا تو غم نہ تھا، مگر اس لئے سہم رہے تھے کہ یہ دشمن سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو جائیں گے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ ثبات بنے ہوئے نہ صرف خود مطمئن تھے بلکہ اپنے رفیق صدیقؓ کو فرما رہے تھے لا تحزن ان اللہ معنا ”تم غمگین نہ ہو کیونکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے“۔

یہ بات کہنے کو تو دو لفظ ہیں جن کا بولنا کچھ مشکل نہیں، مگر سننے والے حالات کا پورا نقشہ سامنے رکھ کر دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں کہ محض مادیات پر نظر رکھنے والے سے یہ اطمینان ممکن ہی نہیں، اس کا سبب اس کے سوا نہ تھا جس کو قرآن نے اگلے جملے میں ارشاد فرمایا کہ:

”اللہ تعالی نے آپؐ کے قلب مبارک پر تسلی نازل فرمادی، اور ایسے

لشکروں سے آپ کی امداد فرمائی، جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا"۔

یہ لشکر فرشتوں کے لشکر بھی ہو سکتے ہیں اور پورے عالم کی قوتیں خود بھی خدائی لشکر ہیں وہ بھی ہو سکتی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر کفر کا کلمہ پست ہو کر رہا، اور اللہ ہی کا بول بالا ہوا۔

چوتھی آیت میں پھر تاکید کے طور پر اس حکم کا اعادہ فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دے دیا تو تم پر نکلنا ہر حال میں فرض ہو گیا، اور اسی حکم کی تعمیل ہی میں تمہاری ہر بھلائی کا انحصار ہے۔

پانچویں آیت میں جہاد میں بوجہ غفلت و سستی شریک نہ ہونے والوں کے ایک عذر کا بیان کر کے اس کی تردید کی گئی ہے کہ یہ عذر قابل قبول نہیں، کیونکہ اللہ تعالی نے ان کو جو اختیار اور قدرت عطا فرمائی تھی انہوں نے اس کو اللہ کی راہ میں مقدور بھر استعمال نہیں کیا۔ اس لئے عزم استطاعت کا صحیح نہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ج لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ O لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ O اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ O وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ O لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ج وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ O لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ

كٰرِهُوْنَ O وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ط اَلَا فِي الْفِتْنَةِ
سَقَطُوْا ط وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ O اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ
تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا
وَّهُمْ فَرِحُوْنَ O قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ج هُوَ مَوْلٰنَا ج وَ
عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ O قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى
الْحُسْنَيَيْنِ ط وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ
اَوْ بِاَيْدِيْنَا. فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ O

اللہ بخشے تجھ کو کیوں رخصت دے دی تو نے ان کو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے تجھ پر سچ کہنے والے اور جان لیتا تو جھوٹوں کو، نہیں رخصت مانگتے تجھ سے وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اس سے کہ لڑیں اپنے مال اور جان سے اور اللہ خوب جانتا ہے ڈر والوں کو، رخصت وہی مانگتے ہیں تجھ سے جو نہیں ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور شک میں پڑے ہیں دل ان کے سو وہ اپنے شک ہی میں بھٹک رہے ہیں، اور اگر وہ چاہتے نکلنا تو ضرور تیار کرتے کچھ سامان اس کا لیکن پسند نہ کیا اللہ نے ان کا اٹھنا سو روک دیا ان کو اور حکم ہوا کہ بیٹھے رہو ساتھ بیٹھنے والوں کے، اگر نکلتے تم میں تو کچھ نہ بڑھاتے تمہارے لئے مگر خرابی اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے اندر بگاڑ کروانے کی تلاش میں اور تم میں بعضے جاسوس ہیں ان کے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو، وہ تلاش کرتے رہے ہیں بگاڑ کی پہلے سے اور الٹتے رہے ہیں تیرے کام یہاں تک کہ آ پہنچا سچا وعدہ اور غالب ہوا حکم اللہ کا اور وہ ناخوش ہی رہے۔ اور بعضے ان میں کہتے ہیں مجھ کو رخصت دے اور

گمراہی میں نہ ڈال، سنتا ہے! وہ تو گمراہی میں پڑ چکے ہیں اور بیشک دوزخ گھیر رہی ہے کافروں کو، اگر تجھ کو پہنچے کوئی خوبی تو وہ بری لگتی ہے ان کو اور اگر پہنچے کوئی سختی تو کہتے ہیں ہم نے تو سنبھال لیا اپنا کام پہلے ہی اور پھر کر جائیں خوشیاں کرتے، تو کہہ دے ہم کو ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لئے وہی ہے کارساز ہمارا، اور اللہ ہی پر چاہیئے کہ بھروسہ کریں مسلمان، تو کہہ دے تم کیا امید کرو گے ہمارے حق میں مگر دو خوبیوں میں سے ایک کی اور ہم امیدوار ہیں تمہارے حق میں کہ ڈالے تم پر اللہ کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سو منتظر رہو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

تفسیر:

اس پورے رکوع کی سترہ آیتوں میں بیشتر ان منافقین کا ذکر ہے، جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کر کے غزوہ تبوک میں نہ جانے کی اجازت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کر لی تھی، اس کے ضمن میں بہت سے احکام و مسائل اور ہدایات ہیں۔

پہلی آیت میں ایک لطیف انداز سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی شکایت ہے کہ ان منافقین نے جھوٹ بول کر اپنے آپ کو معذور ظاہر کیا اور آپؐ نے قبل اس کے کہ ان کے حال کی تحقیق کر کے جھوٹ سچ کا پتہ لگاتے ان کو رخصت دے دی، جس کی بناء پر یہ لوگ خوشیاں مناتے اور یہ کہتے پھرے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب دھوکہ دیا، اگرچہ اگلی آیتوں میں حق تعالیٰ نے اس کا بھی اظہار فرمادیا کہ یہ لوگ محض حیلہ جوئی کے لئے عذر پیش کر رہے تھے، ورنہ اگر ان

کو اجازت نہ دی جاتی جب بھی یہ لوگ جانے والے نہ تھے اور ایک آیت میں اس کا بھی اظہار فرمایا کہ اگر بالفرض یہ لوگ اس جہاد میں جاتے بھی تو ان سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا بلکہ ان کی سازش اور فتنہ پردازی سے اور خطرہ ہوتا۔

لیکن منشاء یہ ہے کہ ان کو اگر اجازت نہ دی جاتی تو پھر بھی یہ جانے والے تو نہ تھے، مگر ان کا نفاق کھل جاتا، اور ان کو مسلمانوں پر یہ طعنے کسنے کا موقع نہ ملتا کہ ہم نے ان کو خوب بے وقوف بنایا، اور مقصد در حقیقت عتاب نہیں بلکہ یہ بات ہے کہ آئندہ ان لوگوں کی چالوں سے باخبر رہیں، اور صورۃ جو ایک قسم کا عتاب بھی ہے تو کس لطف و عنات کے ساتھ کہ عتاب کی بات جو **لم اذنت لهم** سے شروع ہوئی ہے، یعنی آپؐ نے ان لوگوں کو کیوں اجازت دے دی اس کے ذکر کرنے سے پہلے ہی **عفا الله عنك** ذکر فرمادیا جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف فرمادیا۔

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب و مقام اور آپؐ کے تعلق مع اللہ پر نظر رکھنے والے حضرات نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ عیلہ وسلم کو جو غایت تعلق حضرت حق جل شانہ کے ساتھ تھا اس کے پیش نظر آپؐ کا قلب مبارک اس کا تحمل ہی نہ کر سکتا تھا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے کسی معاملہ میں آپؐ سے جواب طلب کیا جائے، اگر شروع میں **لم اذنت لهم** کے الفاظ ذکر فرمادیئے جاتے جن میں صورۃ جواب طلبی کا عنوان ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک اس کا تحمل نہ کر سکتا، اس لئے اس سے پہلے **عفا الله عنك** فرما کر ایک طرف تو اس پر مطلع کر دیا کہ کوئی ایسا کام ہو گیا ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہ تھا، دوسری طرف اس کی معافی کی اطلاع پہلے دے دی تا کہ اگلا کلام قلب مبارک پر زیادہ شاق نہ ہو۔

اور لفظ معافی سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ معافی تو جرم و گناہ کی ہوا کرتی ہے، اور

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گناہ سے معصوم ہیں تو پھر معافی کے یہاں کیا معنی ہو سکتے ہیں وجہ یہ ہے کہ معافی جیسے گناہ کی ہوتی ہے ایسے ہی خلاف اولیٰ اور ناپسندیدہ چیز کے لئے بھی معافی کا استعمال کیا جاسکتا ہے، اور وہ عصمت کے منافی نہیں۔

دوسری اور تیسری آیت میں مؤمنین اور منافقین کا یہ فرق بتلادیا کہ اللہ تعالی پر صحیح ایمان رکھنے والے ایسے موقع پر کبھی اپنی جان ومال کی محبت میں جہاد سے جان چرانے کے لئے آپؐ سے رخصت نہیں مانگا کرتے بلکہ یہ کام صرف انہی لوگوں کا ہے جن کا اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان صحیح نہیں، اور اللہ تعالی متقی لوگوں کو خوب جانتے ہیں۔

چوتھی آیت میں ان کا عذر غلط ہونے کا ایک قرینہ یہ بتلایا گیا ہے کہ **ولو ارادوا الخروج لاعدوله عدةً**، یعنی اگر واقعی یہ لوگ جہاد کے لئے نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لئے ضروری تھا کہ کچھ تیاری بھی تو کرتے، لیکن انہوں نے کوئی تیاری نہیں کی جس سے معلوم ہوا کہ عذر کا بہانہ غلط تھا، درحقیقت ان کا ارادہ ہی جہاد کے لئے نکلنے کا نہیں تھا۔

عذر معقول اور نامعقول میں امتیاز :

اس آیت سے ایک اہم اصول مستفاد ہوا، جس سے معقول اور نامعقول عذر میں امتیاز کیا جاسکتا ہے، وہ یہ کہ عذر انہی لوگوں کا قابل قبول ہو سکتا ہے جو تعمیل حکم کے لئے تیار ہوں، پھر کسی اتفاقی حادثہ کے سبب معذور ہو گئے، معذوروں کے تمام معاملات کا یہی حکم ہے جس نے تعمیل حکم کے لئے کوئی تیاری ہی نہیں کی اور ارادہ ہی نہیں کیا، پھر کوئی عذر بھی پیش آگیا تو یہ عذر گناہ بدتر از گناہ کی ایک مثال ہو گی، صحیح عذر نہ سمجھا جائے گا، جو شخص نماز جمعہ کی حاضری کے لئے تیاری مکمل کر چکا ہے اور جانے کا ارادہ کر رہا ہے کہ دفعتہً کوئی ایسا عذر پیش آگیا جس کی وجہ سے نہ جاسکا تو اس کا عذر

معقول ہے، اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اس کی عبادت کا پورا اجر عطا فرماتے ہیں، اور جس نے کوئی تیاری کی ہی نہیں، پھر اتفاقاً کوئی عذر بھی سامنے آگیا تو وہ محض ایک بہانہ ہے۔

صبح کو سویرے نماز کے لئے اٹھنے کی تیاری پوری کی، گھڑی میں الارم لگایا، یا کسی کو مقرر کیا جو وقت پر جگائے، پھر اتفاق سے یہ تدبیریں غلط ہو گئیں جس کی وجہ سے نماز قضا ہو گئی، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ التعریس میں پیش آیا کہ وقت پر جاگنے کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ حضرت بلالؓ کو بٹھادیا کہ وہ صبح ہوتے ہی سب کو جگادیں، مگر اتفاق سے ان پر بھی نیند غالب آگئی، اور آفتاب نکل آنے کے بعد سب کی آنکھ کھلی، تو یہ عذر صحیح اور معقول ہے، جس کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: **لا تفریط فی النوم انما التفریط فی الیقظۃ**، یعنی نیند میں آدمی معذور ہے، کوتاہی وہ ہے جو جاگتے ہوئے کوتاہی کرے، وجہ یہ تھی کہ اپنی طرف سے وقت پر جاگنے کا انتظام مکمل کر لیا گیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تعمیل حکم کے لیے تیاری کرنے یا نہ کرنے ہی سے کسی عذر کے معقول یا نا معقول ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، محض زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں ہوتا۔

پانچویں آیت میں دھوکہ سے اجازت لینے والے منافقین کا یہ حال بھی بتلا دیا گیا کہ ان کا جہاد میں نہ جانا ہی بہتر تھا، اگر وہ جاتے تو سازشوں اور جھوٹی خبروں سے فساد ہی پھیلاتے، **وفیکم سمٰعون لھم** "یعنی تم میں کچھ بھولے بھالے مسلمان ایسے بھی ہیں جو ان کی جھوٹی افواہوں سے متاثر ہو سکتے تھے"۔

لقد ابتغوا الفتنۃ من قبل "یعنی یہ لوگ اس سے پہلے بھی ایسا فتنہ و فساد پھیلا چکے ہیں" جیسے غزوہ احد میں پیش آیا تھا۔

وظهر امر الله وهم كٰرهون ، یعنی ”غالب آیا حکم اللہ کا حالانکہ منافقین اس سے بہت پیچ و تاب میں تھے“ اس سے اشارہ فرما دیا کہ غلبہ اور فتح حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، جیسا پہلے واقعات میں آپ کو فتح دی گئی، اس جہاد میں بھی ایسا ہی ہوگا اور منافقین کی سب چالیں ناکام ہو جائیں گی۔

چھٹی آیت میں ایک خاص منافق جد بن قیس کا ایک خاص بہانہ ذکر کر کے اس کی گمراہی بیان فرمائی ہے، اس نے جہاد میں جانے سے یہ عذر پیش کیا تھا کہ میں نوجوان آدمی ہوں، رومیوں کے مقابلہ پر جاؤں گا تو ان کی حسین عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے، قرآن کریم نے اس کے جواب میں فرمایا الا فی الفتنة سقطوا کہ یہ بے وقوف ایک موہوم فتنہ کا بہانہ کر کے ایک یقینی فتنہ یعنی امر رسول کے خلاف ورزی اور ترک جہاد کے گناہ میں فی الحال مبتلا ہو گئے۔

وان جهنم لمحيطة بالكٰفرين ، یعنی جہنم ان سب کافروں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے جس سے نکل نہیں سکتے، اس کی مراد یا تو یہ ہے کہ آخرت میں جہنم ان کو گھیرے میں لے لے گی اور یا یہ کہ جہنم میں پہنچنے کے اسباب جو اس وقت ان کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں، انہی کو جہنم سے تعبیر فرما دیا، اسی معنی کے اعتبار سے گویا فی الحال بھی یہ لوگ جہنم ہی کے دائرہ میں ہیں۔

ساتویں آیت میں ان کی ایک اور کم ظرفی کا بیان ہے کہ یہ لوگ اگرچہ ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ ملے رہتے ہیں، لیکن حال یہ ہے کہ ان تصبك حسنة تؤهم یعنی اگر آپ کو کوئی فتح اور کامیابی حاصل ہوتی ہے تو ان کو سخت ناگوار ہوتا ہے، وان تصبك مصيبة يقولوا قد اخذنا امرنا من قبل ويتولوا وهم فرحون “یعنی اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی جانتے تھے کہ یہ

لوگ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال رہے ہیں' اسی لیے ہم نے اپنی مصلحت کو اختیار کیا' ان کے ساتھ شریک نہیں ہوئے اور یہ کہہ کر وہ خوشی خوشی واپس ہو جاتے ہیں"۔

آٹھویں آیت میں حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو منافقین کے مذکورہ اقوال سے متاثر نہ ہونے اور اصل حقیقت کو ہمیشہ سامنے رکھنے کی ہدایت ان الفاظ میں دی: قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا هو مولانا و علی اللہ فلیتوکل المؤمنون "یعنی آپ ان مادی اسباب کی پرستش کرے والوں کو بتلا دیجئے کہ تم دھوکہ میں ہو یہ مادی اسباب محض ایک پردہ ہیں' ان کے اندر کام کرنے والی قوت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے' ہمیں جو حال پیش آتا ہے وہ سب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے' اور وہی ہمارا مولیٰ اور مددگار ہے' اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اسی پر اصل بھروسہ رکھیں' مادی اسباب کو صرف اسباب و علامات ہی کی حیثیت سے دیکھیں' ان پر کسی بھلائی یا برائی کا مدار نہ جانیں۔

اعتقاد تقدیر استعمال تدبیر کے ساتھ ہونا چاہئے

بے تدبیری کا نام توکل رکھنا غلط ہے:

اس آیت نے مسئلہ تقدیر اور مسئلہ توکل کی اصل حقیقت بھی واضح کر دی کہ تقدیر و توکل پر یقین رکھنے کا یہ حاصل نہ ہونا چاہیے کہ آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے' اور یہ کہے کہ جو کچھ قسمت میں ہو گا وہ ہو جائے گا بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ اسباب اختیاریہ کے لئے اپنی پوری توانائی اور ہمت صرف کی جائے اور بعد قدرت اسباب جمع کرنے کے بعد معاملہ کو تقدیر و توکل کے حوالہ کریں' نظر صرف اللہ تعالیٰ پر رکھیں کہ نتائج ہر کام کے اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

مسئلہ تقدیر و توکل میں عام دنیا کے لوگ بڑی افراتفری میں پائے جاتے ہیں'

کچھ بے دین لوگ تو وہ ہیں جو سرے سے تقدیر و توکل کے قائل ہی نہیں انہوں نے مادی اسباب ہی کو خدا بنایا ہوا ہے، اور کچھ ناواقف ایسے بھی ہیں جنہوں نے تقدیر و توکل کو اپنی کم ہمتی اور بے کاری کا بہانہ بنالیا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاد کے لئے پوری پوری تیاری اور اس کے بعد اس آیت کے نزول نے افراط و تفریط کو ختم کر کے صحیح راہ دکھلا دی کہ "بر توکل زانوئے اشتر بہ بند۔" یعنی اسباب اختیار یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی دی ہوئی نعمت ہیں، ان سے فائدہ نہ اٹھانا ناشکری اور بے وقوفی ہے البتہ اسباب کو اسباب کے درجہ سے آگے نہ بڑھاؤ، اور عقیدہ یہ رکھو کہ نتائج و ثمرات ان اسباب کے تابع نہیں، بلکہ فرمان حق جل شانہ کے تابع ہیں۔

نویں آیت نے مرد مؤمن کی ایک البیلی شان کا ذکر کر کے ان کی مصیبت پر خوش ہونے والے منافقین کو یہ جواب دے دیا کہ تم جس چیز کو ہمارے لئے مصیت سمجھ کر خوش ہوتے ہو ہمارے نزدیک وہ مصیبت بھی مصیبت نہیں، بلکہ راحت و کامیابی ہی کی ایک دوسری صورت ہے، کیونکہ مرد مؤمن اپنے عزم میں ناکام ہو کر بھی دائمی اجر و صلہ کا مستحق بنتا ہے، جو ساری کامیابیوں کا مقصود اصلی ہے، اس لئے وہ ناکام ہو کر بھی کامیاب رہتا ہے، اور بگڑنے میں بھی بنتا ہے۔

نہ شوخی چل سکی باد صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

مذکورہ آیت میں هل تربصون بنا الا احدی الحسنیین کا یہی مطلب ہے اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ کفار کا حال اس کے بالکل برعکس ہے کہ ان کو کسی حال عذاب مصیبت سے چھٹکارا نہیں، یا تو دنیا ہی میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان پر خدا کا عذاب آجائے گا، اور اس طرح دنیا و آخرت دونوں میں وہ عذاب چکھیں گے، اور اگر

دنیا میں کسی طرح اس سے بچ گئے تو آخرت کے عذاب سے خلاصی کا کوئی امکان نہیں۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ط اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا
فٰسِقِيْنَ ○ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ
وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ
كٰرِهُوْنَ ○ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ط اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ
لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○
وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ط وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ○
لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ○
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ ج فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ
يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗ لا وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ لا اِنَّآ اِلَى
اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ○

کہہ دے کہ مال خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہ ہوگا تم سے بیشک تم نافرمان لوگ ہو، اور موقوف نہیں ہوا قبول ہونا ان سے خرچ کا مگر اسی بات پر کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور نہیں آتے نماز کو مگر ہارجی سے اور خرچ نہیں کرتے مگر برے دل سے، سو تو تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے، یہی چاہتا ہے اللہ کہ ان کو عذاب میں رکھے ان چیزوں کیوجہ سے دنیا کی زندگی میں اور نکلے ان کی جان اور وہ اس وقت تک کافر ہی رہیں اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ بیشک تم میں ہیں اور وہ تم میں نہیں ولیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں تم سے، اگر وہ پاویں کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا سر

گھسانے کو جگہ تو الٹے بھاگیں اسی طرف رسیاں تڑاتے‘ اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں خیرات بانٹنے میں سو اگر ان کو ملے اس میں سے تو راضی ہوں اور اگر نہ ملے تو جب ہی وہ ناخوش ہو جاویں‘ اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہو جاتے اسی پر جو دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہم کو اللہ اور وہ دے گا ہم کو اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہم کو تو اللہ ہی چاہیے۔

تفسیر:

سابقہ آیات میں منافقین کی بد اخلاقی اور بد اعمالی کا ذکر تھا‘ مذکورہ تمام آیات میں بھی یہی مضمون ہے: انما یرید اللہ لیعذبهم بها‘ میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ منافقین کے مال و اولاد ان کے لئے نعمت نہیں عذاب ہیں‘ وجہ اس کی یہ ہے کہ دنیا کی محبت میں انہماک انسان کے لئے اس دنیا ہی میں ایک عذاب و مصیبت بن جاتا ہے‘ اول مال دنیا کے حاصل کرنے کی تمناؤں اور پھر تدبیروں میں کیسی کیسی محنت‘ مشقت اور کوفت جسمانی اور روحانی اٹھانی پڑتی ہے‘ نہ دن کا چین نہ رات کی نیند‘ نہ اپنے تن بدن کی خبر‘ نہ اہل و عیال ہی میں دل بہلانے کی فرصت‘ پھر اگر وہ حاصل ہو گیا تو اس کی حفاظت اور اس کے بڑھانے کی فکر دن رات کا عذاب ہے‘ اور اگر ذرا سا نقصان ہو گیا یا کوئی بیماری پیش آگئی‘ تو غموں کا پہاڑ آپڑا۔ اور اگر ساری چیزیں اتفاق سے طبیعت اور خواہش کے مطابق حاصل بھی ہو جائیں تو اس کے گھٹ جانے کا اندیشہ اور بڑھاتے چلے جانے کی فکر کسی وقت چین نہیں لینے دیتی۔

پھر جب آخر کار یہ چیزیں موت کے وقت یا پہلے ہی اس کے ہاتھ سے جاتی ہیں تو اس پر حسرت و یاس مسلط ہو جاتی ہے‘ یہ سب عذاب ہی عذاب ہے‘ جس کو

بے وقوف انسان جس نے سامان راحت کا نام راحت رکھ لیا ہے' اور حقیقی راحت یعنی قلب کا سکون و اطمینان' اس کی اس کو ہوا بھی نہیں لگی' اس لئے سامانِ راحت ہی کو راحت سمجھ کر اس پر مگن رہتا ہے' جو حقیقت میں اس کے لئے دنیا کے چین و آرام کا بھی دشمن ہے اور آخرت کے عذاب کا مقدمہ بھی۔

کیا صدقات کا مال کافر کو دیا جاسکتا ہے؟

آخری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اموال صدقات میں سے منافقین کو بھی حصہ ملا کرتا تھا' مگر وہ خواہش کے مطابق نہ ملنے پر ناراض ہوجاتے اور طعن و تشنیع کرنے لگتے تھے' یہاں اگر صدقات سے مراد عام معنی لئے جائیں جس میں صدقات واجبہ اور نافلہ سب شامل ہیں' تو کوئی اشکال ہی نہیں کیونکہ نفلی صدقات میں سے غیر مسلموں کو دینا باتفاق امت جائز اور سنت سے ثابت ہے' اور اگر صدقات سے مراد اس جگہ صدقات فرض' زکوٰۃ' عشر وغیرہ ہی ہوں' تو منافقین کو اس میں سے حصہ دینا اس بناء پر تھا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے' اور ظاہری کوئی حجت ان کے کفر پر قائم نہ ہوئی تھی' اور اللہ تعالیٰ نے بمصلحت حکم یہی دے رکھا تھا کہ منافقین کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ (بیان القرآن ملخصاً)

لا یأتون الصلوٰۃ الا وھم کسالی'' اس آیت میں منافقین کی دو علامتیں بتلائی گئی ہیں' ایک یہ کہ نماز کو آویں تو سستی کاہلی اور ہارے جی سے آویں دوسرے اللہ کی راہ میں خرچ کریں تو ناگواری کے ساتھ خرچ کریں۔

اس میں مسلمانوں کو بھی اس پر تنبیہ ہے کہ نماز میں سستی' کاہلی اور زکوٰۃ و صدقات سے دلی ناگواری پیدا ہونا علامت نفاق ہے' مسلمانوں کو کوشش کرکے ان علامات سے بچنا چاہئے۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ
قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط
فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ O

زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پر جانا منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے رستہ میں اور راہ کے مسافر کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا، اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

تفسیر :

مصارف الصدقات اس سے پہلی آیتوں میں صدقات کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض منافقین کے اعتراضات اور جوابات کا ذکر تھا جس میں منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگایا تھا کہ آپ (معاذ اللہ) صدقات کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے۔ جس کو چاہتے ہیں جو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اس آیت میں حق تعالیٰ نے مصارف صدقات کو متعین فرما کر ان کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات خود متعین فرما دی ہے کہ صدقات کن لوگوں کو دینے چاہئیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم صدقات میں اسی ارشاد ربانی کی تعمیل فرماتے ہیں۔ اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے۔ اس کی تصدیق اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ابو داؤد اور دار قطنی نے حضرت زیاد بن حارث صدائی کی روایت سے نقل کی ہے۔ یہ فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ ان کی قوم کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر مسلمانوں کا روانہ فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ لشکر نہ بھیجیں۔ میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ وہ

مطیع اور فرمان بردار ہو کر آجائیں گے۔ پھر میں نے اپنی قوم کو خط لکھا تو سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اس پر آپ نے فرمایا اخا صداء المطاع فی قومه جس میں گویا ان کو یہ جواب دیا گیا کہ اپنی قوم کے محبوب مقتدا ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ان کو ہدایت ہو گئی۔ اور وہ مسلمان ہو گئے۔

یہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی اس مجلس میں حاضر تھا کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو یہ جواب دیا کہ صدقات کی تقسیم کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے بھی حوالہ نہیں کیا بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرما دیئے ہیں۔ اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو تمہیں دے سکتا ہوں (انتھی تفسیر قرطبی صفحہ ۱۶۸ ج ۸) آیت کا شان نزول معلوم کرنے کے بعد آیت کی مکمل تفسیر اور تشریح سننے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ جل شانہ نے تمام مخلوقات انسان حیوان وغیرہ کو رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها اور ساتھ ہی اپنی حکمت بالغہ سے ایسی نہیں کیا کہ سب کو رزق میں برابر کر دیتے۔ غنی فقیر کا فرق نہ رہتا اس میں انسان کی اخلاقی تربیت اور نظام عالم سے متعلق سینکڑوں حکمتیں ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں اس حکمت کے ماتحت کسی کو مال دار بنا دیا' کسی کو غریب فقیر' پھر مال داروں کے مال میں غریب فقیر کا حصہ لگا دیا' ارشاد فرمایا وفی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم جس میں بتلا دیا کہ مالداروں کے مال میں اللہ تعالیٰ نے ایک معین مقدار کا حصہ فقراء کے لئے رکھ دیا ہے' جو ان فقراء کا حق ہے۔

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ مال داروں کے مال میں سے جو صدقہ نکالنے

کا حکم دیا گیا ہے یہ کوئی ان کا احسان نہیں، بلکہ فقراء کا ایک حق ہے، جس کی ادائیگی ان کے ذمہ ضروری ہے، دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حق اللہ تعالیٰ کے نزدیک متعین ہے، یہ نہیں کہ جس کا جی چاہے، جب چاہے اس میں کمی بیشی کر دے، اللہ تعالیٰ نے اس معین حق کی مقدار بھی بتلانے کا کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا، اور اسی لئے آپؐ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ صحابہ کرام کو صرف زبانی بتلا دینے پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ اس معاملہ کے متعلق مفصل فرمان لکھوا کر حضرت فاروق اعظم اور عمرو بن حزم کو سپرد فرمائے، جس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ زکوٰۃ کے نصاب اور ہر نصاب میں سے مقدار زکوٰۃ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے واسطہ سے متعین کر کے بتلا دیئے ہیں، اس میں کسی زمانہ اور کسی ملک میں کسی کو کمی بیشی یا تغیر و تبدل کا کوئی حق نہیں۔

صدقہ، زکوٰۃ کی فرضیت صحیح یہ ہے کہ اوائل اسلام ہی میں مکہ مکرمہ کے اندر نازل ہو چکی تھی، جیسا کہ امام تفسیر ابن کثیرؒ نے سورہ مزمل کی آیت فاقیموا الصلوٰ واتوا الزکوٰۃ سے استدلال فرمایا ہے، کیونکہ یہ سورۃ بالکل ابتداء وحی کے زمانہ کی سورتوں میں سے ہے، اس میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم بھی ہے، البتہ روایات حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اسلام میں زکوٰۃ کے لئے کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی، بلکہ جو کچھ ایک مسلمان کی اپنی ضرورتوں سے بچ رہے وہ سب ال کی راہ میں خرچ کیا جاتا تھا، نصابوں کا تعین اور مقدار زکوٰۃ کا بیان بعد از ہجرت مدینہ طی میں ہوا ہے، اور پھر زکوٰۃ و صدقات کی وصول یابی کا نظام حکمانہ انداز کا تو فتح مکہ کے عمل میں آیا ہے۔

اس آیت میں باجماع صحابہ و تابعین اسی صدقہ واجبہ کے مصارف کا بیان

جو نماز کی طرح مسلمانوں پر فرض ہے، کیونکہ جو مصارف اس آیت میں متعین کیے گئے ہیں وہ صدقات فرض کے مصارف ہیں، نفلی صدقات میں روایات کی تصریحات کی بنا پر بہت وسعت ہے، وہ ان آٹھ مصارف میں منحصر نہیں ہیں۔

اگرچہ اوپر کی آیات میں صدقات کا لفظ عام صدقات کے لئے استعمال ہوا ہے، جس میں واجب اور نفلی دونوں داخل ہیں، مگر اس آیت میں باجماع امت صدقات فرض ہی کے مصارف کا بیان مراد ہے، اور تفسیر قرطبی میں ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں لفظ صدقہ مطلقاً بولا گیا ہے اور کوئی قرینہ نفلی صدقہ کا نہیں ہے تو وہاں صدقہ فرض ہی مراد ہوتا ہے۔

اس آیت کو لفظ انما سے شروع کیا گیا ہے، یہ لفظ حصر و انحصار کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس شروع ہی کے کلمہ نے بتلادیا کہ صدقات کے جو مصارف آگے بیان ہو رہے ہیں تمام صدقات واجبہ صرف انہیں میں خرچ ہونے چاہئیں، ان کے علاوہ کسی دوسرے مصرف خیر میں صدقات واجبہ صرف نہیں ہو سکتے، جیسے جہاد کی تیاری، یا بناء مسجد و مدارس یا دوسرے رفاہ عام کے ادارے، یہ سب چیزیں بھی اگرچہ ضروری ہیں، اور ان میں خرچ کرنے کا بہت بڑا ثواب ہے، مگر صدقات فرض جن کی مقداریں متعین کر دی گئی ہیں، ان کو ان میں نہیں لگایا جا سکتا۔

آیت کا دوسرا لفظ صدقات، صدقہ کی جمع ہے، صدقہ لغت میں اس مال کے جز کو کہا جاتا ہے جو اللہ کے لئے خرچ کیا جائے (قاموس) امام راغبؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ صدقہ کو صدقہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا دینے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے قول و فعل میں صادق ہوں، اس کے خرچ کرنے کی کوئی غرض دینوی نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر رہا ہوں، اسی لئے جس صدقہ میں

کوئی نام ونمود یا دنیوی غرض شامل ہو جائے قرآن کریم نے اس کو کالعدم قرار دیا ہے۔

لفظ صدقہ اپنے اصلی معنی کی رو سے عام ہے، نفلی صدقہ کو بھی کہا جاتا ہے، فرض زکوٰۃ کو بھی، نفل کے لئے اس کا استعمال عام ہے ہی، فرض کے لئے بھی قرآن کریم میں بہت جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے **خذ من اموالھم صدقۃ** اور آیت زیر بحث انما الصدقات وغیرہ بلکہ قرطبیؒ کی تحقیق تو یہ ہے کہ قرآن میں جب مطلق لفظ صدقہ بولا جاتا ہے تو اس سے صدقہ فرض ہی مراد ہوتا ہے، اور روایات حدیث میں لفظ صدقہ ہر نیک کام کے لئے بھی استعمال ہوا ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان سے خوش ہو کر ملنا بھی صدقہ ہے، کسی بوجھ اٹھانے والے کا بوجھ اٹھوا دینا بھی صدقہ ہے، کنویں سے پانی کا ڈول اپنے لئے نکالا اس میں سے کسی دوسرے کو دے دینا بھی صدقہ ہے، اس حدیث میں لفظ صدقہ مجازی طور پر عام معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

تیسرا لفظ اس کے بعد للفقراء سے شروع ہوا ہے، اس کے شروع میں حرف لام ہے جو تخصیص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس لئے معنی جملہ کے یہ ہوں گے کہ تمام صدقات صرف انہی لوگوں کا حق ہے جن کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔

اب ان آٹھ مصارف کی تفصیل سنئے جو اس کے بعد مذکور ہیں:

ان میں پہلا مصرف فقراء ہیں، دوسرا مساکین، فقیر اور مسکین کے اصلی معنی میں اگرچہ اختلاف ہے، ایک کے معنی ہیں جس کے اس کچھ نہ ہو، دوسرے کے معنی ہیں جس کے پاس نصاب سے کم ہو، لیکن حکم زکوٰۃ میں دونوں یکساں ہیں، کوئی اختلاف نہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال نہ ہو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا بھی جائز ہے، ضروریات میں رہنے کا مکان استعمالی برتن اور کپڑے اور فرنیچر وغیرہ سب داخل

ہیں، نصاب یعنی سونا ساڑھے سات تولہ یا چاندی ساڑھے باون تولہ یا اس کی قیمت جس کے پاس ہو اور وہ قرضدار بھی نہ ہو نہ اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے نہ دینا، اسی طرح وہ شخص جس کے پاس کچھ چاندی یا کچھ پیسے نقد ہیں اور تھوڑا سا سونا ہے تو سب کی قیمت لگا کر اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو وہ بھی صاحب نصاب ہے، اس کو زکوٰۃ دینا اور لینا جائز نہیں، اور جو شخص صاحب نصاب نہیں مگر تندرست، قوی اور کمانے کے قابل ہے اور ایک دن کا گذارہ اس کے پاس موجود ہے اس کو گرچہ زکوٰۃ دینا جائز ہے مگر یہ جائز نہیں کہ وہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے، اس میں بہت سے لوگ غفلت برتتے ہیں، سوال کرنا ایسے لوگوں کے لئے حرام ہے، ایسا شخص جو کچھ سوال کر کے حاصل کرتا ہے اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کا انگارہ فرمایا ہے۔ (ابو داؤد بروایت علیؓ، قرطبی)

حاصل یہ ہے کہ فقیر اور مسکین میں زکوٰۃ کے باب میں کوئی فرق نہیں، البتہ وصیت کے حکم میں فرق پڑتا ہے کہ مساکین کے لئے وصیت کی ہے تو کیسے لوگوں کو دیا جائے، اور فقراء کے لئے ہے تو کیسے لوگوں کو دیا جائے، جس کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں، فقیر اور مسکین کے دونوں مصرفوں میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ جس کو مال زکوٰۃ دیا جائے وہ مسلمان ہو اور حاجات اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال کا مالک نہ ہو۔

اگرچہ عام صدقات غیر مسلموں کو بھی دیئے جا سکتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تصدقوا علیٰ اھل الادیان کلھا، یعنی ہر مذہب والے پر صدقہ کرو"، لیکن صدقہ، زکوٰۃ کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجنے کے وقت یہ ہدایت فرمائی تھی کہ مالِ زکوٰۃ صرف مسلمانوں کے اغنیاء سے لیا جائے، اور انہی کے فقراء پر صرف کی جائے، اس لئے مال زکوٰۃ کو

صرف مسلم فقراء و مساکین ہی پر صرف کیا جاسکتا ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات یہاں تک کہ صدقۃ الفطر بھی غیر مسلم فقیر کو دینا جائز ہے۔ (ہدایہ)

اور دوسری شرط مالک نصاب نہ ہونے کی خود فقیر و مسکین کے معنی سے واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ یا تو اس کے پاس کچھ نہ ہوگا، یا کم از کم مال نصاب کی مقدار سے کم ہوگا، اس لئے فقیر اور مسکین دونوں اتنی بات میں مشترک ہیں کہ ان کے پاس بقدر نصاب مال موجود نہیں ان دونوں مصرفوں کے بعد اور چھ مصارف کا بیان آیا ہے، ان میں پہلا مصرف عاملین صدقہ ہیں۔

تیسرا مصرف العاملین علیہا، یہاں عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات زکوٰۃ و عشر وغیرہ لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں، یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں، اس لیے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے، قرآن کریم کی اس آیت نے مصارف زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھ کر یہ متعین کر دیا کہ ان کا حق الخدمت اسی مد زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔

اس میں اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں سے زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کا فریضہ براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا ہے، جس کا ذکر اسی سورت میں آگے آنے والی اس آیت میں ہے خذ من اموالھم صدقۃً "یعنی وصول کریں آپ مسلمانوں کے اموال میں سے صدقہ" اس آیت کا مفصل بیان تو آئندہ آئے گا، یہاں یہ بتلانا منظور ہے کہ اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے امیر پر یہ فریضہ عاید ہوتا ہے کہ وہ زکوٰۃ و صدقات وصول کرے، اور یہ ظاہر ہے کہ امیر خود اس کام کو پورے ملک میں بغیر اعوان اور مددگاروں کے نہیں کر سکتا، انہی اعوان اور

مددگاروں کا ذکر مذکور الصدر آیت میں **والعاملین علیھا** کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔

انہی آیات کی تعمیل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ کرام کو صدقات وصول کرنے کے لئے عامل بنا کر مختلف خطوں میں بھیجا ہے' اور آیت مذکورہ کی ہدایت کے موافق زکوۃ ہی کی حاصل شدہ رقم میں سے ان کو حق الخدمت دیا ہے' ان میں وہ حضرات صحابہ بھی شامل ہیں جو اغنیاء تھے' حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کسی غنی یعنی مال دار کے لئے حلال نہیں' بجز پانچ شخصوں کے' ایک وہ شخص جو جہاد کے لئے نکلا ہے اور وہاں اس کے پاس بقدر ضرورت مال نہیں' اگرچہ گھر میں مال دار ہو' دوسرے عامل صدقہ جو صدقہ وصول کرنے کی خدمت انجام دیتا ہو' تیسرے وہ شخص کہ اگرچہ اس کے پاس مال ہے مگر وہ موجودہ مال سے زیادہ کا مقروض ہے' چوتھے وہ شخص جو صدقہ کا مال کسی غریب مسکین سے پیسے دے کر خرید لے' پانچویں وہ شخص جس کو کسی غریب فقیر نے صدقہ کا حاصل شدہ مال بطور ہدیہ تحفہ پیش کر دیا ہو۔

رہا یہ مسئلہ کہ عاملین صدقہ کو اس میں سے کتنی رقم دی جائے سو اس کا حکم یہ ہے کہ ان کی محنت و عمل کی حیثیت کے مطابق دی جائے گی۔ (احکام القرآن جصاص و قرطبی)

البتہ یہ ضروری ہو گا کہ عاملین کی تنخواہیں نصف زکوۃ سے بڑھنے نہ پائیں' اگر زکوۃ کی وصولیابی اتنی کم ہو کہ عاملین کی تنخواہیں دے کر نصف بھی باقی نہیں رہتی تو پھر تنخواہوں میں کمی کی جائے گی' نصف سے زائد صرف نہیں کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری' ظہریہ)

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ عاملین صدقہ کو جو رقم مد زکوۃ سے دی جاتی ہے

وہ بحیثیت صدقہ نہیں بلکہ ان کی خدمت کا معاوضہ ہے، اسی لئے باوجود غنی اور مال دار ہونے کے بھی وہ اس رقم کے مستحق ہیں، اور زکوٰۃ سے ان کو دینا جائز ہے، اور مصارف زکوٰۃ کی آٹھ مدات میں سے صرف ایک یہی مد ایسی ہے جس میں رقم زکوٰۃ بطور معاوضہ خدمت دی جاتی ہے، ورنہ زکوٰۃ نام ہی عطیہ کا ہے جو غریبوں کو بغیر کسی معاوضہ خدمت کے دیا جائے، اور اگر کسی غریب فقیر کو کوئی خدمت لے کر مال زکوٰۃ دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

اسی لئے یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ مال زکوٰۃ کو معاوضہ خدمت میں کیسے دیا گیا، دوسرے یہ کہ مال دار کے لئے یہ مال زکوٰۃ حلال کیسے ہوا، ان دنوں سوالوں اایک ہی جواب ہے، کہ عاملین صدقہ کی اصلی حیثیت کو سمجھ لیا جائے، وہ یہ ہے کہ یہ حضرات فقراء کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ سب جانتے ہیں کہ وکیل کا قبضہ اصل مؤکل کے قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اپنا قرض وصول کرنے کے لیے کسی کو وکیل مختار بنا دے، اور قرضدار یہ قرض وکیل کو سپرد کردے تو وکیل کا قبضہ ہوتے ہی قرضدار بری ہو جاتا ہے، تو جب رقم زکوٰۃ عاملین صدقہ نے فقراء کے وکیل ہونے کی حیثیت سے وصول کرلی تو ان کی زکوٰۃ ادا ہو گئی، اب یہ پوری رقم ان فقراء کی ملک ہے جن کی طرف سے بطور وکیل انہوں نے وصول کی ہے اب جو رقم بطور حق الخدمت کے ان کو دی جاتی ہے وہ مال داروں کی طرف سے نہیں بلکہ فقراء کی طرف سے ہوئی، اور فقراء کو اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار ہے، ان کو یہ بھی حق ہے کہ جب اپنا کام ان لوگوں سے لیتے ہیں تو اپنی رقم میں سے ان کو معاوضہ خدمت دے دیں۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ فقراء نے تو ان کو وکیل مختار بنایا نہیں، یہ ان کے

وکیل کیسے بن گئے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ جس کو امیر کہا جاتا ہے وہ قدرتی طور پر منجانب اللہ پورے ملک کے فقراء غرباء کا وکیل ہوتا ہے' کیونکہ ان سب کی ضروریات کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے' امیر مملکت جس جس کو صدقات کی وصول یابی پر عامل بنادے وہ سب ان کے نائب کی حیثیت سے فقراء کے وکیل ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ عاملین صدقہ کو جو کچھ دیا گیا وہ درحقیقت زکوٰۃ نہیں دی گئی' بلکہ زکوٰۃ جن فقراء کا حق ہے ان کی طرف سے معاوضہ خدمت دیا گیا' جیسے کوئی غریب فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بنادے اور اس کا حق الخدمت زکوٰۃ کے حاصل شدہ مال سے ادا کردے تو یہاں نہ تو دینے والا بطور زکوٰۃ کے دے رہا ہے اور نہ لینے والا زکوٰۃ کی حیثیت سے لے رہا ہے۔

فائدہ :

تفصیل مذکور سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل جو اسلامی مدارس اور انجمنوں کے مہتمم' یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیر صدقات زکوٰۃ وغیرہ مدارس اور انجمنوں کے لئے وصول کرتے ہیں' ان کا وہ حکم نہیں جو عاملین صدقہ کا اس آیت میں مذکور ہے' کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے ان کی تنخواہ دی جاسکے' بلکہ ان کو مدارس اور انجمن کی طرف سے جداگانہ تنخواہ دینا ضروری ہے زکوٰۃ کی رقم سے ان کی تنخواہ نہیں دی جاسکتی' وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقراء کے وکیل نہیں' بلکہ صاحب زکوٰۃ مال داروں کے وکیل ہیں' ان کی طرف سے مال زکوٰۃ کو مصرف پر لگانے کا ان کو اختیار دیا گیا ہے' اسی لئے ان کے قبضہ ہو جانے کے بعد بھی زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک یہ حضرات اس کو مصرف پر خرچ نہ کردیں۔

فقراء کا وکیل نہ ہونا اس لئے ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر کسی فقیر نے ان کو اپنا وکیل بنایا نہیں، اور امیر المؤمنین کی ولایت عامہ کی بنا پر جو خود بخود وکالت فقراء حاصل ہوتی ہے وہ بھی ان کو حاصل نہیں، اس لئے بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان کو اصحاب زکوٰۃ کا وکیل قرار دیا جائے اور جب تک یہ اس مال کو مصرف پر خرچ نہ کر دیں ان کا قبضہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زکوٰۃ کی رقم خود مال والے کے پاس رکھی ہو۔

اس معاملہ میں عام طور پر غفلت برتی جاتی ہے، بہت سے ادارے زکوٰۃ کا فنڈ وصول کر کے اس کو سالہا سال رکھے رہتے ہیں، اور اصحاب زکوٰۃ سمجھتے ہیں کہ ہماری زکوٰۃ ادا ہو گئی، خالانکہ ان کی زکوٰۃ اس وقت ادا ہو گی جب ان کی رقم مصارف زکوٰۃ میں صرف ہو جائے۔

اسی طرح بہت سے لوگ ناواقفیت سے ان لوگوں کو عاملین صدقہ کے حکم میں داخل سمجھ کر زکوٰۃ ہی کی رقم سے ان کی تنخواہ دیتے ہیں، یہ نہ دینے والوں کے لئے جائز ہے نہ لینے والوں کے لئے۔

ایک اور سوال عبادت پر اجرت:

یہاں ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے ارشادات اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی عبادت پر اجرت و معاوضہ لینا حرام ہے، مسند احمد کی حدیث میں بروایت عبدالرحمٰن بن شبل منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقرأ و القرآن ولا تأکلوا به "یعنی قرآن پڑھو، مگر اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ" اور بعض روایات میں اس معاوضہ کو قطعہ جہنم فرمایا ہے جو قرآن پر لیا جائے، اس کی بناء پر فقہاء امت کا اتفاق ہے کہ طاعات وعادات پر اجرت لینا جائز نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صدقات وصول کرنے کا

کام ایک دینی خدمت اور عبادت ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک قسم کا جہاد فرمایا ہے، اس کا مقتضی یہ تھا کہ اس پر بھی کوئی اجرت و معاوضہ لینا حرام ہوتا، حالانکہ قرآن کریم کی اس آیت نے صراحۃً اس کو جائز قرار دیا، اور زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں اس کو داخل فرمایا۔

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں اس کے متعلق فرمایا کہ جو عبادات فرض یا واجب عین ہیں ان پر اجرت لینا مطلقاً حرام ہے، لیکن جو فرض کفایہ ہیں ان پر کوئی معاوضہ لینا اسی آیت کی رو سے جائز ہے، فرض کفایہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک کام پوری امت یا پورے شہر کے ذمہ فرض کیا گیا ہے، مگر یہ لازم نہیں کہ سب ہی اس کو کریں، اگر بعض لوگ ادا کرلیں تو سب سبکدوش ہو جاتے ہیں، البتہ اگر کوئی بھی نہ کرے تو سب گنہگار ہوتے ہیں۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اسی آیت سے ثابت ہوا کہ امامت و خطابت کا معاوضہ لینا بھی جائز ہے، کیونکہ وہ بھی واجب علی العین نہیں بلکہ واجب علی الکفایہ ہیں انتہی، اسی طرح تعلیم قرآن و حدیث اور دوسرے دینی علوم کا بھی یہی حال ہے، کہ یہ سب کام پوری امت کے ذمہ فرض کفایہ ہیں، اگر بعض لوگ کرلیں تو سب سبکدوش ہو جاتے ہیں، اس لئے اگر اس پر کوئی معاوضہ اور تنخواہ لی جائے تو وہ بھی جائز ہے۔

چوتھا مصرف مصارف زکوٰۃ میں سے مؤلفۃ القلوب ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی دل جوئی کے لئے ان کو صدقات دیئے جاتے تھے، عام طور پر یہ بیان کی جاتا ہے کہ ان میں تین چار قسم کے لوگ شامل تھے، کچھ مسلمان کچھ غیر مسلم، پھر مسلمانوں میں بعض تو وہ لوگ تھے جو غریب حاجت مند بھی تھے، اور نو مسلم بھی، ان کی دل جوئی اس لئے کی جاتی تھی کہ اسلام پر پختہ ہو جائیں، اور بعض وہ تھے جو مال دار بھی تھے اور

مسلمان ہو گئے تھے، مگر ابھی تک ایمان کا رنگ ان کے دلوں میں رچا نہیں تھا، اور بعض وہ لوگ تھے جو خود تو پکے مسلمان تھے مگر ان کی قوم کو ان کے ذریعہ ہدایت پر لانا اور پختہ کرنا مقصود تھا، اور غیر مسلموں میں بھی کچھ وہ لوگ تھے جن کے شر سے بچنے کے لئے ان کی دل جوئی کی جاتی تھی، اور بعض وہ تھے جن کے بارے میں یہ تجربہ تھا کہ تبلیغ و تعلیم سے اثر پذیر ہوتے ہیں، نہ جنگ و تشدد سے بلکہ احسان و حسن سلوک سے متاثر ہوتے ہیں، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ جانتے تھے کہ خلق خدا کو کفر کی ظلمت سے نکال کر نور ایمان میں لے آئیں، اس کے لئے ہر وہ جائز تدبیر کرتے تھے جس سے یہ لوگ متاثر ہو سکیں یہ سب قسمیں عام طور پر مؤلفۃ القلوب” میں داخل سمجھی جاتی ہیں، جن کو صدقات کا چوتھا مصرف اس آیت میں قرار دیا ہے۔

چوتھا مصرف مؤلفۃ القلوب ہیں، ان کے متعلق گذشتہ صفحات میں یہ بتلایا جا چکا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دل جوئی کے لئے ان کو صدقات سے حصہ دیا جاتا تھا، عام خیال کے مطابق ان میں مسلم و غیر مسلم دونوں طرح کے لوگ تھے، غیر مسلموں کی **دل جوئی اسلام کی ترغیب کے لئے اور نو مسلموں کی دل جوئی اسلام پر پختہ کرنے کے** لئے کی جاتی تھی، عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک خاص علت اور مصلحت کے لئے جس کا ذکر ابھی آ چکا ہے، صدقات دیئے جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ عیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کہ اسلام کو مادی قوت بھی حاصل ہو گئی اور کفار کے شر سے بچنے یا نو مسلموں کو اسلام پر پختہ کرنے کے لئے اس طرح کی تدبیروں کی ضرورت نہ رہی تو وہ علت اور مصلحت ختم ہو گئی، اس لئے ان کا حصہ بھی ختم ہو گیا، جس کو بعض فقہاء نے منسوخ ہو جانے سے تعبیر فرمایا ہے، فاروق اعظمؓ حسن بصریؒ، شعبیؒ، ابو حنیفہؒ، مالکؒ بن انس کی طرف یہی

قول منسوب ہے۔

اور بہت سے حضرات نے فرمایا کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ منسوخ نہیں بلکہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اس کو ساقط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے ان کا حصہ ساقط کردیا گیا، آئندہ کسی زمانہ میں پھر ایسی ضرورت پیش آجائے تو پھر دیا جاسکتا ہے، امام زہریؒ، قاضی عبدالوہابؒ ابن عربی، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے، لیکن تحقیقی اور صحیح بات یہ ہے کہ غیر مسلموں کو صدقات وغیرہ سے کسی وقت کسی زمانہ میں حصہ نہیں دیا گیا، اور نہ وہ مؤلفۃ القلوب میں داخل ہیں، جن کا ذکر مصارف صدقات میں آیا ہے۔

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ان سب لوگوں کے نام تفصیل کے ساتھ شمار کئے ہیں جن کی دل جوئی کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مد صدقات سے حصہ دیا ہے، اور یہ سب شمار کرنے کے بعد فرمایا ہے: وبالجملة فكلهم مؤمن ولم يكن فيهم كافر، یعنی خلاصہ یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب سب کے سب مسلمان ہی تھے، ان میں کوئی کافر شامل نہیں تھا۔

اسی طرح تفسیر مظہری میں ہے: لم يثبت ان النبى صلى الله عليه وسلم اعطىٰ احداً من الكفار للايلاف شيئاً من الزكوٰة "یعنی یہ بات کسی روایت سے ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم نے کسی کافر کو مال زکوٰۃ میں سے اس کی دلجوئی کے لئے حصہ دیا ہو، اس کی تائید تفسیر کشاف کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مصارف صدقات کا بیان یہاں ان کفار و منافقین کے جواب میں آیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم پر تقسیم صدقات کے بارے میں اعتراض کا کرتے تھے کہ ہم کو صدقات نہیں دیتے، اس آیت میں مصارف صدقات کی تفصیل بیان فرمانے

سے مقصد یہ ہے کہ ان کو بتلا دیا جائے کہ کافر کا کوئی حق مال صدقات میں نہیں ہے' اگر مؤلفۃ القلوب میں کافر بھی داخل ہوں تو اس جواب کی ضرورت نہ تھی۔

تفسیر مظہری میں اس مغالطہ کو بھی اچھی طرح واضح کر دیا ہے جو بعض روایات حدیث کے سبب لوگوں کو پیش آیا ہے' جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غیر مسلموں کو کچھ عطیات دیئے ہیں' چنانچہ صحیح مسلم اور ترمذی کی روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان ابن امیہ کو کافر ہونے کے زمانے میں کچھ عطیات دیئے' اس کے متعلق امام نوویؒ کے حوالہ سے تحریر فرمایا کہ یہ عطیات زکوٰۃ کے مال سے نہ تھے' بلکہ غزوہ حنین کے مال غنیمت کا جو خمس بیت المال میں داخل ہوا اس میں سے دیئے گئے اور یہ ظاہر ہے کہ بیت المال کی اس مد سے مسلم و غیر مسلم دونوں پر خرچ کرنا باتفاق فقہاء جائز ہے' پھر فرمایا کہ امام بیہقیؒ' ابن سید الناس' امام ابن کثیرؒ وغیرہم سب نے یہی قرار دیا ہے کہ یہ عطاء مال زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمس غنیمت سے تھی۔

ایک عظیم فائدہ :

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اموال صدقات اگرچہ بیت المال میں جمع کئے جاتے تھے مگر ان کا حساب بالکل جدا تھا' اور بیت المال کی دوسری مدات جیسے خمس غنیمت یا خمس معاون وغیرہ ان کا حساب جدا' اور ہر ایک کے مصارف جدا تھے' جیسا کہ حضرات فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اسلامی حکومت کے بیت المال میں چار مد علیحدہ علیحدہ رہنی چاہئیں اور اصل حکم یہ ہے کہ صرف حساب علیحدہ کرنا نہیں بلکہ ہر ایک مد کا بیت المال الگ ہونا چاہئے تاکہ ہر ایک کو اس کے مصرف میں خرچ کرنے کی پوری احتیاط قائم رہے' البتہ اگر کسی وقت

کسی خاص مد میں کمی ہو تو دوسری مد سے بطور قرض لے کر اس پر خرچ کیا جاسکتا ہے، یہ مدات بیت المال یہ ہیں:

اول خمس غنائم: یعنی جو مال کفار سے بذریعہ جنگ حاصل ہو اس کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کرے باقی پانچواں حصہ جو بیت المال کا حق ہے، اور خمس معادن یعنی مختلف قسم کی کانوں سے نکلنے والی اشیاء میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے، خمس رکاز، یعنی جو قدیم خزانہ کسی زمین سے برآمد ہو اس کا بھی پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے، یہ تینوں قسم کے خمس بیت المال کی ایک ہی مد میں داخل ہیں۔

دوسری مد صدقات ہیں جس میں مسلمانوں کی زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، اور ان کی زمینوں کا عشر داخل ہے۔

تیسری مد خراج اور مال فئ ہے، جس میں غیر مسلموں کی زمینوں سے حاصل شدہ خراج اور ان کا جزیہ اور ان سے حاصل شدہ تجارتی ٹیکس اور وہ تمام اموال داخل ہیں جو غیر مسلموں سے ان کی رضامندی کے ساتھ مصالحانہ طور پر حاصل ہوں۔

چوتھی مد ضوائع کی ہے، جس میں لاوارث مال، لاوارث شخص کی میراث وغیرہ داخل ہیں، ان چار مدات کے مصارف اگرچہ الگ الگ ہیں، لیکن فقراء و مساکین کا حق ان چاروں مدات میں رکھا گیا ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی حکومت میں قوم کے اس ضعیف عنصر کو قوی کرنے کا کس قدر اہتمام کیا گیا ہے، جو درحقیقت اسلامی حکومت کا طغرئ امتیاز ہے، ورنہ دنیا کے عام نظاموں میں ایک مخصوص طبقہ ہی بڑھتا رہتا ہے، غریب کو ابھرنے کا موقع نہیں ملتا، جس کے رد عمل نے اشتراکیت اور کمیونزم کو جنم دیا، مگر وہ بالکل ایک غیر فطری اصول اور بارش سے بھاگ کر پرنالہ کے نیچے کھڑے ہو جانے کے مرادف اور انسانی اخلاق کے لئے سم

قائل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں چار بیت المال چار مدات کے لئے الگ الگ مقرر ہیں اور فقراء و مساکین کا حق چاروں میں رکھا گیا ہے ان میں سے پہلی تین مدوں کے مصارف خود قرآن کریم نے تفصیل کے ساتھ متعین فرما کر واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں، پہلی مد یعنی خمس غنائم ہے کے مصارف کا بیان سورۃ انفال دسویں پارہ کے شروع میں مذکور ہے، اور دوسری مد یعنی صدقات کے مصارف کا بیان سورہ توبہ کی مذکور الصدر آٹھویں آیات میں آیا ہے، جس کی تفصیل اس وقت زیر بحث ہے، اور تیسری مد جس کو اصطلاح میں مال فئی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کا بیان سورہ حشر میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے، اسلامی حکومت کی اکثر مدات فوجی اخراجات اور عمال حکومت کی تنخواہیں وغیرہ اسی مد سے خرچ کی جاتی ہیں چوتھی مد یعنی لاوارث مال رسول کریم صلی للہ علیہ وسلم کی ہدایات اور خلفائے راشدین کے تعامل سے اپاہج محتاجوں اور لاوارث بچوں کے لئے مخصوص ہے، (شامی، کتب الزکوٰۃ)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرات فقہاء نے بیت المال کی چاروں مدات بالکل الگ الگ رکھنے اور اپنے اپنے معینہ مصارف میں خرچ کرنے کی ہدایات دی ہیں، یہ سب قرآنی ارشادات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر خلفائے راشدین کے تعامل سے واضح طور پر ثابت ہیں۔

اس ضمنی فائدہ کے بعد پھر اصل مسئلہ مؤلفۃ القلوب کو سمجھئے کہ مذکور الصدر بیان میں محققین محدثین و فقہاء کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ کسی کافر کو کسی وقت بھی نہیں دیا گیا، نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور نہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں، اور جن غیر مسلموں کو دینا

ثابت ہے وہ مد صدقات وزکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمس غنیمت میں سے دیا گیا ہے، جس میں سے ہر حاجت مند مسلم وغیر مسلم کو دیا جا سکتا ہے، تو مؤلفۃ القلوب صرف مسلم رہ گئے، اور ان میں جو فقراء ہیں ان کا حصہ بدستور باقی ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے، اختلاف صرف اس صورت میں رہ گیا کہ یہ لوگ غنی صاحب نصاب ہوں تو امام شافعیؒ امام احمدؒ کے نزدیک چونکہ تمام مصارف زکوٰۃ میں فقر و حاجت مندی شرط نہیں، اِس لئے وہ مؤلفۃ القلوب میں ایسے لوگوں کو بھی داخل کرتے ہیں جو غنی اور صاحبِ نصاب ہیں، امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عاملین صدقہ کے علاوہ باقی تمام مصارف میں فقر و حاجت مندی شرط ہے، اس لئے مؤلفۃ القلوب کا حصہ بھی ان کو اسی شرط کے ساتھ دیا جائے گا کہ وہ فقیر و حاجتمند ہوں، جیسے غارمین اور رقاب، ابن سبیل وغیرہ سب میں اسی شرط کے ساتھ ان کو زکوٰۃ دی جاتی ہے کہ وہ اس جگہ حاجتمند ہوں، گو وہ اپنے مقام میں مال دار ہوں۔

اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ ائمہ اربعہ کے نزدیک منسوخ نہیں فرق صرف اتنا ہے کہ بعض حضرات نے فقراء و مساکین کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں فقر و حاجت مندی کے ساتھ مشروط نہیں کیا، اور بعض نے یہ شرط کی ہے، جن حضرات نے یہ شرط رکھی ہے وہ مؤلفۃ القلوب میں بھی صرف انہی لوگوں کو دیتے ہیں جو حاجتمند اور غریب ہوں، بہر حال یہ حصہ قائم اور باقی ہے۔ (تفسیر مظہری)

یہاں تک صدقات کے آٹھ مصارف میں سے چار کا بیان آیا ہے، ان چاروں کا حق حرف لام کے تحت بیان ہوا، للفقراء والمساکین آگے جن چار مصارف کا ذکر ہے ان میں عنوان بدل کر لام کی جگہ حرف فی استعمال فرمایا وفی الرقاب والغارمین،

زمحشری نے کشاف میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ آخری چار مصرف بہ نسبت پہلے چار کے زیادہ مستحق ہیں‘ کیونکہ حرف فی ظرفیت کے لئے بولا جاتا ہے جس کی وجہ سے معنی یہ پیدا ہوتے ہیں کہ صدقات کو ان لوگوں کے اندر رکھ دینا چاہئے‘ اور ان کے زیادہ مستحق ہونے کی وجہ ان کا زیادہ ضرورت مند ہونا ہے‘ کیونکہ جو شخص کسی کا مملوک غلام ہے وہ بہ نسبت عام فقراء کے زیادہ تکلیف میں ہے‘ اسی طرح جو کسی کا قرضدار ہے اور قرض خواہوں کا اس پر تقاضا ہے وہ عام غرباء فقراء سے زیادہ تنگی میں ہے کہ اپنے اخراجات کے فکر سے بھی زیادہ قرضداروں کے قرض کی فکر اس کے ذمہ ہے۔

ان باقی ماندہ چار مصارف میں سب سے پہلے وفی الرقاب کا ذکر فرمایا ہے‘ رقاب رقبہ کی جمع ہے‘ اصل میں گردن کو رقبہ کہتے ہیں‘ عرف میں اس شخص کو رقبہ کہہ دیا جاتا ہے جس کی گردن کسی دوسرے کی غلامی میں مقید ہو۔

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ رقاب سے مراد اس آیت میں کیا ہے؟ جمہور فقہاء و محدثین اس پر ہیں کہ اس سے مراد وہ غلام ہیں جن کے آقاؤں نے کوئی مقدار مال کی متعین کر کے کہہ دیا ہے کہ اتنا مال کما کر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو جس کو قرآن و سنت کی اصطلاح میں مکاتب کہا جاتا ہے ایسے شخص کو آقا اس کی اجازت دے دیتا ہے کہ وہ تجارت یا مزدوری کے ذریعہ مال کمائے اور آقا کو لا کر دے‘ آیت مذکورہ میں رقاب سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کو رقم زکوٰۃ میں سے حصہ دے کر اس کی گلوخلاصی میں امداد کی جائے۔

یہ قسم غلاموں کی باتفاق مفسرین و فقہاء لفظ وفی الرقاب کی مراد ہے‘ کہ رقم زکوٰۃ ان کو دے کر ان کی گلوخلاصی میں امداد کی جائے‘ ان کے علاوہ دوسرے غلاموں کو

خرید کر آزاد کرنا یا ان کے آقاؤں کو رقم زکوٰۃ دے کر یہ معاہدہ کر لینا کہ وہ ان کو آزاد کر دیں گے' اس میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے' جمہور ائمہ ابو حنیفہؒ' شافعیؒ' احمد بن حنبلؒ وغیرہ رحمہم اللہ اس کو جائز نہیں سمجھتے' اور حضرت امام مالکؒ بھی ایک روایت میں جمہور کے ساتھ متفق ہیں کہ فی الرقاب کو صرف مکاتب غلاموں کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں' اور ایک روایت میں امام مالک سے یہ بھی منقول ہے وہ فی الرقاب میں عام غلاموں کو داخل کر کے اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ رقم زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کئے جائیں۔ (احکام القرآن ابن عربی مالکی)

جمہور ائمہ و فقہاء جو اس کو جائز نہیں رکھتے' ان کے پیش نظر ایک فقہی اشکال ہے کہ اگر رقم زکوٰۃ سے غلام کو خرید کر آزاد کیا گیا تو اس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہیں آتی' کیونکہ صدقہ وہ مال ہے جو کسی مستحق کو بلا معاوضہ دیا جائے' رقم زکوٰۃ اگر آقا کو دی جائے تو ظاہر ہے کہ نہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے اور نہ اس کو یہ رقم بلا معاوضہ دی جا رہی ہے' اور غلام جو مستحق زکوٰۃ ہے اس کو یہ رقم دی نہیں گئی' یہ الگ بات ہے کہ اس رقم کے دینے کا فائدہ غلام کو پہنچ گیا کہ اس نے خرید کر آزاد کر دیا' مگر آزاد کرنا صدقہ کی تعریف میں داخل نہیں ہوتا' اور حقیقی معنی کو بلا وجہ چھوڑ کر صدقہ کے مجازی معنی یعنی عام مراد لینے کا بلا ضرورت کوئی جواز نہیں' اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ میں مصارف صدقات کے بیان کئے جا رہے ہیں' اس لئے فی الرقاب کا مصداق کوئی ایسی چیز نہیں بن سکتی جس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہ آئے' اور اگر یہ رقم زکوٰۃ خود غلام کو دی جائے تو غلام کی کوئی ملک نہیں ہوتی وہ خود بخود آقا کا مال بن جائے گا' پھر آزاد کرنا نہ کرنا بھی اس کے اختیار میں رہے گا۔

اس فقہی اشکال کی وجہ سے جمہور ائمہ اور فقہاء نے فرمایا کہ وفی الرقاب سے

مراد صرف غلام مکاتب ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صدقہ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی مستحق کو مالک بنا کر اس کے قبضہ میں دے دیا جائے جب تک مستحق کا مالکانہ قبضہ اس پر نہیں ہو گا زکوۃ ادا نہیں ہو گی۔

چھٹا مصرف الغارمین' غارم کی جمع ہے' جس کے معنی مدیون یعنی قرضدار کے ہیں یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ پانچواں اور چھٹا مصرف جو حرف فی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے استحقاق میں پہلے چاروں مصارف سے زیادہ ہیں' اس لیے غلام کی گلو خلاصی کے لئے قرضدار کو ادائے قرض کے لئے دینا عام فقراء و مساکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے' شرط یہ ہے کہ اس قرضدار کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ قرض ادا کر سکے' کیونکہ غارم لغت میں ایسے ہی قرضدار کو کہا جاتا ہے' اور بعض ائمہ فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ قرض اس نے کسی ناجائز کام کے لئے نہ لیا ہو' اور اگر کسی گناہ کے لئے قرض کر لیا جیسے شراب وغیرہ یا شادی غمی کی ناجائز رسمیں وغیرہ تو اسے قرضدار کو مد زکوۃ سے نہ دیا جائے گا' تاکہ اس کی معصیت اور اسراف بے جا کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے' یہاں پھر حرف فی کا اعادہ کیا گیا۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ اس اعادہ سے اس طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ مصرف پہلے سب مصارف سے افضل اور بہتر ہے' وجہ یہ ہے کہ اس میں دو فائدہ ہیں ایک تو غریب مفلس کی امداد دوسرے ایک دینی خدمت میں اعانت کیونکہ فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی اور مجاہد ہے' جس کے پاس اسلحہ اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کے لئے مال نہ ہو' یا وہ شخص جس کے ذمہ حج فرض ہو چکا ہو مگر اس کے پاس اب مال نہیں رہا جس سے وہ حج فرض ادا کرے' یہ دونوں کام خاص دینی خدمت اور عبادت ہیں' اس لئے مال

زکوٰۃ کو ان پر خرچ کرنے میں ایک مفلس کی امداد بھی ہے اور ایک عبادت کی ادائیگی میں تعاون بھی، اسی طرح حضرات فقہاء نے طالب علموں کو بھی اس میں شامل کیا ہے کہ وہ بھی ایک عبادت کی ادائیگی کے لئے لیتے ہیں۔ (روح بحوالہ ظہیریہ)

اور صاحب بدائع نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیک کام یا عبادت کرنا چاہتا ہے اور اس کی ادائیگی میں مال کی ضرورت ہے تو وہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، بشرطیکہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کام کو پورا کر سکے، جیسے دین کی تعلیم اور تبلیغ اور ان کے لئے نشر و اشاعت، کہ اگر کوئی مستحق زکوٰۃ یہ کام کرنا چاہے تو اس کی امداد مال زکوٰۃ سے کر دی جائے مگر مال دار صاحب نصاب کو نہیں دیا جا سکتا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں میں جو 'فی سبیل اللہ'' کی تفسیریں مذکور ہیں فقر و حاجتمندی کی شرط ملحوظ ہے، غنی صاحب نصاب کا اس مد میں بھی حصہ نہیں، بجز اس کے کہ اس کا موجودہ مال اس ضرورت کو پورا نہ کر سکتا ہو، جو جہاد یا حج کے لئے در پیش ہے، تو اگرچہ بقدر نصاب مال موجود ہونے کی وجہ سے اس کو غنی کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں اس کو غنی کہا گیا ہے، مگر وہ بھی اس اعتبار سے فقیر و حاجتمند ہی ہو گیا، کہ جس قدر مال جہاد یا حج کے لئے درکار ہے وہ اس کے پاس موجود نہیں، فتح القدیر میں شیخ ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ آیت صدقات میں جتنے مصرف ذکر کئے گئے ہیں ہر ایک کے الفاظ خود اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ فقر و حاجتمندی کی بناء پر مستحق ہیں، لفظ فقیر، مسکین میں تو یہ ظاہر ہی ہے، رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ ابن السبیل کے الفاظ بھی اس طرف مشیر ہیں کہ ان کی حاجت روائی کی بنا پر ان کو دیا جاتا ہے، البتہ عاملین کو بطور معاضہ خدمت دیا جاتا ہے، اسی لئے اس میں غنی و فقیر برابر ہیں، جیسے غارمین کے مصرف میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جس شخص کے ذمہ دس ہزار روپیہ

قرض ہے اور پانچ ہزار روپیہ اس کے پاس موجود ہے تو اس کو بقدر پانچ ہزار کے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کیونکہ جو مال اس کے پاس موجود ہے وہ قرض کی وجہ سے نہ ہونے کے حکم میں ہے۔

تنبیہ :

لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں، جو جو کام اللہ کی رضاجوئی کے لئے کئے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر وبیان اور ائمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لفظی ترجمہ کے ذریعہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں یہاں ان کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ لفظ ''فی سبیل اللہ دیکھ کر زکوٰۃ کے مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کر دیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں، مساجد، مدارس، شفاخانوں، مسافرخانوں، وغیرہ کی تعمیر، کنویں اور پل اور سڑکیں بنانا، اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات ان سب کو انہوں نے فی سبیل اللہ میں داخل کر کے مصرف زکوٰۃ قرار دے دیا، جو سراسر غلط ہے، اور اجماع امت کے خلاف ہے، صحابہ کرام جنہوں نے قرآن کو براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا اور سمجھا ہے ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں ان میں اس لفظ کو حج اور مجاہدین کے لئے مخصوص قرار دیا گیا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے ایک اونٹ کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ اس اونٹ کو حجاج کے سفر میں استعمال کرو۔ (مبسوط سرخسی، ص ۱۰ ج ۳)

امام ابن جریر، ابن کثیر، قرآن کی تفسیر روایات حدیث ہی سے کرنے کے پابند

ہیں، ان سب نے لفظ "فی سبیل اللہ" کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لئے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو، اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجت مند ہوں، اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و حاجتمند تو خود ہی مصارف زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں ان کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحق زکوٰۃ تھے، لیکن ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں، فقہاء حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط اور شرح سیر میں اور فقہاء شافعیہ میں ابو عبید نے کتاب الاموال میں اور فقہاء مالکیہ میں سے دردیز نے شرح مختصر خلیل میں اور فقہاء حنابلہ میں سے موفق نے معنی میں اس کو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔

ائمہ تفسیر اور فقہاء امت کی مذکورہ تصریحات کے علاوہ اگر ایک بات پر غور کر لیا جائے تو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے وہ یہ کہ اگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات و عادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو تو پھر قرآن میں ان آٹھ مصرفوں کا بیان (معاذ اللہ) بالکل فضول ہو جاتا ہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو پہلے اسی سلسلہ میں بیان ہو چکا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو بھی سپرد نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرما دیئے۔

تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل ہیں اور ان

میں سے ہر ایک میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جاسکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشاد نبویؐ بالکل غلط ٹھہرتا ہے معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو ناواقف کو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے، بلکہ مراد وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور صحابہ و تابعین کی تصریحات سے ثابت ہے۔

آٹھواں مصرف ابن السبیل ہے، سبیل کے معنی راستہ، اور ابن کا لفظ اصل میں تو بیٹے کے لئے بولا جاتا ہے، لیکن عربی محاورات میں ابن اور اب اور اخ وغیرہ کے الفاظ ان چیزوں کے لئے بھی بولے جاتے ہیں جن کا گہرا تعلق کسی سے ہو، اسی محاورہ کے مطابق ابن السبیل، راہ گیر و مسافر کو کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کا گہرا تعلق راستہ قطع کرنے اور منزل مقصود پر پہنچنے سے ہے، اور مصارف زکوٰۃ میں اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر بقدر ضرورت مال نہ ہو، اگرچہ اس کے وطن میں اس کے پاس کتنا ہی مال ہو، ایسے مسافر کو مال زکوٰۃ دیا جاسکتا ہے، جس سے وہ اپنے سفر کی ضروریات پوری کرلے، اور وطن واپس جاسکے۔

یہاں تک ان آٹھ مصارف کا بیان پورا ہو گیا جو آیت مذکورہ میں صدقات و زکوٰۃ کے لئے بیان فرمائے گئے ہیں، اب کچھ ایسے مسائل بیان کئے جاتے ہیں جن کا تعلق ان تمام مصارف سے یکساں ہے۔

مسئلہ تملیک :

جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لئے خرچ کردیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق

ہیں کہ رقم زکوٰۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے، یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہنچتا ہے جو مصرف زکوٰۃ ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔

البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقم زکوٰۃ صرف ہو سکتی ہے، اسی طرح شفاخانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دے دی جائے اس کی قیمت رقم زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے، اسی طرح فقہاء امت کی تصریحات ہیں کہ لاوارث میت کا کفن رقم زکوٰۃ سے نہیں لگایا جا سکتا، کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ رقم زکوٰۃ کسی غریب مستحق کو دے دی جائے اور وہ اپنی خوشی سے اس رقم کو لاوارث میت کے کفن پر خرچ کر دے، اسی طرح اگر اس میت کے ذمہ قرض ہے تو اس قرض کو رقم زکوٰۃ سے براہ راست ادا نہیں کیا جا سکتا، ہاں اس کے وارث غریب مستحق زکوٰۃ ہوں، تو ان کو مالکانہ طور سے دیا جا سکتا ہے، وہ اس رقم کے مالک ہو کر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض ادا کر سکتے ہیں، اسی طرح رفاہ عام کے سب کام جیسے کنواں یا پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر، اگرچہ ان کا فائدہ مستحقین زکوٰۃ کو بھی پہنچتا ہے، مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

ان مسائل میں چاروں ائمہ مجتہدین ابو حنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء امت متفق ہیں، شمس الائمہ سرخسی نے اس مسئلہ کو امام محمدؒ کی کتابوں کی شرح مبسوط اور شرح سیر میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور فقہاء شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کی عام کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

فقیہ شافعی امام ابو عبیدہ نے کتاب الاموال میں فرمایا کہ میت کی طرف سے اس کے قرض کی ادائیگی یا اس کے دفن کے اخراجات میں اور مساجد کی تعمیر میں، نہر کھودنے وغیرہ میں مال زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ سفیان ثوری اور تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اس میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ یہ ان اٹھ مصارف میں سے نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

اسی طرح فقیہ حنبلی موفقؒ نے معنی میں لکھا ہے کہ بجز ان مصارف کے جن کا بیان قرآن کریم میں مذکور ہے اور کسی نیک کام میں مال زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں جیسے مساجد یا پلوں اور پانی کی سبیلوں کی تعمیر، یا سڑکوں کی درستی یا مردوں کو کفن دینا یا مہمانوں کو کھانا کھلانا وغیرہ جو بلاشبہ موجب ثواب ہیں، مگر مصارف صدقات میں داخل نہیں۔

ملک العلماء نے بدائع میں ادائیگی زکوٰۃ کے لئے شرط تملیک کی یہ دلیل دی ہے کہ قرآن میں عموماً زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا لفظ ایتا کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اقاموا لصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ، اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ، اقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ، اتو حقه یوم حصادہ وغیرہ اور لفظ ایتا لغت میں عطا کرنے کے معنی میں آتا ہے، امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا والایتاء الاعطاء وخص وضع الصدقة فی القرآن بالایتاء "یعنی ایتاء کے معنی عطا فرمانے کے ہیں، اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ایتا کے لفظ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے" اور ظاہر ہے کہ کسی کہ کوئی چیز عطا کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنا دیا جائے۔

اور علاوہ زکوٰۃ وصدقات کے بھی لفظ ایتاء قرآن کریم میں مالک بنا دینے ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، مثلاً اتوا النساء صدقٰتھن، یعنی دے دو عورتوں کو ان کے

مہر، ظاہر ہے مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب رقم مہر پر عورت کو مالکانہ قبضہ دے دے۔

دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں زکوٰۃ کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، انما الصدقت للفقراء اور صدقہ کے معنی حقیقی یہی ہیں کہ کسی فقیر حاجتمند کو اس کا مالک بنا دیا جائے۔

کسی کو کھانا کھلا دینا یا رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کر دینا حقیقی معنی کے اعتبار سے صدقہ نہیں کہلاتا، شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ حقیقت صدقہ کی بھی یہی ہے کہ کسی فقیر کو اس مال کا مالک بنا دیا جائے اسی طرح امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ لفظ صدقہ تملیک کا نام ہے۔ (جصاص، ص ۱۵۲ ج ۲)

ادائے زکوٰۃ کے متعلق بعض اہم مسائل:

مسئلہ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو صدقات وصول کرنے کے بارے میں یہ ہدایت دی تھی کہ خذ من اغنیائھم وردھا فی فقرائھم یعنی صدقات مسلمانوں کے اغنیاء سے لے کر انہی کے فقراء پر صرف کر دو۔ اس کی بنا پر فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ بلا ضرورت ایک شہر یا بستی کی زکوٰۃ دوسرے شہر یا بستی میں نہ بھیجی جائے، بلکہ اسی شہر اور بستی کے فقراء اس کے زیادہ حق دار ہیں، البتہ اگر کسی شخص کے عزیز قریب غریب ہیں اور وہ کسی دوسرے شہر میں ہیں تو اپنی زکوٰۃ ان کو بھیج سکتا ہے، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں دوہرے اجر و ثواب کی بشارت دی ہے۔

اسی طرح اگر کسی دوسری بستی کے لوگوں کا فقر و فاقہ اور اپنے شہر سے زیادہ ضرورت معلوم ہو تو بھی وہاں بھیجا جا سکتا ہے، کیونکہ مقصد صدقات دینے کا فقراء کی

حاجت کو رفع کرنا ہے‘ اسی وجہ سے حضرت معاذؓ یمن کے صدقات میں اکثر کپڑے لیا کرتے تھے تاکہ فقراء مہاجرین کے لئے مدینہ طیبہ بھیج دیں۔ (قرطبی بحوالہ دار قطنی)

اگر ایک شخص خود کسی شہر میں رہتا ہے‘ مگر اس کا مال دوسرے شہر میں ہے تو جس شہر میں خود رہتا ہے اس کا اعتبار ہوگا‘ کیونکہ اداء زکوٰۃ کا مخاطب یہی شخص ہے۔ (قرطبی)

مسئلہ :

جس مال کی زکوٰۃ واجب ہے اس کی ادائیگی کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اسی مال کا چالیسواں حصہ نکال کر مستحقین کو دے دے‘ جیسے تجارتی کپڑا‘ برتن‘ فرنیچر وغیرہ اور یہ بھی ہے کہ مقدار زکوٰۃ مال کی قیمت نکال کر وہ مستحقین میں تقسیم کرے‘ احادیث صحیحہ سے ایسا کرنا ثابت ہے (قرطبی) اور بعض ائمہ فقہاء نے فرمایا کہ اس زمانہ میں نقد قیمت ہی دینا زیادہ بہتر ہے‘ کیونکہ فقراء کی ضرورتیں مختلف اور کثیر ہیں‘ نقد پیسوں کو کسی بھی ضرورت کے کام میں لایا جاسکتا ہے۔

مسئلہ :

اگر اپنے عزیز غریب لوگ مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو زکوٰۃ و صدقات دینا زیادہ بہتر اور دوہرا ثواب ہے‘ ایک ثواب صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا‘ اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو یہ جتلا کر دے کہ صدقہ یا زکوٰۃ دے رہا ہوں‘ کسی تحفہ یا ہدیہ کے عنوان سے بھی دیا جاسکتا ہے‘ تاکہ لینے والے شریف آدمی کو اپنی خفت محسوس نہ ہو۔

مسئلہ :

جو شخص اپنے آپ کو اپنے قول یا عمل سے مستحق زکوٰۃ حاجت مند ظاہر کرے

اور صدقات وغیرہ کا سوال کرے، کیا دینے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے حقیقی حالات کی تحقیق کریں، اور بغیر اس کے صدقہ نہ دیں، اس کے متعلق روایات حدیث اور اقوال فقہاء یہ ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے ظاہری حال سے اگر یہ گمان غالب ہو کہ یہ شخص حقیقت میں فقیر حاجتمند ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ نہایت شکستہ حال آئے، آپؐ نے ان کے لئے لوگوں سے صدقات جمع کرنے کے لئے فرمایا کافی مقدار جمع ہو گئی تو وہ ان کو دے دی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ ان لوگوں کے اندرونی حالات کی تحقیق فرماتے۔ (قرطبیؒ)

البتہ قرطبیؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ مصارف صدقات میں سے ایک مدیون بھی ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے ذمہ اتنا قرض ہے اس کی ادائیگی کے لئے مجھے زکوٰۃ کی رقم دے دی جائے تو اس قرض کا ثبوت اس سے طلب کرنا چاہئے (قرطبیؒ) اور ظاہر یہ ہے کہ غارم، فی سبیل اللہ، ابن السبیل وغیرہ میں بھی ایسی تحقیق کر لینا دشوار نہیں، ان مصارف میں حسب موقع تحقیق کر لینا چاہئے۔

مسئلہ :

مال زکوٰۃ اپنے عزیز رشتہ داروں کو دینا زیادہ ثواب ہے، مگر میاں بی بی اور والدین و اولاد آپس میں ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے، وجہ یہ ہے کہ ان کو دینا ایک حیثیت سے اپنے ہی پاس رکھنا ہے، کیونکہ ان لوگوں کے مصارف عموماً مشترک ہوتے ہیں، شوہر نے اگر بیوی کو یا بیوی نے شوہر کو اپنی زکوٰۃ دے دی، تو در حقیقت وہ اپنے ہی استعمال میں رہی، اسی طرح والدین اور اولاد کا معاملہ ہے، اولاد کی اولاد اور دادا پردادا کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ :

اگر کسی شخص نے کسی شخص کو اپنے گمان کے مطابق مستحق اور مصرف زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ دے دی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اسی کا غلام یا کافر تھا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی، دوبارہ دینی چاہئے کیونکہ غلام کی ملکیت تو آقا ہی کی ملکیت ہوتی ہے، وہ اس کی ملک سے نکلا ہی نہیں، اس لئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اور کافر کو صدقات، زکوٰۃ دے دینا موجب ثواب نہیں۔

اس کے علاوہ اگر بعد میں یہ ثابت ہو کہ جس کو زکوٰۃ دی گئی ہے وہ مالدار یا سید ہاشمی یا اپنا باپ یا بیٹا یا بیوی یا شوہر ہے تو زکوٰۃ کے اعادہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ رقم زکوٰۃ اس کی ملک سے نکل کر محل ثواب میں پہنچ چکی ہے، اور تعین صرف میں جو غلطی کسی اندھیرے یا مغالطہ کی وجہ سے ہو گئی وہ معاف ہے (در مختار) آیت صدقات کی تفسیر اور اس کے متعلقہ مسائل کی تفصیل بقدر ضرورت پوری ہو گئی۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقْرُلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ط قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ط وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ O يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ج وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ O اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِ دِاللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ط ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ O يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ط قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ O وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ط قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ O لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ط

اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ O

اور بعضے ان میں بدگوئی کرتے ہیں نبیؐ کی اور کہتے ہیں یہ شخص تو کان ہے تو کہہ کان ہے تمہارے بھلے کے واسطے یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مسلمانوں کی بات کا اور رحمت ہے ایمان والوں کے حق میں تم میں سے اور جو لوگ بدگوئی کرتے ہیں اللہ کے رسول کی ان کے لئے عذاب ہے دردناک‘ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے آگے تاکہ تم کو راضی کریں‘ اور اللہ کو اور اس کے رسول کو بہت ضرور ہے راضی کرنا اگر وہ ایمان رکھتے ہیں‘ کیا وہ جان نہیں چکے کہ جو کوئی مقابلہ کرے اللہ سے اور اس کے رسول سے تو اس کے واسطے ہے دوزخ کی آگ سدا رہے اس میں‘ یہی ہے بڑی رسوائی‘ ڈرا کرتے ہیں منافق اس بات سے کہ نازل ہو مسلمانوں پر ایسی سورۃ کہ جتاوے ان کو جو ان کے دل میں ہے‘ تو کہہ دے ٹھٹھے کرتے رہو اللہ کھول کر رہے گا اس چیز کو جس کا تم کو ڈر ہے‘ اور اگر تو ان سے پوچھے تو وہ کہیں گے ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی‘ تو کہہ کیا اللہ سے اور اس کے حکموں سے اور اس کے رسول سے تم ٹھٹھے کرتے تھے‘ بہانے مت بناؤ تم تو کافر ہو گئے اظہار ایمان کے پیچھے‘ اگر ہم معاف کر دیں گے تم میں سے بعضوں کو تو البتہ عذاب بھی دیں گے بعضوں کو اس سبب سے کہ وہ گنہگار تھے۔

معارف و مسائل :

آیات مذکورہ میں بھی سابقہ آیات کی طرح منافقین کے بے ہودہ اعتراضات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء رسانی اور پھر جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے ایمان کا

یقین دلانے کے واقعات اور ان کی تنبیہ ہے۔

پہلی آیت میں مذکور ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بطور استہزاء یہ کہتے ہیں کہ "وہ تو بس کان ہیں" یعنی جو کچھ کسی سے سن لیتے ہیں اسی پر یقین کر لیتے ہیں، اس لئے ہمیں کچھ فکر نہیں، اگر ہماری سازش کھل بھی گئی تو ہم پھر قسم کھا کر آپؐ کو اپنے برأت کا یقین دلا دیں گے جس کے جواب میں حق تعالیٰ نے ان کی حماقت کو واضح فرمادیا، کہ وہ جو منافقین اور مخالفین کی غلط باتوں کو سن کر اپنے مکارم اخلاق کی بنا پر خاموش ہو رہتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھو کہ آپؐ کو حقیقت حال کی سمجھ نہیں، صرف تمہارے کہنے پر یقین کرتے ہیں، بلکہ وہ سب کی پوری پوری حقیقت سے باخبر ہیں، تمہاری غلط باتیں سن کر وہ تمہاری سچائی کے قائل نہیں ہو جاتے، البتہ اپنی شرافت نفس اور کرم کی بنا پر تمہارے منہ پر تمہاری تردید نہیں کرتے۔

ان اللہ مخرج ما تحذرون، اس آیت میں یہ خبر دی گئی ہے کہ حق تعالیٰ منافقین کی خفیہ سازشوں اور شرارتوں کو ظاہر فرمادیں گے، جس کا ایک واقعہ غزوہ تبوک سے واپسی کا ہے جب کہ کچھ منافقین نے آپؐ کے قتل کی سازش کی تھی، حق تعالیٰ نے آپؐ کو اس پر بذریعہ جبریلؑ مطلع کر کے اس راستہ سے ہٹا دیا جہاں یہ منافقین اس کام کے لئے جمع ہوئے تھے۔ (مظہری عن البغوی)

اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ستر منافقین کے نام مع ان کی ولدیت اور پورے نشان پتے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیئے تھے، مگر رحمۃ للعالمینؐ نے ان کو لوگوں پر ظاہر نہیں فرمایا (مظہری)

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ط نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ط اِنَّ

الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ○ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ
نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط هِيَ حَسْبُهُمْ ج وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ
مُّقِيْمٌ○ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا
وَّاَوْلَادًا ط فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ط اُولٰٓئِكَ
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ○
اَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ لا وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ
وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ط اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ج فَمَا كَانَ
اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ○

منافق مرد اور منافق عورتیں سب کی ایک چال ہے سکھادیں بات بری‘ اور چھڑادیں بات بھلی اور بند رکھیں اپنی مٹھی بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو تحقیق منافق وہی ہیں نافرمان‘ وعدہ دیا ہے اللہ نے منافق مرد اور منافق عورتوں کو اور کافروں کو دوزخ کی آگ کا پڑے رہیں گے اس میں وہی بس ہے ان کو اور اللہ تعالیٰ نے ان کو پھٹکار دیا‘ اور ان کے لئے عذاب ہے برقرار رہنے والا‘ جس طرح تم سے اگلے لوگ زیادہ تھے تم سے زور میں اور زیادہ رکھتے تھے مال اور اولاد پھر فائدہ اٹھا گئے اپنے حصہ سے پھر فائدہ اٹھایا تم نے اپنے حصہ سے جیسے فائدہ اٹھا گئے تم سے اگلے اپنے حصہ سے اور تم بھی چلتے ہو انہی کی سی چال‘ وہ لوگ مٹ گئے ان کے عمل دنیا میں اور آخرت میں اور وہی لوگ پڑے نقصان میں‘ کیا پہنچی نہیں ان کو خبر ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے قوم نوح کی اور عاد کی اور ثمود کی‘ اور قوم ابراہیم کی اور مدین والوں کی

اور ان بستیوں کی خبر جو الٹ دی گئی تھیں پہنچے ان کے پاس ان کے رسول صاف حکم لے کر، سو اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے۔

تفسیر :

مذکور الصدر آیات میں سے پہلی آیت میں منافقین کا ایک حال یہ بتلایا کہ وہ اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں، **یقبضون ایدیھم** تفسیر قرطبی میں ہے کہ ہاتھ بند رکھنے سے مراد ترک جہاد اور حقوق واجبہ کا ادا نہ کرنا ہے، **نسوا اللہ فنسیھم** اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کو بھلا دیا، اللہ تعالی تو نسیان اور بھول سے پاک ہیں، مراد اس جگہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے احکام کو اس طرح چھوڑ دیا جیسے بھول گئے ہوں، تو اللہ تعالی نے بھی ثواب آخرت کے معاملہ میں ان کو ایسا ہی کر چھوڑا کہ نیکی اور ثواب میں کہیں ان کا نام نہ رہا۔

آیت (۶۹) **کالذین من قبلکم** میں خطاب مسلمانوں کو ہے یعنی **(انتم کالذین من قبلکم)** مراد یہ ہے کہ تم لوگ بھی اپنے سے پہلے لوگوں کی طرح ہو جس طرح وہ لوگ دنیا کی لذائذ میں منہمک ہو کر آخرت کو بھلا بیٹھے اور طرح طرح کے معاصی اور بد اخلاقیوں میں مبتلا ہو گئے تم بھی ایسے ہی لوگ ہوں گے۔

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بھی وہی طریقے اختیار کرو گے جو تم سے پہلی امتیں کر چکی ہیں، ہاتھ در ہاتھ اور بالشت در بالشت یعنی ہو بہو ان کی نقل اتارو گے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے بل میں گھسا ہے تو تم بھی گھسو گے، حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ روایت نقل کر کے فرمایا کہ اس حدیث کی تصدیق کے لئے تمہارا جی چاہے تو قرآن کی یہ آیت

پڑھ لو، كالذين من قبلكم۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ سن کر فرمایا: ما اشبه الليلة بالبارحة، یعنی آج کی رات گذشتہ شب سے کیسی ملتی جلتی اور مشابہ ہے، یہ بنی اسرائیل ہیں، ہمیں ان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (قرطبی)

حدیث کا مقصد واضح ہے کہ آخر زمانے میں مسلمان بھی یہود و نصاریٰ کے طریقوں پر چلنے لگیں گے اور منافقین کا عذاب بیان کرنے کے بعد اس کا بیان کرنا اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے طریقوں کا اتباع کرنے والے مسلمان وہی ہوں گے جن کے دلوں میں مکمل ایمان نہیں، نفاق کے جراثیم ان میں پائے جاتے ہیں، صلحاء امت کو اس سے بچنے اور بچانے کی ہدایت اس آیت میں دی گئی ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ O وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط وَرِضْوَانٌ مِّنَ
اللّٰهِ اَكْبَرُ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ O يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ
الْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ط وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ O

اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں سکھلاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں بری بات سے اور قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم پر چلتے ہیں اللہ کے اور اس کے رسول کے وہی لوگ ہیں جن پر رحم کرے گا اللہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

وعدہ دیا ہے اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں انہی میں اور ستھرے مکانوں کا رہنے کے باغوں میں اور رضامندی اللہ کی ان سب سے بڑی ہے یہی ہے بڑی کامیابی‘ اے نبیؐ لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تند خوئی کر ان پر اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

تفسیر :

سابقہ آیات میں منافقین کے حالات‘ ان کی سازشوں اور ایذاؤں اور ان کے عذاب کا بیان تھا‘ قرآنی اسلوب کے مطابق مناسب تھا کہ اس جگہ مؤمنین مخلصین کے حالات اور ان کے ثواب اور درجات کا بھی بیان آجائے‘ آیات مذکورہ میں اسی کا بیان ہے۔

یہاں یہ بات قابل نظر ہے کہ اس موقع پر منافقین اور مؤمنین مخلصین کے حالات کا تقابل ذکر کیا گیا‘ مگر ایک جگہ منافقین کے بارے میں تو یہ فرمایا کہ **بعضھم من بعض**‘ اور اس کے مقابل مؤمنین کا ذکر آیا تو اس میں فرمایا **بعضھم اولیاء بعض**‘ اس میں اشارہ ہے کہ منافقین کے باہمی تعلقات اور روابط تو محض خاندانی اشتراک یا اغراض پر مبنی ہوتے ہیں ان کی عمر زیادہ ہوتی ہے اور نہ ان پر وہ ثمرات مرتب ہوتے ہیں جو دلی دوستی اور قلبی ہمدردی کے تعلق پر مرتب ہوتے ہیں‘ بخلاف مؤمنین کے کہ وہ ایک دوسرے کے مخلص دوست اور سچے ہمدرد ہوتے ہیں۔ (قرطبی)

اور چونکہ یہ دوستی اور ہمدردی خالص اللہ کے لئے ہوتی ہے وہ ظاہراً و باطناً اور حاضر و غائب یکساں ہوتی ہے‘ اور ہمیشہ پائدار رہتی ہے‘ مؤمن مخلص کی یہی علامت ہے‘ ایمان اور عمل صالح کا خاصہ ہی یہ ہے کہ باہم دوستی اور محبت پیدا کرتا ہے‘ قرآن

کریم کا ارشاد اسی کے متعلق ہے **سیجعل لھم الرحمٰن وداً**' یعنی جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کے پابند ہوئے اللہ تعالیٰ ان کے آپس میں قلبی اور گہری دوستی پیدا فرما دیتے ہیں' آج کل ہمارے ایمان و عمل صالح ہی کی کوتاہی ہے کہ مسلمانوں کے باہم تعلقات کبھی ایسے نظر نہیں آتے' بلکہ اغراض کے تابع ہیں۔

جاھدا الکفار والمنافقین واغلظ علیھم' اس آیت میں کفار اور منافقین دونوں سے جہاد اور ان کے معاملہ میں شدت اختیار کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے ظاہری کفار سے جہاد کا معاملہ تو واضح ہے' لیکن منافقین سے جہاد کا مطلب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل سے یہ ثابت ہوا کہ ان کے ساتھ جہاد سے مراد زبانی جہاد ہے' کہ ان کو اسلام کی حقانیت سمجھنے کی طرف دعوت دیں تاکہ وہ اپنے دعوئ اسلام میں مخلص ہو جائیں۔ (قرطبی و مظہری)

واغلظ علیھم لفظ غلظ کے اصلی معنی یہ ہیں کہ مخاطب جس طرز عمل کا مستحق ہے اس میں کوئی رعایت اور نرمی نہ برتی جائے' یہ لفظ **رأفت** کے مقابل استعمال ہوتا ہے' جس کے معنی رحمت اور نرم دلی کے ہیں۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ اس جگہ غلظت استعمال کرنے سے عملی غلظت مراد ہے کہ ان پر احکام شرعیہ جاری کرنے میں کوئی رعیت اور نرمی نہ برتی جائے' زبان اور کلام میں غلظت اختیار کرنا مراد نہیں' کیونکہ وہ سنت انبیاء کے خلاف ہے' وہ کسی سے سخت کلامی اور سب و شتم نہیں کرتے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا زنت أمة احدکم فلیجلدھا الحد ولا یثرب علیھا (قرطبی)

''اگر تمہاری کوئی کنیز زنا کی مرتکب ہو تو اس کی سزا حد شرعی اس پر جاری

کردو مگر زبانی ملامت اور طعن و تشنیع نہ کرو"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال میں خود حق تعالیٰ نے فرمایا ولو کنت فضاً غلیظ القلب لانفضوا من حولك "یعنی اگر آپ سخت کلام سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل میں بھی کہیں یہ ثابت نہیں کہ کفار و منافقین سے گفتگو اور خطاب بھی کبھی غلظت اختیار فرمائی ہو۔

تنبیہ :

افسوس کہ خطاب اور کلام میں؛ غلظت جس کو کفار کے مقابلہ میں بھی اسلام نے اختیار نہیں کیا آج کل کے مسلمان دوسرے مسلمانوں کے بارے میں بے دھڑک استعمال کرتے ہیں اور بہت سے لوگ تو اس کو دین کی خدمت سمجھ کر خوش ہوتے ہیں 'انا للہ'

يَحْلِفُوْنَ بِاللهِ مَا قَالُوْا ط وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ج وَمَا نَقَمُوْا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ج فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ج وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ O وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ O فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ O فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ O اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ O

قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ ہم نے نہیں کہا اور بیشک کہا ہے انہوں نے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے مسلمان ہو کر اور قصد کیا تا اس چیز کا جو ان کو نہ ملی، اور یہ سب کچھ اسی کا بدلہ تھا کہ دولتمند کر دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے سو اگر توبہ کر لیں تو بھلا ہے ان کے حق میں اور اگر نہ مانیں گے تو عذاب دے گا ان کو اللہ عذاب دردناک، دنیا اور آخرت میں اور نہیں ان کا روئے زمین پر کوئی حمایتی اور مددگار، اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم ضرور خیرات کریں اور ہو رہیں ہم نیکی والوں میں، پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے تو اس میں بخل کیا اور پھر گئے ٹلا کر، پھر اس کا اثر رکھ دیا نفاق ان کے دلوں میں جس دن تک کہ وہ اس سے ملیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ اس سے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ بولتے تھے جھوٹ کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ جانتا ہے ان کا بھید اور ان کا مشورہ اور یہ کہ اللہ خوب جانتا ہے سب چھپی باتوں کو۔

تفسیر

آیات مذکورہ میں سے پہلی آیت یحلفون باللہ میں پھر منافقین کا تذکرہ ہے کہ وہ اپنی مجلسوں میں کلمات کفر کہتے رہتے ہیں، پھر اگر مسلمانوں کو اطلاع ہو گئی تو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی برأت ثابت کرتے ہیں، اس آیت کے شان نزول میں بغویؒ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر ایک خطبہ دیا، جس میں منافقین کی بدحالی اور انجام بد کا ذکر فرمایا، حاضرین میں ایک منافق جلاس بھی موجود تھا، اس نے اپنی مجلس میں جا کر کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے

ہیں اگر وہ سچ ہے تو ہم گدھوں سے بھی زیادہ بدتر ہیں، اس کا یہ کلمہ ایک صحابی عامر بن قیسؓ نے سن لیا تو کہا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے جو کچھ فرمایا وہ سچ ہے اور تم واقعی گدھوں سے بھی زیادہ بدتر ہو۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر تبوک سے واپس مدینہ طیبہ پہنچے تو عامر بن قیسؓ نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا، اور جلاس اپنے کہے سے مکر گیا، اور کہنے لگا کہ عامر بن قیسؓ نے مجھ پر تہمت باندھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو حکم دیا کہ منبر نبویؐ کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھائیں، جلاس نے بے دھڑک جھوٹی قسم کھالی کہ میں نے ایسا نہیں کہا، عامر جھوٹ بول رہے ہیں، حضرت عامرؓ کا نمبر آیا تو انہوں نے بھی قسم کھائی، اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے کہ یا اللہ آپ اپنے رسول پر بذریعہ وحی اس معاملہ کی حقیقت روشن فرمادیں، ان کی دعاء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمانوں نے آمین کہی، ابھی یہ لوگ اس جگہ سے ہٹے بھی نہیں تھے کہ جبرئیل امین وحی لے کر حاضر ہوگئے، جس میں آیت مذکورہ تھی۔

جلاس نے جب آیت سنی تو فوراً کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہؐ اب میں اقرار کرتا ہوں کہ یہ غلطی مجھ سے ہوئی تھی، اور عامر بن قیس نے جو کچھ کہا وہ سچ تھا، مگر اسی آیت میں حق تعالی نے مجھے توبہ کا بھی حق دے دیا ہے، میں اب اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ عیہ وسلم نے ان کی توبہ قول فرمائی، اور بعد میں یہ اپنی توبہ پر قائم رہے، ان کے حالات درست ہوگئے۔ (مظہری)

بعض حضرات مفسرین نے اسی طرح کے دوسری واقعات اس کی شان نزول میں بیان فرمائے ہیں، خصوصاً اس لئے کہ اس آیت کا ایک جملہ یہ بھی ہے وھموا بما

ینالوا یعنی انہوں نے ارادہ کیا ایک ایسے کام کا جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے، اس ے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کسی ایسے واقعہ سے متعلق ہے جس میں منافقین نے نحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کی تھی، جس میں وہ میاب نہیں ہو سکے، جیسے اسی غزوہ تبوک سے واپسی کا واقعہ معروف ہے کہ بارہ آدمی نافقین میں سے پہاڑ کی ایک گھاٹی میں اس غرض سے چھپ کر بیٹھے تھے کہ جب آپؐ ہاں پہنچیں تو یکبارگی حملہ کر کے آپؐ کو قتل کر دیں، جبرئیل امین نے آپؐ کو خبر دے ی تو آپؐ اس راستہ سے ہٹ گئے، اور ان کی سازش خاک میں مل گئی۔

اور بعض دوسرے واقعات بھی منافقین کی طرف سے ایسے پیش آئے ہیں، راس میں تضاد یا بعد نہیں کہ وہ سب ہی واقعات اس آیت میں مراد ہوں۔

دوسری آیت ومنھم من عٰھد اللہ بھی ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے، جو ن جریر ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابو امامہؓ باہلی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص ثعلبہ ابن حاطب انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ درخواست کی کہ آپؐ دعا کریں کہ میں مال دار ہو جاؤں، آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم کو میرا طریقہ پسند نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں چاہتا تو مدینہ کے پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ پھرا کرتے، مگر مجھے ایسی مال داری پسند نہیں، یہ شخص چلا گیا، مگر دوبارہ پھر آیا اور پھر یہی درخواست اس معاہدہ کے ساتھ پیش کی کہ اگر مجھے مال مل گیا تو میں ہر حق والے کو اس کا حق پہنچاؤں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کر دی جس کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ اس کی بکریوں میں بے پناہ زیادتی شروع ہوئی، یہاں تک کہ مدینہ کی جگہ اس پر تنگ ہو گئی، تو باہر چلا گیا، اور ظہر عصر کی دو نمازیں مدینہ میں آکر آپؐ کے ساتھ پڑھتا تھا،

باقی نمازیں بھی جنگل میں جہاں اس کا یہ مال تھا وہیں ادا کرتا تھا۔

پھر انہی بکریوں میں اور زیادتی اتنی ہو گئی کہ یہ جگہ بھی تنگ ہو گئی، اور شہر مدینہ سے دور جاکر کوئی جگہ لی، وہاں سے صرف جمعہ کی نماز کے لئے مدینہ میں آتا اور پنجگانہ نمازیں وہیں پڑھنے لگا، پھر اس مال کی فراوانی اور بھی تو یہ جگہ بھی چھوڑنا پڑی، اور مدینہ سے بہت دور چلا گیا، جہاں جمعہ اور جماعت سب سے محروم ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے اس کا حال دریافت کیا تو لوگوں نے بتلایا کہ اس کا مال اتنا زیادہ ہو گیا کہ شہر کے قریب میں اس کی گنجائش ہی نہیں اس لئے کسی دور جگہ پر جا کر اس نے قیام کیا ہے اور اب یہاں نظر نہیں پڑتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تین مرتبہ فرمایا ویح ثعلبة، یعنی ثعلبہ پر افسوس ہے ثعلبہ پر افسوس ہے، ثعلبہ پر افسوس ہے۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں آیت صدقات نازل ہو گئی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے صدقات وصول کرنے کا حکم دیا گیا (خذ من اموالھم صدقة) آپؐ نے مویشی کے صدقات کا مکمل قانون لکھوا کر دو شخصوں کو عامل صدقہ کی حیثیت سے مسلمانوں کے مویشی کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیج دیا، اور ان کو حکم دیا کہ ثعلبہ بن حاطب کے پاس بھی پہنچیں اور بنی سلیم کے ایک اور شخص کے اس جانے کا بھی حکم دیا۔

یہ دونوں جب ثعلبہ کے پاس پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان دکھایا، تو ثعلبہ کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ ہو گیا، جو غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے اور پھر کہا کہ اچھا اب تو آپ جائیں جب واپس ہوں تو یہاں آجائیں، یہ دونوں چلے گئے۔

اور دوسرے شخص سلیمی نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنا تو

اپنے مویشی اونٹ اور بکریوں میں جو سب سے بہتر جانور تھے، نصاب صدقہ کے مطابق وہ جانور لے کر خود ان دونوں قاصدان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گے، انہوں نے کہا کہ ہمیں تو حکم یہ ہے کہ جانوروں میں اعلیٰ چھانٹ کر نہ لیں، بلکہ متوسط وصول کریں، اس لئے ہم تو یہ نہیں لے سکتے، سلیمی نے اصرار کیا کہ میں اپنی خوشی سے یہی پیش کرنا چاہتا ہوں، یہی جانور قبول کر لیجئے۔

پھر یہ دونوں حضرات دوسرے مسلمانوں سے صدقات وصول کرتے ہوئے واپس آئے تو پھر ثعلبہ کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ لاؤ وہ قانون صدقات مجھے دکھلاؤ، پھر اس کو دیکھ کر یہی کہنے لگا کہ یہ تو ایک قسم کا جزیہ ہو گیا، جو مسلمانوں سے نہیں لینا چاہئے، اچھا اب تو آپ جائیں میں غور کروں گا پھر کوئی فیصلہ کروں گا۔

جب یہ دونوں حضرات واپس مدینہ طیبہ پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے حالات پوچھنے سے پہلے ہی پھر وہ کلمہ دہرایا جو پہلے فرمایا تھا یا ویح ثعلبة یا ویح ثعلبة یا ویح ثعلبة (یعنی ثعلبہ پر سخت افسوس ہے) یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا، پھر سلیمی کے معاملہ پر خوش ہو کر اس کے لئے دعا فرمائی، اس واقعہ پر یہ آیت نارل ہوئی ومنھم من عٰھد اللہ، یعنی ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ تعالی ان کو مال عطا فرماویں گے تو وہ صدقہ خیرات کریں گے، اور صالحین امت کی طرح سب اہل حقوق، رشتہ داروں اور غریبوں کے حقوق ادا کریں گے، پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے مال دیا تو بخل کرنے لگے، اور اللہ اور رسول کی اطاعت سے پھر گئے۔

فاعقبھم نفاقاً فی قلوبھم، یعنی اللہ تعالی نے ان کی اس بد عملی اور بد عہدی کے نتیجہ میں ان کے دلوں میں نفاق کو اور پختہ کر دیا کہ اب ان کو توبہ کی توفیق

ہی نہ ہو گی۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بعض اعمال بد کی نحوست ایسی ہوتی ہے کہ توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے، نعوذ باللہ منہ۔

ابن جریر نے حضرت ابو امامہ کی تفصیلی روایت جو ابھی ذکر کی ئی ہے اس کے آخر میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثعلبہ کے لئے یا ویح ثعلبة تین مرتبہ فرمایا تو اس مجلس میں ثعلبہ کے کچھ عزیز و اقارب بھی موجود تھے، یہ سن کر ان میں سے ایک آدمی فوراً سفر کر کے ثعلبہ کے پاس پہنچا، اور اس کو ملامت کی، اور بتلایا کہ تمہارے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہو گئی ہے، یہ سن کر ثعلبہ گھبرایا، اور مدینہ حاضر ہو کر درخواست کی کہ میرا صدقہ قبول کر لیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حق تعالیٰ نے تمہارا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے، یہ سن کر ثعلبہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا اپنا عمل ہے، میں نے تمہیں حکم دیا تم نے اطاعت نہ کی، اب تمہارا صدقہ قبول نہیں ہو سکتا، ثعلبہ ناکام واپس ہو گیا، اور اس کے کچھ دن بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی، اور صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو ثعلبہ، صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا کہ میرا صدقہ قبول کر لیجئے، صدیق اکبرؓ نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں کیا تو میں کیسے قبول کر سکتا ہوں۔

پھر صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد ثعلبہ، فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور وہی درخواست کی اور وہی جواب ملا جو صدیق اکبرؓ نے دیا تھا، پھر حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں ان سے درخواست کی انہوں نے بھی انکار کر دیا، اور خلافت

عثمانؓ کے زمانہ میں ثعلبہ مر گیا (نعوذ باللہ من سیئات الاعمال)۔ (مظہری)

مسئلہ :

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ثعلبہ تائب ہو کر حاضر ہو گیا تو اس کی توبہ کیوں قبول نہ کی گئی، وجہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ اب بھی اخلاص کے ساتھ توبہ نہیں کر رہا ہے، اس کے دل میں نفاق موجود ہے، محض وقت مصلحت سے مسلمانوں کو دھوکہ دے کر راضی کرنا چاہتا ہے، اس لئے قبول نہیں، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منافق قرار دے دیا تو بعد کے خلفاء کو اس کا صدقہ قبول کرنے کا حق نہیں رہا، کیونکہ زکوٰۃ کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ کسی شخص کے دل کا نفاق قطعی طور پر کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا، اس لئے آئندہ کا حکم یہی ہے کہ جو شخص توبہ کر لے اور اسلام و ایمان کا اعتراف کر لے اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے خواہ اس کے دل میں کچھ بھی ہو۔ (بیان القرآن)

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ط سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ز وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○

وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں ان مسلمانوں پر جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان پر جو نہیں رکھتے مگر اپنی محنت کا پھر ان پر ٹھٹھے کرتے ہیں، اللہ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے، اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے، تو ان کے

لئے بخشش مانگ یا نہ مانگ، اگر تو ان کے لئے ستر بار بخشش مانگے تو بھی ہرگز نہ بخشے گا ان کو اللہ یہ اس واسطے کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ رستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔

تفسیر:

پہلی آیت میں نفلی صدقات دینے والے مسلمانوں پر منافقین کے طعن و تشنیع کا ذکر ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابو مسعودؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کی طرف سے ہمیں صدقہ کا حکم دیا گیا، اور ہمارا حال یہ تھا کہ ہم محنت مزدوری کرتے تھے (کوئی مال ہمارے پاس نہ تھا، اسی مزدوری سے جو کچھ ہمیں ملتا تھا اسی میں سے صدقہ بھی نکالتے تھے) چنانچہ ابو عقیل نے آدھا صاع (تقریباً پونے دو سیر) صدقہ پیش کیا، دوسرا آدمی آیا اس نے اس سے کچھ زیادہ صدقہ کیا، منافقین ان پر طعن و تشنیع کرنے لگے کہ کیا حقیر اور ذرا سی چیز صدقہ میں لائے، اللہ تعالی کو ایسی چیز کی ضرورت نہیں، اور جس نے کچھ زیادہ صدقہ کیا اس پر یہ الزام لگایا کہ اس نے ریاء لوگوں کو دکھلانے کے لئے صدقہ کیا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

سخر اللہ منھم میں جزاء تمسخر کو تمسخر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دوسری آیت میں جو منافقین کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کو یہ فرمایا گیا کہ آپؐ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں برابر ہے، اور کتنا ہی استغفار کریں ان کی مغفرت نہیں ہوگی، اس کا پورا بیان آگے آنے والی آیت لا تصل علیٰ احد منھم کے تحت آئے گا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ط

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ط لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ O فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ج جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ O فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا ط اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ O

خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے سے جدا ہو کر رسول اللہ سے اور گھبرائے اس سے کہ لڑیں اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں اور بولے کہ مت کوچ کرو گرمی میں، تو کہہ دوزخ کی آگ سخت گرم ہے، اگر ان کو سمجھ ہوتی، سو وہ ہنس لیویں تھوڑا اور رو دیں بہت سا، بدلہ اس کا جو وہ کماتے تھے، سو اگر پھر لے جاوے تجھ کو اللہ کسی فرقہ کی طرف ان میں سے پھر اجازت چاہیں تجھ سے نکلنے کی تو تو کہہ دینا کہ تم ہرگز نہ نکلو گے میرے ساتھ کبھی اور نہ لڑو گے میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے، تم کو پسند آیا بیٹھ رہنا پہلی بار سو بیٹھے رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔

تفسیر:

اوپر سے سلسلہ منافقین کے حالات کا چل رہا ہے، جو غزوہ تبوک میں حکم عام کے باوجود شریک نہیں ہوئے، مذکور الصدر آیات میں بھی انہی کا ایک حال اور پھر اس کی سزائے آخرت کی وعید اور دنیا میں آئندہ کے لئے ان کا نام مجاہدین اسلام کی فہرست سے خارج کر دینا اور آئندہ ان کو کسی جہاد میں شرکت کی اجازت نہ ہونا مذکور ہے۔

مخلفون، مخلف کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں متروک، یعنی جس کو چھوڑ دیا گیا ہو، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ لوگ تو یہ سمجھ کر خوش ہو

رہے ہیں کہ ہم نے اپنی جان کو مصیبت میں ڈالنے سے بچایا، اور جہاد میں شرکت نہیں کی، مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قابل نہیں سمجھا کہ وہ اس فضیت کو پاسکیں، اس لئے وہ تارک جہاد نہیں، بلکہ متروک ہیں، کہ اللہ و رسولؐ نے ہی ان کو چھوڑ دینے کے قابل سمجھا۔

خلاف رسول اللہ، لفظ ”خلاف“ کے معنی یہاں ”پیچھے“ اور ”بعد“ کے بھی ہوسکتے ہیں ابو عبیدہ نے یہی معی لئے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد پر چلے جانے کے بعد آپؐ کے پیچھے رہ جانے پر خوش ہو رہے ہیں، جو در حقیقت خوشی کی چیز نہیں، **بمقعدھم** یہ لفظ یہاں مصدری معنی میں بمعنی قعود ہے۔

دوسرے معنی خلاف کے اس جگہ مخالفت کے بھی ہوسکتے ہیں، کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرکے گھر میں بیٹھے رہے، اور صرف خود ہی نہیں بیٹھے، بلکہ دوسروں کو بھی یہ تلقین کی کہ **لا تنفروا فی الحر**، یعنی گرمی کے زمانہ میں جہاد کے لئے نہ نکلو۔

یہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ غزوہ تبوک کا حکم اس وقت ہوا تھا جب کہ گرمی سخت پڑ رہی تھی حق تعالیٰ نے ان کی بات کا جواب یہ دیا **قل نار جھنم اشد حراً**، یعنی یہ بد نصیب اس وقت کی گرمی کو تو دیکھ رہے ہیں اور اس سے بچنے کی فکر کر رہے ہیں، اس کے نتیجہ میں حکم خدا و رسولؐ کی نافرمانی پر جو جہنم کی آگ سے سابقہ پڑنے والا ہے، اس کی فکر نہیں کرتے، کیا یہ موسم کی گرمی جہنم کی گرمی سے زیادہ ہے، اس کے بعد فرمایا۔

فلیضحکوا قلیلاً الآیۃ۔ جس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ ہنسو تھوڑا روؤ زیادہ، یہ لفظ اگرچہ بصیغہ امر لایا گیا مگر حضرات مفسرین نے اس کو خبر کے معنی میں قرار دیا ہے،

اور بصیغہ امر ذکر کرنے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ ایسا ہونا حتمی اور یقینی ہے، یعنی یہ بات یقینی طور پر ہونے والی ہے کہ ان لوگوں کی خوشی و ہنسی صرف چند روز کی ہے، اس کے بعد آخرت میں ہمیشہ کے لئے رونا ہی رونا ہوگا، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ:

اَلدُّنْیَا قَلِیْلٌ فَلْیَضْحَکُوْا فِیْھَا مَاشَآؤُا فَاِذَا انْقَطَعَتِ الدُّنْیَا وَصَارُوْا اِلَی اللہِ فَلْیَسْتَأْنِفُوْا الْبُکَاءُ بُکَاءً لَایَنْقَطِعُ اَبَدًا۔ (مظھری)

"دنیا چند روزہ ہے اس میں جتنا چاہو ہنس لو، پھر جب دنیا ختم ہوگی اور اللہ کے پاس حاضر ہوگے تو رونا شروع ہو جو کبھی ختم نہ ہوگا"۔

دوسری آیت میں لن تخرجوا کا ارشاد ہے، اس کا مفہوم مذکور الصدر خلاصہ تفسیر میں تو یہ لیا گیا ہے کہ یہ لوگ اگر آئندہ کسی جہاد میں شرکت کا ارادہ بھی کریں تو چونکہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں وہ ارادہ بھی اخلاص سے نہ ہوگا، جب نکلنے کا وقت آئے گا اس وقت پہلے کی طرح حیلے بہانے کر کے ٹل جائیں گے، اس لئے آپ کو حکم ہوا کہ جب وہ کسی جہاد میں شریک ہونے کو خود بھی کہیں تو آپؐ یہ حقیقت حال ان کو بتلا دیں کہ تمہارے کسی قول و فعل پر اعتماد نہیں، تم نہ جہاد کو نکلو گے نہ کسی دشمن اسلام سے میرے ساتھ قتال کرو گے۔

اکثر حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حکم ان کے لئے بطور دنیاوی سزا کے نافذ کیا گیا کہ اگر وہ سچ مچ کسی جہاد میں شرکت کو کہیں تو بھی انہیں شریک نہ کیا جائے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ ط اِنَّھُمْ کَفَرُوْا بِاللہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَاتُوْا وَھُمْ فٰسِقُوْنَ O

اور نماز نہ پڑھ ان میں سے کسی پر جو مر جاوے کبھی اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر، وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور وہ مر گئے نافرمان۔

تفسیر :

احادیث صحیحہ سے باتفاق امت ثابت ہے کہ یہ آیت عبداللہ ابن ابی منافق کی موت اور اس پر نماز جنازہ کے متعلق نازل ہوئی، اور صحیحین کی روایت سے ثابت ہے کہ اس کے جنازہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، پڑھنے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور اس کے بعد آپؐ نے کبھی کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رویت سے واقعہ نزول کی یہ تفصیل بیان کی گئی ہے کہ جب عبداللہ بن ابی بن سلول مر گیا تو اس کے صاحبزادے عبداللہ جو مخلص مسلمان اور صحابی تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور درخواست کی کہ آپؐ اپنا قمیص عطا فرمائیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس کا کفن پہناؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قمیص عطا فرمادیا، پھر حضرت عبداللہ نے یہ بھی درخواست کی کہ آپؐ اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھائیں، آپؐ نے قبول فرمالیا اور نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہوگئے تو حضرت عمر بن خطابؓ نے آپ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا کہ آپؐ اس منافق کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالی نے آپؐ کو ان کی نماز جنازہ سے منع فرمادیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالی نے اختیار دیا ہے کہ میں دعا مغفرت کروں یا نہ کروں، اور آیت میں جو ستر مرتبہ استغفار پر بھی مغفرت نہ ہونے کا ذکر ہے تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کر سکتا ہوں آیت سے مراد سورہ توبہ کی وہی آیت ہے جو ابھی گذر چکی ہے، یعنی استغفر لھم او لا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃً فلن یغفر اللہ لھم، پھر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی، نماز کے بعد ہی یہ آت نازل ہوئی، **لا تصل علیٰ احد منھم** الخ (چنانچہ اس کے بعد آپؐ نے کبھی کسی منافق کے جنازے کی نماز نہیں پڑھی)۔

واقعہ مذکور پر چند اشکالات اور ان کے جواب:

یہاں ایک سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبداللہ بن ابی ایک ایسا منافق تھا جس کا نفاق مختلف اوقات میں ظاہر بھی ہو چکا تھا، اور سب منافقوں کا سردار مانا جاتا تھا، اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امتیازی سلوک کیسے ہوا کہ اس کے کفن کے لئے اپنا قمیص مبارک عطا فرمادیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے دوو سبب ہو سکتے ہیں، اول اس کے صاحبزادے جو مخلص صحابی تھے، ان کی درخواست کہ محض ان کی دلجوئی کے لئے ایسا کیا گیا، دوسرا سبب ایک اور بھی ہو سکتا ہے جو بخاری کی حدیث میں بروایت حضرت جابرؓ منقول ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر جب کچھ قریشی سردار گرفتار کئے گئے، تو ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بھی تھے، آپؐ نے دیکھا کہ ان کے بدن پر کرتہ نہیں، تو صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو قمیص پہنا دیا جائے، حضرت عباسؓ دراز قد تھے، عبداللہ بن ابی کے سوا کسی کا قمیص ان کے بدن پر درست نہ آیا، تو عبداللہ بن ابی کا قمیص لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس کو پہنا دیا تھا، اس کے اسی احسان کا بدلہ ادا کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قمیص ان کو عطا فرمادیا۔ (قرطبی)

دوسرا سوال:

یہاں یہ ہے کہ فاروق اعظمؓ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ

عرض کا کہ اللہ تعالی نے آپ کو منافق کے جنازہ کی نماز سے منع فرمایا ہے' یہ کس بناء پر کہا' کیونکہ اس سے پہلے کسی آیت میں صراحۃً آپؐ کو منافق کی نماز جنازہ سے منع نہیں فرمایا گیا' اس سے ظاہر یہی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ممانعت کا مضمون اسی سورۃ توبہ کی سابقہ آیت **استغفر لهم الآیۃ** سے سمجھا ہوگا' تو اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ آیت ممانعت نماز جنارہ پر دلالت کرتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت کیوں نہ قرار دی' بلکہ یہ فرمایا کہ اس آیت میں مجھے اختیار دیا گیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ در حقیقت الفاظ آیت کا ظاہری مفہوم اختیار ہی دینا ہے' اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ستر مرتبہ کا ذکر بھی اس جگہ تحدید کے لئے نہیں بلکہ کثرت بیان کرنے کے لئے ہے' تو اس آیت کا حاصل اس کے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے یہ ہو گیا کہ منافق کی مغفرت تو نہ ہو گی' خواہ آپ کتنی ہی مرتبہ استغفار کر لیں' لیکن اس میں صراحۃً آپؐ کو استغفار کرنے سے روکا بھی نہیں گیا' اور قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سورۃ یٰس کی اس کی نظیر ہے' جس میں فرمایا گیا ہے **سوآء علیهم أ انذرتهم ام لم تنذرهم لا یؤمنون O** جیسا اس آیت نے آپؐ کو انذار اور تبلیغ سے منع نہیں کیا بلکہ دوسری آیات سے تبلیغ و دعوت کا سلسلہ ان کے لئے بھی جاری رکھنا ثابت ہے **بلغ ما انزل الیك من ربك** اور **انما انت منذر و لكل قوم هاد**' وغیرہ

حاصل یہ ہے کہ آیتء **انذرتهم ام لم تنذرهم** سے تو آپؐ کو اختیار ہی دینا ثابت ہوا تھا' پھر مستقل دلیل سے انذار کو جاری رکھنا ثابت ہو گا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ سے بھی یہ تو سمجھ لیا تھا کہ اس کی مغفرت نہیں ہو گی' مگر کسی دوسری آیت کے ذریعہ اب تک آپ کو استغفار کرنے سے روکا بھی نہیں گیا تھا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ میرے قمیص سے یا نماز

پڑھانے سے اس کی تو مغفرت نہیں ہوگی، مگر اس سے دوسری مصالح اسلامیہ حاصل ہونے کی توقع تھی کہ اس کے خاندان کے لوگ اور دوسرے کفار جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاملہ اس کے ساتھ دیکھیں گے تو وہ اسلام کے قریب آجائیں گے، اور مسلمان ہوجائیں گے، اور ممانعت صریح نماز پڑھنے کی اس وقت تک موجود نہ تھی، اس لئے آپ نے نماز پڑھ لی۔

اس جواب کا شاید ایک تو وہ جملہ ہے جو صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے منقول ہے کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ دعاء مغفرت کرنے سے اس کی مغفرت ہوجائے گی تو میں یہ بھی کرتا۔ (قرطبی)

دوسرا شاہد وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا کرتہ اس کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، مگر میں نے یہ کام اس لئے کیا کہ مجھے امید ہے کہ اس عمل سے میری قوم کے ہزار آدمی مسلمان ہوجائیں گے، چنانچہ مغاری اور بعض کتب تفسیر میں ہے کہ اس واقعہ کو دیکھ کر خزرج قبیلہ کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہوگئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت سابقہ سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کو بھی یہ تو یقین ہوگیا تھا کہ ہمارے کسی عمل سے اس منافق کی مغرت نہیں ہوگی، مگر چونکہ ظاہر الفاظ آیت میں اختیار دیا گیا تھا، اور کسی دوسری آیت سے بھی اس کی ممانعت اب تک نہیں آئی تھی؛ دوسری طرف ایک کافر کے احسان سے دنیا میں نجات حاصل کرنے کا فائدہ بھی تھا، اور اس معاملہ میں دوسرے کافروں کے مسلمان ہونے کی توقع بھی، اس لئے آپؐ نے نماز پڑھنے کو ترجیح دی، اور فاروق اعظم نے یہ سمجھا کہ جب اس آیت سے یہ ثابت ہوگیا کہ مغفرت نہیں ہوگی تو اس کے لئے نماز جنازہ پڑھ کر دعاء

مغرت کرنا ایک فعل عبث اور بے کار ہے، جو شان نبوت کے خلاف ہے، اسی کو انہوں نے ممانعت سے تعبیر فرمایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اس فعل کو فی نفسہ مفید نہ سمجھتے تھے مگر دوسروں کے اسلام لانے کا فائدہ پیش نظر تھا اس لئے فعل عبث نہ رہا، اس طرح نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر کوئی اشکال رہتا ہے نہ فاروق اعظمؓ کے قول پر۔ (بیان القرآن)

البتہ جب صراحۃً یہ آیت نازل ہو گئی **لا تصل**، تو معلوم ہوا کہ اگرچہ نماز پڑھنے میں ایک دینی مصلحت آپؐ کے پیش نظر تھی، مگر اس میں ایک خرابی اور مفسدہ بھی تھا، جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دھیان نہیں ہوا، وہ یہ کہ خود مخلص مسمانوں میں اس عمل سے ایک بے دلی پیدا ہونے کا خطرہ تھا کہ ان کے یہاں مخلص مسلمان اور منافق سب ایک پلے میں تولے جاتے ہیں، اس خطرہ کے پیش نظر قرآن میں یہ ممانعت نازل ہو گئی، اور پھر کبھی آپؐ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

مسئلہ :

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کافر کے جنارہ کی نماز اور اس کے لئے دعا مغفرت جائز نہیں۔

مسئلہ :

اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کافر کے اعزاز و اکرام کے لئے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کے لئے جانا حرام ہے، عبرت حاصل کرنے کے لئے ہو یا کسی مجبوری کے لئے تو وہ اس کے منافی نہیں، جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کسی مسلمان کا کافر رشتہ دار مر جائے اور اس کا کوئی والی وارث نہیں تو مسلمان رشتہ دار اس کو اسی طرح بغیر رعایت طریق مسنون کے گڑھے میں دبا سکتا ہے۔ (بیان القرآن)

وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَاَوۡلَادُهُمۡ ط اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِی الدُّنۡيَا وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ O وَاِذَآ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهِ اسۡتَاۡذَنَكَ اُولُوا الطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ وَقَالُوۡا ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ O رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ وَ طُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ O لٰكِنِ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ جٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ ط وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الۡخَيۡرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ O اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ط ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ O

اور تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ عذاب میں رکھے ان کو ان چیزوں کے باعث دنیا میں اور نکلے ان کی جان اور وہ اس وقت تک کافر ہی رہیں، اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورۃ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور لڑائی کرو اس کے رسول کے ساتھ ہو کر تو تجھ سے رخصت مانگتے ہیں مقدور والے ان کے اور کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ دے کہ رہ جاویں ساتھ بیٹھنے والوں کے، خوش ہوئے کہ رہ جاویں پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ، اور مہر کردے گی ان کے دلوں پر سو وہ نہیں سمجھتے، لیکن رسول اور جو لوگ ایمان لائے میں ساتھ اس کے وہ لڑے ہیں اپنے مال اور جان سے اور انہی کے لئے ہیں خوبیاں، اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے، تیار کر رکھے ہیں اللہ نے ان کے واسطے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں ان میں، یہی ہے بڑی کامیابی۔

تفسیر :

آیات مذکرہ میں بھی انہی منافقین کا حال بیان کیا گیا جو غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے حیلے بہانے کر کے رک گئے تھے‘ ان منافقین میں بعض مال دار خوش حال لوگ بھی تھے‘ ان کے حال سے مسلمانوں کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ جب یہ لوگ اللہ کے نزدیک مردود و نامقبول ہیں تو ان کو دنیا میں ایسی نعمتیں کیوں ملیں۔

اس کے جواب میں پہلی آیت میں فرمایا کہ اگر غور کرو گے تو ان کے اموال و اولاد ان کے لیے رحمت و نعمت نہیں بلکہ دنیا میں بھی عذاب ہی ہیں‘ آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے دنیا میں عذاب ہونا اس طرح ہے کہ مال کی محبت‘ اس کی حفاظت کی اور پھر اس کے بڑھانے کی فکریں ان کو ایسی لگی رہتی ہیں کہ کسی وقت کسی حال چین نہیں لینے دیتی‘ ساز و سامان راحت کا ان کے پاس کتنا ہی ہو مگر راحت نہیں ہوتی‘ جو قلب کے سکون و اطمینان کا نام ہے‘ اس کے علاوہ یہ دنیا کا مال و متاع چونکہ ان کو آخرت سے غافل کر کے کفر و معاصی میں انہماک کا سبب بھی بن رہا ہے اس لئے سبب عذاب ہونے کی وجہ سے بھی اس کو عذاب کہا جا سکتا ہے‘ اسی لئے الفاظ قرآن میں **لیعذبھم بھا** فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان اموال ہی کے ذریعہ ان کو سزا دینا چاہتا ہے۔

اولو الطول کا لفظ تخصیص کے لئے نہیں‘ بلکہ اس سے **غیر اولی الطول** یعنی غیر مستطیع لوگوں کا حال بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا‘ کہ ان کے پاس تو ایک ظاہری عذر بھی تھا۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ O

اور آئے بہانہ کرنے والے گنوار تا کہ ان کو رخصت مل جاوے اور بیٹھ

رہیں جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ سے اور اس کے رسول سے اب پہنچے گا ان کو جو کافر ہیں اُن میں عذاب دردناک۔

تفسیر :

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان دیہاتیوں میں دو قسم کے لوگ تھے' ایک تو وہ جو حیلے بہانے پیش کرنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ان کو جہاد میں چلنے سے رخصت دے دی جائے' اور کچھ ایسے سرکش بھی تھے جنہوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی کہ رخصت لے لیں وہ از خود ہی اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جد بن قیس کو جہاد میں نہ جانے کی اجازت دے دی تو چند منافقین بھی خدمت میں حاضر خدمت ہوئے اور کچھ حیلے بہانے پیش کر کے ترکِ جہاد کی اجازت مانگی' آپؐ نے اجازت تو دے دی' مگر یہ سمجھ لیا کہ یہ جھوٹے عذر کر رہے ہیں' اس لئے ان سے اعراض فرمایا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی' جس نے بتلادیا کہ ان کا عذر قابل قبول نہیں' اس لیے ان کو عذاب الیم کی وعید سنائی گئی' البتہ اس کے ساتھ الذین کفروا منھم فرما کر اشارہ کر دیا کہ ان میں سے بعض کا عذر کفر و نفاق کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ طبعی سستی کے سبب تھا' وہ ان کفار کے عذاب میں شامل نہیں۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ص تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ

تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَنْ لَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَأْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَاءُ ج رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ لا وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ مریضوں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس نہیں ہے خرچ کرنے کو کچھ گناہ جبکہ دل سے صاف ہوں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ نہیں ہے نیکی والوں پر الزام کی کوئی راہ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور نہ ان لوگوں پر کہ جب تیرے پاس آئے تاکہ تو ان کو سواری دے تو نے کہا میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ تم کو اس پر سوار کردوں تو الٹے پھرے اور ان کی آنکھوں سے بہتے تھے آنسو اس غم میں کہ نہیں پاتے وہ چیز جو خرچ کریں وہ، راہ الزام کی تو ان پر ہے جو رخصت مانگتے ہیں تجھ سے اور وہ مالدار ہیں خوش ہوئے اس بات سے کہ وہ رہ جائیں ساتھ پیچھے رہنے والیوں کے اور مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر سو وہ نہیں جانتے۔

تفسیر

سابقہ آیات میں ایسے لوگوں کے حالات کا بیان تھا جو درحقیقت جہاد میں شرکت سے معذور تھے مگر سستی کے سبب عذر کر کے بیٹھ رہے، یا ایسے منافق جنہوں نے اپنے کفر و نفاق کی وجہ سے حیلے بہانے تراش کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لی تھی، اور کچھ وہ سرکش بھی تھے جنہوں نے عذر کرنے اور اجازت لینے کی بھی ضرورت نہ سمجھی، ویسے ہی بیٹھ رہے، ان کا غیر معذور ہونا اور ان میں جو کفر و نفاق کے مرتکب تھے ان کے لئے عذاب الیم کا ہونا سابقہ آیات میں بیان ہوا ہے۔

مذکورہ الصدر آیات میں ان مخلص مسلمانوں کا ذکر ہے جو حقیقۃً معذور ہونے

کے سبب شرکت جہاد سے قاصر رہے۔ ان میں کچھ تو نابینا یا بیمار معذور تھے جن کا عذر کھلا ہوا تھا اور کچھ وہ لوگ بھی تھے جو جہاد میں شرکت کے لئے تیار تھے، بلکہ جہاد میں جانے کے لئے بے قرار تھے، مگر ان کے پاس سفر کے لئے سواری کا جانور نہ تھا، سفر طویل اور موسم گرمی کا تھا، انہوں نے اپنے جذبہ جہاد اور سواری نہ ہونے کی مجبوری کا ذکر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے لئے سواری کا کوئی انتظام ہو جائے۔

کتب تفسیر و تاریخ میں اس قسم کے متعدد واقعات لکھے ہیں، بعض کا معاملہ تو یہ ہوا کہ شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عذر کر دیا کہ ہمارے پاس سواری کا کوئی انتظام نہیں، مگر یہ لوگ روتے ہوئے واپس ہوئے اور روتے رہے تو اللہ تعالی نے ان کے لئے ایسا سامان کر دیا کہ چھ اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسی وقت آگئے، آپؐ نے یہ ان کو دے دیئے (مظہری) اور ان میں سے تین آدمیوں کے لئے سواری کا انتظام حضرت عثمانؓ غنی نے کر دیا حالانکہ وہ اس سے پہلے بہت بڑی تعداد کا انتظام اپنے خرچ سے کر چکے تھے۔

بعض وہ بھی رہے کہ جن کو آخر تک سواری نہ ملی، اور مجبور ہو کر رہ گئے، آیات مذکورہ میں انہی سب حضرات کا ذکر آیا ہے، جن کا عذر اللہ تعالی نے قبول فرمایا، آخر میں پھر اس پر تنبیہ فرمادی کہ وبال تو صرف ان لوگوں پر ہے جنہوں نے قدرت کے باوجود جہاد سے غیر حاضر رہنا عورتوں کی طرح پسند کیا انما السبیل علی الذین یستأذنونك وهم اغنیاء کا یہی مطلب ہے۔

یَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَیۡکُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَیۡهِمۡ ط قُلۡ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ
لَکُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِکُمۡ ط وَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَکُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ

تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○
سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ط فَاَعْرِضُوْا
عَنْهُمْ ط اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ج جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○
يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ج فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى
عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ○

بہانے لائیں گے تمہارے پاس جب تم پھر کر جاؤ گے ان کی طرف، تو کہہ بہانے مت بناؤ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہاری بات ہم کو بتا چکا ہے اللہ تمہارے احوال، اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارے کام اور اس کا رسولؐ پھر تم لوٹائے جاؤ گے طرف اس جاننے والے چھپے اور کھلے کی سو وہ بتلائے گا تم کو جو تم کر رہے تھے، اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تاکہ تم انؐ سے درگذر کرو سو تم درگذر کرو ان سے بیشک وہ لوگ پلید ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، بدلہ ان کے کاموں کا، وہ لوگ قسمیں کھائیں گے تمہارے سامنے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم راضی ہو گئے ان سے تو اللہ راضی نہیں ہوتا نافرمان لوگوں سے۔

تفسیر:

پہلی آیات میں ان منافقین کا ذکر تھا جنہوں نے غزوہ تبوک میں نکلنے سے پہلے جھوٹے حیلے بہانے کر کے جہاد میں جانے سے عذر کر دیا تھا، مذکور الصدر آیات میں ان کا ذکر ہے، جنہوں نے جہاد سے واپسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی جہاد سے غیر حاضری کے جھوٹے عذر پیش کئے، یہ آیات مدینہ طیبہ واپس آنے سے پہلے نازل ہو چکی تھی جن میں اس آئندہ پیش آنے والے

واقعہ کی خبر تھی کہ جب آپؐ مدینہ واپس پہنچیں گے تو منافقین عذر کرنے کے لئے آپؐ کے پاس آئیں گے، چنانچہ اسی طرح واقعہ پیش آیا۔

آیات مذکورہ میں ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین حکم دیئے گئے، اول یہ کہ جب یہ عذر کرنے کے لئے آئیں تو آپؐ ان سے کہہ دیں کہ فضول جھوٹے عذر نہ کرو، ہم تمہاری بات کی تصدیق نہ کریں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ہمیں تمہارے سب حالات اور خیالات اور تمہاری شرارت اور دلوں میں چھپے ہوئے خفیہ ارادے سب بتلا دیئے ہیں، جس سے تمہارا جھوٹا ہونا ہم پر واضح ہو گیا، اس لیے عذر بیان کرنا فضول ہے، اس کے بعد فرمایا **وسیری اللہ عملکم** لآیۃ اس میں ان کو مہلت دی گئی کہ اب بھی توبہ کریں نفاق چھوڑ کر سچے مسلمان ہو جائیں، کیونکہ اس میں یہ فرمایا کہ آئندہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ تمہارا عمل دیکھیں گے کہ وہ کیا اور کیسا رہتا ہے اس کے مطابق عمل ہوگا، اگر تم توبہ کر کے سچے مسلمان ہو گئے، تو تمہارے گناہ معاف ہو جاویں گے۔ ورنہ یہ جھوٹے حیلے بہانے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیں گے۔

دوسرا حکم دوسری آیت میں بیان ہوا ہے کہ یہ لوگ آپؐ کی واپسی کے بعد جھوٹی قسمیں کھا کر آپ کو مطمئن کرنا چاہیں گے، اور مقصد اس سے یہ ہوگا کہ **لتعرضوا عنھم**، یعنی آپؐ ان کی اس غیر حاضری جہاد کو نظر انداز کر دیں، اس پر ملامت نہ کریں، اس پر یہ ارشاد ہوا کہ ان کی یہ خواہش آپؐ پوری کر دیں **فاعرضوا عنھم**، یعنی آپؐ ان سے اعراض کریں نہ تو ان پر ملامت و سرزنش کریں اور نہ شگفتہ تعلقات ان سے رکھیں، کیونکہ ملامت سے تو کوئی فائدہ نہیں، جب ان کے دل میں ایمان ہی نہیں اور اس کی طلب بھی نہیں تو ملامت کرنے سے کیا ہوگا، فضول اپنا وقت ضائع کیوں کیا جائے۔

تیسرا حکم تیسری آیت میں یہ ہے کہ یہ لوگ قسمیں کھا کر آپؐ کو اور مسلمانوں کو راضی کرنا چاہیں گے اس کے متعلق حق تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمادی کہ ان کی یہ خواہش پوری نہ کی جائے' آپؐ ان سے راضی نہ ہوں' اور یہ بھی فرمادیا کہ بالفرض اگر آپؐ راضی بھی ہو گئے تو ان کو کوئی فائدہ اس لئے نہیں پہنچے گا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں ہے' اور اللہ کیسے راضی ہو جبکہ یہ اپنے کفر و منافقت پر قائم ہیں۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌO وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ
مَايُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ط عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ط وَاللّٰهُ
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌO وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ
مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَاللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ط
سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO

گنوار بہت سخت ہیں کفر میں اور نفاق میں اور اسی لائق ہیں کہ نہ سیکھیں وہ قاعدے جو نازل کئے اللہ نے اپنے رسول پر اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے' اور بعضے گنوار ایسے ہیں کہ شمار کرتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو تاوان اور انتظار کرتے ہیں تم پر زمانہ کی گردشوں کا ان ہی پر آئے گردش بری' اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے' اور بعضے گنوار وہ ہیں کہ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور شمار کرتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو نزدیک ہونا اللہ سے اور دعا لینی رسولؐ کی سننا ہے' وہ ان کے حق میں نزدیکی ہے' داخل کرے گا ان کو اپنی رحمت میں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر :

آیات سابقہ میں منافقین مدینہ کا ذکر تھا ان آیات میں ان منافقین کا ذکر ہے جو مدینہ کے مضافات و دیہات کے رہنے والے تھے۔

اعراب یہ لفظ عرب کی جمع نہیں، بلکہ اسم جمع ہے، جو دیہات کے باشندوں کے لئے بولا جاتا ہے، اس کا مفرد بنانا ہوتا ہے تو اعرابی کہتے ہیں، جیسے انصار کا مفرد انصاری آتا ہے۔

ان کا حال آیت مذکورہ میں یہ بتلایا کہ یہ کفر و نفاق میں شہر والوں سے بھی زیادہ ہیں، جس کی وجہ یہ بتلائی کہ یہ لوگ علم اور علماء سے دور رہنے کے سبب عموماً جہالت اور قساوت میں مبتلا ہوتے ہیں، سخت دل ہوتے ہیں (**اجدر ان لایعلموا حدود ما انزل اللہ**) یعنی ان لوگوں کا ماحول ہی ایسا ہے وہ اللہ کی نازل کی ہوئی حدود سے بے خبر رہیں، کیونکہ نہ قرآن ان کے سامنے آتا ہے، نہ اس کے معانی و مطالب اور احکام سے ان کو واقفیت ہوتی ہے۔

دوسری آیت میں بھی انہی اعراب کا ایک حال یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ جو زکوٰۃ وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں اس کو ایک تاوان سمجھ کر دیتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ دل میں ایمان تو ہے نہیں محض اپنے کفر کو چھپانے کے لئے نماز بھی پڑھ لیتے ہیں، اور زکوٰۃ فرض بھی دے دیتے ہیں، مگر دل میں کڑھتے ہیں کہ یہ مال فضول گیا، اسی لئے اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں پر کوئی مصیبت پڑے اور ان کو شکست ہو جائے تو اس تاوان سے ہماری نجات ہو، الدوائر دائرہ کی جمع ہے، عربی لغت کے اعتبار سے دائرہ اس بدلی ہوئی حالت کو کہتے ہیں جو پہلی اچھی حالت کے بعد بری ہو جائے، اسی لئے قرآن کریم نے ان کے جواب میں فرمایا **علیھم دائرۃ السوء** یعنی

انہی پر بری حالت آنے والی ہے' اور یہ اپنے ان افعال و احوال کی بناء پر اور زیادہ ذلیل ہوں گے۔

دیہاتی منافقین کے حالات کا ذکر کرنے کے بعد قرآنی اسلوب کے مطابق تیسری آیت میں ان دیہاتیوں کا ذکر کرنا بھی مناسب سمجھا گیا جو سچے اور پکے مسلمان ہیں' تاکہ معلوم ہو جائے کہ دیہات کے باشندے بھی سب ایک سے نہیں ہوتے' ان میں مخلص مسلمان اور سمجھ دار لوگ بھی ہوتے ہیں' ان کا حال یہ ہے کہ وہ جو زکوٰۃ و صدقات دیتے ہیں تو اس کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ سمجھ کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی امید پر دیتے ہیں۔

صداقت کا اللہ تعالیٰ کے تقرب ذریعہ ہونا تو ظاہر ہی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی امید اس بناء پر ہے کہ قرآن حکیم نے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں سے اموال زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا ہے وہیں یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے لئے آپؐ دعاء بھی کیا کریں جیسے آگے آنے والی آیت میں ارشاد ہے' **خذ من اموالھم صدقة تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم** اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقات وصول کرنے کے ساتھ یہ حکم بھی دیا ہے کہ ان کے لیے دعا کیا کریں' یہ حکم لفظ صلوٰۃ کے ساتھ آیا **وصل علیھم**' اسی لئے مذکورہ آیت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں ک لفظ صلوٰت سے تعبیر کیا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا ط ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ O

اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں ان میں ہمیشہ ' یہی ہے بڑی کامیابی۔

تفسیر :

اس سے پہلی آیت میں دیہاتی مؤمنین مخلصین کا ذکر تھا' اس آیت میں تمام مؤمنین مخلصین کا ذکر ہے' جن میں ان کے درجات فضیلت کا بھی بیان ہے۔

السابقون الاولون من المهاجرين والانصار' اس جملہ میں اکثر حضرات مفسرین نے حرف من کو تبعیض کے لئے قرار دے کر مہاجرین وانصار' صحابہ کرام کے دو طبقے قائم کئے ہیں' ایک سابقین اولین کا دوسرا دوسرے درجے کے حضرات صحابہ کرام کا۔

پھر اس میں اقوال مختلفہ ہیں' بعض حضرات نے صحابہ کرام میں سے سابقین اولین ان کو قرار دیا ہے جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے' یعنی تحویل قبلہ سے پہلے جو مسلمان ہو چکے تھے وہ سابقین اولین ہیں' یہ قول سعید بن میبؒ اور قتادہ کا ہے' حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا ہے سابقین اولین وہ صحابہ ہیں جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور شعبیؒ نے فرمایا کہ جو صحابہ حدیبیہ کی بیعت رضوان میں شریک ہوئے وہ سابقین اولین ہیں' اور ہر قول کے مطابق باقی صحابہ کرام مہاجر ہوں یا انصار سابقین اولین کے بعد دوسرے درجے میں ہیں۔ (مظہری' قرطبی)

اور تفسیر مظہری میں ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ حرف من کو اس آیت میں تبعیض کے لئے نہ لیا جائے بلکہ بیان کے معنی میں ہو تو مفہوم اس جملے کا یہ ہوگا کہ

تمام صحابہ کرام بہ نسبت باقی امت کے سابقین اولین ہیں، اور من المہاجرین والانصار اس کا بیان ہے، بیان القرآن کا خلاصہ تفسیر جو اوپر نقل کیا گیا اس میں اسی تفسیر کو اختیار کیا گیا ہے۔

پہلی تفسیر کے مطابق صحابہ کرام میں دو طبقے ہو جاتے ہیں، ایک سابقین اولین کا، دوسرا وہ جو تحویل قبلہ یا غزوہ بدر یا بیعت رضوان کے بعد مسلمان ہوئے اور آخری تفسیر کا حاصل یہ ہوا کہ صحابہ کرام سب کے سب سابقین اولین ہی ہیں کیونکہ ان کا ایمان باقی امت سے اول اور سابق ہے۔

والذین اتبعوھم باحسان "یعنی جن لوگوں نے اعمال واخلاق میں سابقین اولین کا اتباع مکمل طریقہ پر کیا" پہلے جملے کی پہلی تفسیر کے مطابق ان لوگوں میں درجہ اول ان مہاجرین وانصار صحابہ کا ہے جو تحویل قبلہ یا غزوہ بدر یا بیعت حدیبیہ کے بعد مسلمان ہو کر صحابہ کرام میں داخل ہوئے، دوسرا درجہ ان کے بعد کے سب مسلمانوں کا ہے جو قیامت تک ایمان اور اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ میں صحابہ کرام کے اسوہ پر چلے، اور ان کا مکمل اتباع کیا۔

اور دوسری تفسیر کے مطابق الذین اتبعوا میں صحابہ کرام کے بعد کے حضرات داخل ہیں جن کو اصطلاح میں تابعی کہا جاتا ہے، اور پھر ان اصطلاحی تابعین کے بعد قیامت تک آنے والے وہ سب مسلمان بھی اس میں شامل ہیں جو ایمان و عمل صالح میں صحابہ کرام کا مکمل اتباع کریں۔

صحابہ کرامؓ سب کے سب بلا استثناء جنتی اور اللہ تعالی کی رضاء سے مشرف ہیں:

محمد بن کعب قرظیؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے صحابہ کرام کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں انہوں نے کہا کہ صحابہ کرام سب کے سب جنت میں ہیں اگرچہ وہ لوگ ہوں جن سے دنیا میں غلطیاں اور گناہ بھی ہوئے ہیں، اس شخص نے دریافت کیا کہ یہ بات آپ نے کہاں سے کہی (اس کی کیا دلیل ہے) انہوں نے فرمایا کہ قرآن کریم کی یہ آیت پڑھو: السابقون الاولون اس میں تمام صحابہ کرام کے متعلق بلا کسی شرط کے رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ارشاد فرمایا ہے البتہ تابعین کے معاملہ میں اتباع باحسان کی شرط لگائی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بلا کسی قید و شرط کے سب کے سب بلا استثناء رضوان الٰہی سے سرفراز ہیں۔

تفسیر مظہری میں یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ میرے نزدیک سب صحابہ کرام کے جنتی ہونے پر اس سے بھی زیادہ واضح استدلال اس آیت سے ہے لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا و کلاً وعد الله الحسنی" اس آیت میں پوری صراحت سے یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ صحابہ کرام اولین ہوں یا آخرین سب سے اللہ تعالی نے حسنٰی یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جہنم کی آگ اس مسلمان کو نہیں چھو سکتی جس نے مجھے دیکھا ہے یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے۔ (ترمذی عن جابرؓ)

تنبیہ:

جو لوگ صحابہ کرام کے باہمی مشاجرات اور ان میں پیش آنے والے واقعات کی بنا پر بعض صحابہ کرام کے متعلق ایسی تنقیدات کرتے ہیں جن کو پڑھنے والوں کے قلوب ان کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہو سکیں، وہ اپنے آپ کو ایک خطرناک راستہ پر

ڈال رہے ہیں، نعوذباللہ منہ

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ط وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قف
مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ قف لَاتَعْلَمُهُمْ ط نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ط سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ
ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ O

اور بعضے تمہارے گرد کے گنوار منافق ہیں، اور بعضے لوگ مدینہ والے اڑ رہے ہیں نفاق پر تو ان کو نہیں جانتا ہم کو وہ معلوم ہیں ان کو ہم عذاب دیں گے دوبار پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔

تفسیر :

سابقہ بہت سی آیات میں ان منافقین کا ذکر آیا ہے جن کا نفاق ان کے اقوال و افعال سے ظاہر ہو چکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ عایہ وسلم پہچانتے تھے کہ یہ منافق ہیں، اس آیت میں ایسے منافقین کا ذکر ہے جن کا نفاق انتہائی کمال پر ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اب تک مخفی رہا، اس آیت میں ایسے شدید منافقین پر آخرت سے پہلے ہی دو عذاب ہونے کا ذکر آیا ہے، ایک دنیا ہی میں کہ ہر وقت اپنے نفاق کو چھپانے کی فکر اور ظاہر ہونے کے خوف میں مبتلا رہتے ہیں، اور اسلام اور مسلمانوں سے انتہائی بغض و عداوت رکھنے کے باوجود ظاہر میں ان کی تعظیم و تکریم اور ان کے اتباع پر مجبور ہونا بھی کچھ کم عذاب نہیں، اور دوسرا عذاب قبر و برزخ کا عذاب ہے، جو قیامت و آخرت سے پہلے ہی ان کو پہنچے گا۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ط
عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ
صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ

لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ O اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ O وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ O وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ O

اور بعضے لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا' ملایا انہوں نے ایک کام نیک اور دوسرا قریب ہے کہ اللہ معاف کرے ان کو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ان کے مال میں سے زکوٰۃ کہ پاک کرے تو ان کو اور بابرکت کرے تو ان کو اس کی وجہ سے اور دعا دے ان کو بیشک تیری دعاء ان کے لئے تسکین ہے اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ آپ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے زکوٰتیں اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے' اور کہہ کہ عمل کئے جاؤ پھر آگے دیکھ لے گا اللہ تمہارے کام کو اور اس کا رسولؐ اور مسلمان' اور تم جلد لوٹائے جاؤ گے اس کے پاس جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں سے واقف ہے' پھر وہ جتا دے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے' اور بعضے وہ لوگ ہیں کہ ان کا کام ڈھیل میں ہے حکم پر اللہ کے یا وہ ان کو عذاب دے اور یا ان کو معاف کرے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

تفسیر :

غزوہ تبوک کے لئے جب رسول اللہ صلی اللہ عایہ وسلم کی طرف سے اعلان عام اور سب مسلمانوں کو چلنے کا حکم ہوا تو زمانہ سخت گرمی کا تھا' مسافت دور دراز کی تھی'

اور ایک باقاعدہ بڑی حکومت کی تربیت یافتہ فوج سے مقابلہ تھا، جو اسلام کی تاریخ میں پہلا ہی واقعہ تھا، یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے اس حکم کے متعلق لوگوں کے حالات مختلف ہو گئے، اور ان کی جماعتوں کی کئی قسمیں ہو گئیں۔

ایک قسم ان حضرات مخلصین کی تھی جو اول حکم سنتے ہی بلا تردد جہاد کے لئے تیار ہو گئے، دوسری قسم وہ لوگ تھے جو ابتداً کچھ تردد میں رہے پھر ساتھ ہو لئے، آیت **الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم** میں انہی حضرات کا ذکر ہے۔

تیسری قسم ان حضرات کی ہے جو واقعی طور پر معذور تھے، اس لئے نہ جا سکے، ان کا ذکر آیت **لیس علی الضعفاء** میں آیا ہے، چوتھی قسم ان مؤمنین مخلصین کی ہے جو عذر نہ ہونے کے باوجود سستی کاہلی کے سبب جہاد میں شریک نہیں ہوئے، ان کا ذکر مذکور الصدر آیت **واخرون اعترفوا** اور **اخرون مرجون** میں آیا ہے، پانچویں قسم منافقین کی تھی جو نفاق کے سبب شریک جہاد نہیں ہوئے، ان کا ذکر گذشتہ بہت سی آیات میں آ چکا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ آیات سابقہ میں بیشتر ذکر پانچویں قسم منافقین کا ہوا ہے، آیات مذکور الصدر میں چوتھی قسم کے حضرات کا ذکر ہے جو مؤمن ہونے کے باوجود سستی وکاہلی سے شریک جہاد نہیں ہوئے۔

پہلی آیت میں فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا، ان لوگوں کے اعمال ملے جلے ہیں، کچھ اچھے کچھ برے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ دس حضرات تھے جو بلا کسی صحیح عذر کے غزوہ تبوک میں نہ گئے تھے پھر ان کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی، ان میں سے سات آدمیوں نے اپنے آپ کو مسجد نبویؐ کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا، اور

یہ عہد کیا کہ جب تک ہماری توبہ قبول کر کے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نہ کھولیں گے ہم اسی طرح بندھے ہوئے قیدی رہیں گے، ان حضرات میں ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کے نام پر سب روایتیں متفق ہیں، دوسرے اسماء میں مختلف روایتیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو بندھا ہوا دیکھا اور معلوم ہوا کہ انہوں نے عہد یہ کیا ہے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کو نہ کھولیں گے اس وقت تک بندھے رہیں گے، تو آپؐ نے فرمایا کہ میں بھی اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے ان کے کھولنے کا حکم نہ دے گا، کیونکہ جرم بڑا ہے، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھولنے کا حکم دے دیا، اور وہ کھول دیئے گئے۔ (قرطبی)

سعید بن مسیبؒ کی روایت میں ہے کہ جب ابو لبابہ کو کھولنے کا ارادہ کیا گیا تو انہوں نے انکار کیا، اور کہا کہ جب تک خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو کر مجھے اپنے ہاتھ سے نہ کھولیں گے میں بندھا رہوں گا، چنانچہ صبح کی نماز میں جب آپؐ تشریف لائے تو دست مبارک سے ان کو کھولا۔

نیک و بد ملے جلے عمل کیا تھے؟

آیت میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے کچھ عمل نیک تھے، کچھ برے، ان کے نیک اعمال تو ان کا ایمان، نماز، روزہ کی پابندی اور اس جہاد سے پہلے غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت اور خود اس واقعہ تبوک میں اپنے جرم کا اعتراف کر لینا اور نادم ہو کر توبہ کرنا وغیرہ ہیں، اور برے عمل غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونا اور اپنے عمل سے منافقین کی مواقفت کرنا ہے۔

جن مسلمانوں کے اعمال اچھے برے ملے جلے ہوں قیامت تک وہ بھی اسی حکم میں داخل ہیں :

تفسیر قرطبیؒ میں ہے کہ اگرچہ یہ آیت ایک خاص جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے، مگر حکم اس کا قیامت تک عام ہے، ان مسلمانوں کے لئے جن کے اعمال نیک وبد ملے جلے ہوں اگر وہ اپنے گناہوں سے تائب ہو جائیں تو ان کے لئے معافی اور مغفرت کی امید ہے۔

ابو عثمانؒ نے فرمایا کہ قرآن کریم کی یہ آیت اس امت کے لئے بڑی امید دلانے والی ہے اور صحیح بخاری میں بروایت سمرہ بن جندب معراج نبویؐ کی ایک تفصیلی حدیث میں ہے کہ ساتویں آسمان پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہوئی تو ان کے پاس کچھ لوگ دیکھے جن کے چہرے سفید تھے، اور کچھ ایسے کہ ان کے چہروں میں کچھ داغ دھبے تھے یہ دوسری قسم کے لوگ ایک نہر میں داخل ہوئے اور غسل کرکے واپس آئے تو ان کے چہرے بھی بالکل صاف سفید ہوگئے تھے، جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ کو بتلایا کہ یہ سفید چہرے والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پھر گناہوں سے پاک صاف رہے، الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم، اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ملے جلے اچھے برے سب طرح کے کام کئے پھر توبہ کرلی، اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور گناہ معاف ہوگئے۔ (قرطبیؒ)

خذ من اموالھم صدقة، واقعہ اس آیت کا یہ ہے کہ جن حضرات کا اوپر ذکر ہوا کہ بلا عذر غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، پھر نادم ہوکر اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا پھر آیت مذکورہ سابقہ میں ان کی توبہ کی قبولیت نازل ہوئی اور قید

سے کھولے گئے تو ان حضرات نے بطور شکرانہ اپنا سارا مال صدقہ کرنے کے لئے پیش کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کرنے سے انکار فرمایا کہ مجھے مال لینے کا حکم نہیں ہے، اس پر یہ آیت مذکورہ **خذ من اموالھم** نازل ہوئی، اور آپؐ نے پورے مال کے بجائے ایک تہائی مال کا صدقہ کرنا قبول فرمالیا کیونکہ آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ پورا مال نہ لیا جائے بلکہ اس کا کوئی حصہ لیا جایے حرف من اس پر شاہد ہے۔

مسلمانوں کے صدقات زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنا اور ان کے مصرف پر خرچ کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے :

اس آیت میں اگرچہ شان نزول کے اعتبار سے ایک خاص جماعت سے صدقہ وصول کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن وہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے۔

تفسیر قرطبی، احکم القرآن جصاص، مظہری وغیرہ میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے، اور قرطبی اور جصاص نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اگر اس آیت میں شان نزول وہی خاص واقعہ قرار دیا جائے جس کا ذکر اوپر آیا ہے تو پھر بھی اصول قرآنی کی رو سے یہ حکم عام ہی رہے گا، اور قیامت تک کے مسلمانوں پر حاوی ہوگا، کیونکہ قرآن کریم کے بیشتر احکام خاص خاص واقعات میں نازل ہوئے، مگر ان کا دائرہ عمل کسی کے نزدیک اس خاص واقعہ تک محدود نہیں ہوتا بلکہ جب تک کوئی دلیل تخصیص کی نہ ہو یہ حکم تمام مسلمانوں کے لئے عام اور شامل ہی قرار دیا جاتا ہے۔

یہاں تک کہ پوری امت محمدیہ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس آیت میں اگرچہ خطاب خاص نبی کریم صلی اللہ عایہ وسلم کو ہے، مگر یہ حکم نہ آپؐ کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ آپؐ کے زمانہ تک محدود بلکہ ہر وہ شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام مسلمانوں کا امیر ہوگا وہ اس حکم کا مخاطب اور مامور ہوگا، اس کے فرائض میں

داخل ہوگا کہ مسلمانوں کی زکوٰۃ، صدقات کے وصول کرنے اور مصرف پر خرچ کرنے کا انتظام کرے۔

صدیق اکبرؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں جو مانعین زکوٰۃ پر جہاد کرنے کا واقعہ پیش آیا اس میں بھی زکوٰۃ نہ دینے والے کچھ تو وہ لوگ تھے جو کھلم کھلا اسلام سے باغی اور مرتد ہوگئے تھے اور کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے تھے مگر زکوٰۃ نہ دینے کا یہ بہانہ کرتے تھے کہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کا حکم آپؐ کی حیات تک تھا، ہم نے اس کی تعمیل کی، آپؐ کی وفات کے بعد ابو بکرؓ کو کیا حق ہے کہ ہم سے زکوٰۃ و صدقات طلب کریں، اور شروع شروع میں حضرت عمرؓ کو ان پر جہاد کرنے سے اسی لئے تردد پیش آیا کہ یہ مسلمان ہیں ایک آیت کی آڑ لے کر زکوٰۃ سے بچنا چاہتے ہیں، اس لئے ان کے ساتھ وہ معاملہ نہ کیا جائے جو عام مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے، مگر صدیق اکبرؓ نے پورے عزم اور جزم کے ساتھ فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا اس پر جہاد کریں گے۔

اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ جو لوگ حکم زکوٰۃ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص کرنے اور آپ کے بعد اس کے ساقط ہو جانے کے قائل ہوئے وہ کل کو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نماز بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی، کیونکہ قرآن کریم میں یہ آیت بھی آئی ہے: **اقم الصلوٰۃ لدلوك الشمس**، جس میں اقامت صلوٰۃ کے مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، مگر جس طرح آیت نماز کا حکم پوری امت کے لئے عام ہے اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہونے کی غلط تاویل کرنے والوں کو کفر سے نہیں بچا سکتی، اسی

طرح آیت خذ من اموالھم میں یہ تاویل ان کو کفر و ارتداد سے نہیں بچائے گی' اس پر فاروق اعظمؓ کو بھی اطمینان ہو گیا اور با جماع صحابہ ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا گیا۔

زکوٰۃ حکومت کا ٹیکس نہیں بلکہ عبادت ہے :

قرآن کریم نے آیت مذکورہ میں خذ من اموالھم کے بعد جو ارشاد فرمایا صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا' اس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ زکوٰۃ و صدقات کوئی حکومت کا ٹیکس نہیں' جو عام حکومتیں نظام حکومت چلانے کے لئے وصول کرتی ہیں' بلکہ اس کا مقصد خود اصحاب اموال کو گناہوں سے پاک صاف کرنا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ زکوٰۃ و صدقات کو وصول کرنے سے درحقیقت دو فائدے حاصل ہوتے ہیں' ایک فائدہ خود صاحب مال کا ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ گناہوں سے اور مال کی حرص و محبت سے پیدا ہونے والی اخلاقی بیماریوں کے جراثیم سے پاک وصاف ہو جاتا ہے' دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ قوم کے اس ضعیف عنصر کی پرورش ہوتی ہے جو خود اپنی ضروریات مہیا کرنے سے مجبور یا قاصر ہے جیسے یتیم بچے' بیوہ عورتیں' اپاہج و معذور مرد عورتیں اور عام فقراء و مساکین وغیرہ۔

لیکن قرآن حکیم نے اس جگہ صرف پہلا فائدہ بیان کرنے پر اقتصار کر کے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ زکوٰۃ و صدقات کا اصل مقصد پہلا ہی فائدہ ہے' دوسرا فائدہ اس سے ضمنی طور پر حاصل ہو جاتا ہے' اس لئے اگر بالفرض کسی جگہ یا کسی وقت کوئی یتیم' بیوہ' فقیر' مسکین موجود نہ ہو جب بھی اصحاب اموال سے زکوٰۃ کا حکم ساقط نہ ہوگا۔

اس مضمون کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ پچھلی امتوں میں جو مال اللہ

تعالیٰ کے لئے نکالا جاتا تھا اس کا استعمال کسی کے لئے جائز نہ تھا‘ بلکہ دستور یہ تھا کہ اس کو کسی علیحدہ جگہ پر رکھ دیا جاتا تھا اور آسمانی بجلی آکر اس کو جلا دیتی تھی‘ یہی علامت تھی اس بات کی کہ یہ صدقہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا‘ اور جہاں یہ آسمانی آگ نہ آتی تو صدقہ کے غیر مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی‘ پھر اس منحوس مال کو کوئی ہاتھ نہ لگاتا تھا۔

اس سے واضح ہو گیا کہ زکوٰۃ و صدقات کی اصل مشروعیت کسی کی حاجت روائی کے لئے نہیں‘ بلکہ وہ ایک مالی حق اور عبادت ہے‘ جیسے نماز روزہ جسمانی عبادات ہیں‘ یہ امت مرحومہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ یہ مال جو فی سبیل اللہ نکالا گیا ہے اس امت کے فقراء و مساکین کے لئے اس کا استعمال جائز کر دیا گیا‘ جیسا کہ مسلم کی حدیث صحیح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تصریح منقول ہے۔

ایک سوال اور جواب :

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ واقعہ میں جب ان حضرات کی توبہ قبول کر لی گئی تو گناہ کی معافی اور تطہیر توبہ ہی کے ذریعہ ہو چکی‘ پھر مال لینے کو ذریعہ تطہیر قرار دینے کے معنی کیا ہوں گے ؟

جواب یہ ہے کہ اگرچہ توبہ سے گناہ معاف ہو گیا مگر گناہ معاف ہونے کے بعد اس کی کچھ ظلمت و کدورت باقی رہ سکتی ہے جو آئندہ ارتکاب گناہ کا سبب بن سکتی ہے‘ صدقہ کرنے سے وہ کدرت دور ہو کر تطہیر کامل ہو جائے گی۔

وصل علیھم‘ اس میں لفظ صلوٰۃ سے مراد ان کے لئے دعائے رحمت کرنا ہے‘ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول یہی ہے کہ بعض لوگوں کے لئے آپؐ نے لفظ صلوٰۃ ہی سے دعاء فرمائی جیسے اللھم صل علیٰ ال ابی اوفی‘ حدیث میں آیا ہے‘ لیکن بعد میں لفظ صلوٰۃ انبیاء علیہم السلام کی مخصوص علامت بن گئی‘ اس لئے اکثر

فقہاء رحمہم اللہ کا یہ قول ہے کہ اب کسی شخص کے لئے دعا بہ لفظ صلوٰۃ نہ کی جائے' بلکہ اس لفظ کو صرف انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص رکھا جائے' تاکہ تلبیس اور اشتباہ نہ ہو۔ (بیان القرآن وغیرہ)

یہاں آپ ﷺ کو صدقہ دینے والوں کے لئے دعا کرنے کا حکم ہے' اس وجہ سے بعض حضرات فقہاء نے فرمایا کہ امام وامیر کو صدقہ ادا کرنے والوں کے لئے دعاء کرنا واجب ہے' اور بعض حضرات نے اس کو امر استحباب قرار دیا ہے۔ (قرطبی)

واخرون مرجون لامر اللہ' دس حضرات مؤمنین جو بلا عذر کے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے ان میں سے سات نے تو اپنی ندامت وافسوس کا پورا اظہار اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ کر کر دیا تھا ان کا حکم پہلی آیت میں آ چکا' **واخرون اعترفوا**' اس آیت سے باقی وہ تین حضرات مراد ہیں جنھوں نے یہ عمل منجد میں قید ہونے کا نہیں کیا تھا' اور اس طرح کھلے طور پر اعتراف نہیں کیا' ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دے دیا کہ مسلمان ان کا مقاطعہ کریں' ان سے سلام کلام بند کر دیں' یہ معاملہ ہونے کے بعد ان کی حالت درست ہو گئی' اور اخلاص کے ساتھ اعتراف جرم کر کے تائب ہو گئے' تو ان کے لئے بھی معافی کے احکام دے دیئے گئے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ط وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ O لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ط لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ O اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى

اِنَّهُمْ

مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ O لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ O

اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں اور گھات لگانے کو اس شخص کی جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے پہلے سے اور وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں، تو نہ کھڑا ہو اس میں کبھی البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد دھری گئی پرہیزگاری پر اول دن سے وہ لائق ہے کہ تو کھڑا ہو اس میں اس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہیں پاک رہنے کو، اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو، بھلا جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ سے ڈرنے پر اور اس کی رضامندی پر وہ بہتر یا جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی کنارہ پر ایک کھائی کے جو گرنے کو ہے پھر اس کو لے کر ڈھے پڑا دوزخ کی آگ میں، اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو ہمیشہ رہے گا، اس عمارت سے جو انہوں نے بنائی تھی شبہ ان کے دلوں میں مگر جب ٹکڑے ہو جائیں ان کے دل اور اللہ ہی سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

تفسیر :

منافقین کے حالات اور خلاف اسلام ان کی حرکتوں کا ذکر اوپر بہت سی آیات میں آ چکا ہے، مذکورۃ الصدر آیات میں بھی ان کی سازش کا ذکر ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک شخص ابو عامر نامی زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا، اور ابو عامر راہب کے نام سے مشہور تھا، یہ وہی شخص ہے جن کے لڑکے حنظلہ رضی اللہ عنہ

مشہور صحابی ہیں جن کی لاش کو فرشتوں نے غسل دیا اس لئے غسیل ملائکہ کے نام سے معروف ہوئے، مگر باپ اپنی گمراہی اور نصرانیت پر قائم رہا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ابو عامر راہب حاضرِ خدمت ہوا اور اسلام پر اعتراضات کیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب پر بھی اس بدنصیب کا اطمینان نہ ہوا، بلکہ یہ کہا کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو وہ مردود اور احباب واقارب سے دور ہو کر مسافرت میں مرے، اور کہا کہ آپ کے مقابلہ میں جو بھی دشمن آئے گا میں اس کی مدد کروں گا، چنانچہ غزوہ حنین تک تمام غزوات میں مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ قتال میں شرکت کی، جب ہوازن کا بڑا اور قوی قبیلہ بھی شکست کھا گیا تو یہ مایوس ہو کر ملک شام بھاگ گیا، کیونکہ یہی ملک نصرانیوں کا مرکز تھا وہی جا کر اپنے احباب واقارب سے دور مر گیا، جو دعاء کی تھی وہ اس کے سامنے آگئی، جب کسی شخص کی رسوائی مقدور ہوتی ہے تو وہ ایسے ہی کام کیا کرتا ہے، خود ہی اپنی دعاء سے ذلیل وخوار ہوا۔

مگر جب تک زندہ رہا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں لگا رہا چنانچہ قیصر ملک روم کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنے لشکر سے مدینہ پر چڑھائی کردے، اور مسلمانوں کو یہاں سے نکال دے۔

اسی سازش کا ایک معاملہ یہ پیش آیا کہ اس نے منافقین مدینہ کو جن کے ساتھ اس کا سازباز تھا خط لکھا کہ میں اس کی کوشش کر رہا ہوں کہ قیصر مدینہ پر چڑھائی کرے، مگر تم لوگوں کی کوئی اجتماعی طاقت ہونی چاہیئے جو اس وقت قیصر کی مدد کرے، اس کی صورت یہ ہے کہ تم مدینہ ہی میں ایک مکان بناؤ اور یہ ظاہر کرو کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو شبہ نہ ہو پھر اس مکان میں تم اپنے لوگوں کو جمع کرو، اور

جس قدر اسلحہ اور سامان جمع کر سکتے ہو وہ بھی کرو یہاں مسلمانوں کے خلاف آپس کے مشورہ سے معاملات طے کیا کرو۔

اس کے مشورہ پر بارہ منافقین نے مدینہ طیبہ کے محلہ قباء میں جہاں اول ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور ایک مسجد بنائی تھی وہیں ایک دوسری مسجد کی بنیاد رکھی اُن منافقین کے نام بھی ابن اسحٰق وغیرہ نے نقل کیے ہیں، پھر مسلمانوں کو فریب دینے اور دھوکے میں رکھنے کے لیے یہ ارادہ کیا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم سے ایک نماز اس جگہ پڑھوا دیں تاکہ سب مسلمان مطمئن ہو جائیں کہ یہ بھی ایک مسجد ہے جیسا کہ اس سے پہلے ایک مسجد یہاں بن چکی ہے۔

ان کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قباء کی موجودہ مسجد بہت سے لوگوں سے دور ہے، ضعیف بیمار آدمیوں کو وہاں تک پہنچنا مشکل ہے اور خود مسجد قباء اتنی وسیع بھی نہیں کہ پوری بستی کے لوگ اس میں سما سکیں، اس لئے ہم نے ایک دوسری مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے تاکہ ضعیف مسلمانوں کو فائدہ پہنچے، آپؐ اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لیں تاکہ برکت ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غزوہ تبوک کی تیاری میں مشغول تھے، آپؐ نے یہ وعدہ کر لیا کہ اس وقت تو ہمیں سفر درپیش ہے، واپسی کے بعد ہم اس میں نماز پڑھ لیں گے۔

لیکن غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت جبکہ آپؐ مدینہ طیبہ کے قریب ایک مقام پر فروکش ہوئے تو آیات مذکورہ آپؐ پر نازل ہوئیں جن میں ان منافقین کی سازش کھول دی گئی تھی، آیات کے نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے چند اصحاب جس میں عامر بن سکن اور وحشی قاتل حمزہؓ وغیرہ شریک تھے، ان کو حکم دیا کہ ابھی جا کر اس مسجد کو ڈھادو، اور اس میں آگ لگادو، یہ سب حضرات اسی وقت گئے اور حکم کی تعمیل کر کے اس کی عمارت کو ڈھا کر زمین برابر کر دی، یہ تمام واقعہ تفسیر قرطبی اور مظہری کی بیان کی ہوئی روایات سے اخذ کیا گیا ہے۔

تفسیر مظہری میں محمد بن یوسف صالحی کے حوالہ سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قباء سے مدینہ منورہ میں پہنچ گئے تو مسجد ضرار کی جگہ خالی پڑی تھی، آپؐ نے عاصم ابن عدی کو اس کی اجازت دی کہ وہ اس جگہ میں اپنا گھر بنالیں، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ جس جگہ کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہو چکی ہیں میں تو اس منحوس جگہ میں گھر بنانا پسند نہیں کرتا، البتہ ثابت بن اقرم ضرور تمند ہیں ان کے پاس کوئی گھر نہیں، ان کو اجازت دے دیجئے کہ وہ یہاں مکان بنالیں، ان کے مشورہ کے مطابق آپؐ نے یہ جگہ ثابت بن اقرم کو دے دی، مگر ہوا یہ کہ جب سے ثابتؓ اس مکان میں مقیم ہوئے ان کے کوئی بچہ نہیں ہوا یا زندہ نہیں رہا۔

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ انسان تو کیا اس جگہ میں کوئی مرغی بھی انڈے بچے دینے کے قابل نہ رہی کوئی کبوتر اور جانور بھی اس میں پھلا پھولا نہیں، چنانچہ اس کے بعد سے یہ جگہ آج تک مسجد قباء کے کچھ فاصلہ پر ویران پڑی ہے۔

واقعہ کی تفصیل سننے کے بعد آیات مذکورہ کے متن کو دیکھئے پہلی آیت میں فرمایا **والذین اتخذوا مسجداً**، یعنی جس طرح اوپر دوسرے منافقین کے عذاب اور ذلت ورسوائی کا ذکر ہوا ہے یہ منافقین بھی ان میں شامل ہیں جنہوں نے مسجد کا نام رکھ کر ایک ایسی عمارت بنائی جس کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا۔

اس آیت میں مسجد مذکور کے بنانے کی تین غرضیں ذکر کی گئی ہیں۔ اول

ضراراً یعنی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے۔ لفظ "ضرر" اور "ضرار" دونوں عربی زبان میں نقصان پہنچانے کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں، بعض حضرات نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ "ضرر" تو اس نقصان کو کہا جاتا ہے جس میں اس کے کرنے والے کا اپنا تو فائدہ ہو دوسروں کو نقصان پہنچے، اور "ضرار" دوسروں کو وہ نقصان پہنچانا ہے جس میں اس پہنچانے والے کا اپنا کوئی فائدہ بھی نہیں، چونکہ اس مسجد کا انجام یہی ہونے والا تھا کہ بنانے والوں کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے، اس لئے یہاں لفظ ضرار استعمال کیا گیا۔

دوسری غرض اس مسجد کی تفریقاً بین المؤمنین بتلائی گئی ہے، یعنی ان کا مقصد اس مسجد کے بنانے سے یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کی جماعت کے دو ٹکڑے ہو جاویں، ایک ٹکڑا اس مسجد میں نماز پڑھنے والوں کا الگ ہو جائے اور یہ کہ قدیم مسجد قباء کے نمازی گھٹ جائیں اور کچھ لوگ یہاں نماز پڑھا کریں۔

تیسری غرض ارصاداً لمن حارب اللہ بتلائی گئی، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس مسجد سے یہ کام بھی لینا تھا کہ یہاں اللہ اور رسول کے دشمنوں کو پناہ ملے اور وہ یہاں مسلمانوں کے خلاف سازش کیا کریں۔

اس مجموعہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ جس مسجد کو قرآن کریم نے مسجد ضرار قرار دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو ڈھایا گیا اور آگ لگائی گئی، در حقیقت نہ وہ مسجد تھی نہ اس کا مقصد نماز پڑھنے کے لئے تھا بلکہ مقاصد وہ تین تھے جن کا ذکر اوپر آیا ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ آج کل اگر کسی مسجد کے مقابلہ میں اس کے قریب کوئی دوسری مسجد کچھ مسلمان بنالیں، اور بنانے کا مقصد یہی باہمی تفرقہ اور پہلی مسجد کی جماعت توڑنا وغیرہ اغراض فاسدہ ہوں، تو اگرچہ ایسی مسجد بنانے والے کو ثواب تو نہ ملے گا بلکہ تفریق بین المؤمنین کی وجہ سے گناہگار ہوگا، لیکن باایں ہمہ اس جگہ

کو شرعی حیثیت سے مسجد ہی ہی کہا جائے گا‘ اور تمام آداب اور احکام مساجد کے اس پر جاری ہوں گے‘ اس کا ڈھانا‘ آگ لگانا جائز نہیں ہوگا‘ اور جو لوگ اس میں نماز پڑھیں گے ان کی نماز بھی ادا ہو جائے گی‘ اگرچہ ایسا کرنا فی نفسہ گناہ رہے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس طرح ریاء و نمود کے لیے یا ضد و عناد کی وجہ سے جو مسلمان کوئی مسجد بنا لے اگرچہ بننے والے کو مسجد کا ثواب نہ ملے گا بلکہ گناہ ہوگا۔ مگر اس کو اصطلاح قرآن والی مسجد ضرار نہیں کہا جائے گا‘ بعض لوگ جو اس طرح کی مسجد کو مسجد ضرار کہہ دیتے ہیں یہ درست نہیں‘ البتہ اس کو مسجد ضرار کے مشابہ کہہ سکتے ہیں‘ اس لیے اس کے بنانے کو روکا بھی جا سکتا ہے‘ جیسا کہ حضرت فاروقؓ نے ایک فرمان جاری فرمایا تھا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد نہ بنائی جائے جس سے پہلی مسجد کی جماعت اور رونق متاثر ہو۔ (تفسیر کشاف)

اس مسجد ضرار کے متعلق دوسری آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے **لا تقم فیه ابداً** اس میں قیام سے مراد نماز کے لئے قیام ہے‘ مطلب یہ ہے کہ آپ اس نام کی مسجد میں ہرگز نماز نہ پڑھیں۔

مسئلہ :

اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی اگر کوئی نئی مسجد پہلی مسجد کے متصل بلا کسی ضرورت کے محض ریاء و نمود کے لئے یا ضد و عناد کی وجہ سے بنائی جائے تو اس میں نماز پڑھنا بہتر نہیں‘ اگرچہ نماز ہو جاتی ہے۔

اسی آیت میں آپ کو یہ بھی ہدایت دی گئی کہ آپ کا نماز پڑھنا اس مسجد میں درست ہے جس کی بنیاد اول سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے‘ اور اس میں ایسے لوگ نماز پڑھتے ہیں جن کو پاکی اور طہارت میں پوری احتیاط محبوب ہے‘ اور اللہ بھی ایسے مطہرین

کو پسند کرتا ہے۔

سیاق آیت سے ظاہر یہ ہے کہ مراد اس سے مسجد قباء ہے، جس میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے اور بعض روایت حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (کماہ رواہ ابن مردویہ عن ابن عباس و عمر بن شیبۃ عن سہل الانصاری وابن خزیمۃ فی صحیحہ عن عویمر بن ساعدہ، از مظہری)

اور بعض روایت میں جو یہ آیا ہے کہ اس سے مراد مسجد نبویؐ ہے وہ اس کے منافی نہیں، کیونکہ مسجد نبویؐ جس کی بنیاد وحی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے رکھی ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مطہر کون ہو سکتا ہے، اس لئے وہ بھی اس کی مصداق ضرور ہے۔ (کمارواہ الترمذی وصححہ عن ابی سعید الخدریؓ مرفوعاً، از قرطبی)

فیہ رجال یحبون ان یتطھروا، آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے لئے اس مسجد کو احق قرار دیا، جس کی بنیاد اول سے تقویٰ پر رکھی گئی جس کے مفہوم میں مسجد قباء اور مسجد نبویؐ دونوں داخل ہیں، اس مسجد کی ایک فضیلت یہ بھی بتلائی گئی کہ اس مسجد کے نمازی ایسے لوگ ہیں جو طہارت کا بہت زیادہ خیال اور اہتمام کرتے ہیں، طہارت کے مفہوم میں اس جگہ عام نجاسات اور گندگیوں سے پاکی بھی داخل ہے، اور معاصی اور اخلاق رذیلہ سے پاکی بھی، مسجد قباء اور مسجد نبویؐ کے نمازی عموماً ان سب اوصاف کے ساتھ متصف تھے۔

فائدہ:

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مسجد کی فضیلت کا اصل مدار تو اس پر ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کے لیے بنائی گئی ہو، اس میں کسی ریاء اور نام و نمود کا یا کسی اور

غرض فاسد کا کوئی دخل نہ ہو، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازیوں کے نیک، صالح، عالم، عابد ہونے سے بھی مسجد کی فضیلت بڑھ جاتی ہے، جس مسجد کے نمازی عام طور پر علماء صلحاء، تقویٰ شعار ہوں اس میں نماز ادا کرنے کی فضیلت زیادہ ہے۔

تیسری اور چوتھی آیت میں اس مسجد مقبول کے مقابلہ میں منافقین کی بنائی ہوئی مسجد ضرار کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے دریا کے کنارے بعض اوقات پانی زمین کے حصہ کو اندر سے کھالیتا ہے اور اوپر زمین کی سطح ہموار نظر آتی ہے، اس پر اگر کوئی تعمیر کرے تو ظاہر ہے کہ وہ فوراً گر جائے گی، اسی طرح اس مسجد ضرار کی بنیاد ناپائدار تھی، اس کا انجام یہ ہوا کہ وہ گر پڑی، اور جہنم کی آگ میں گئی، جہنم کی آگ میں جانا مجازی معنی کے لیے بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے بنانے والوں کے لئے اس نے جہنم کا راستہ ہموار کر دیا، اور بعض حضرات نے اس کو حقیقت پر بھی محمول کیا ہے کہ حقیقۃً جب یہ مسجد گرائی گئی ہے، تو جہنم میں گئی، واللہ اعلم۔

آگے فرمایا کہ ان کی یہ تعمیر ہمیشہ ان کے شک اور نفاق کو بڑھاتی ہی رہے گی، جب تک کہ ان کے قلوب قطع نہ ہو جائیں یعنی جب تک ان کی زندگی ختم نہ ہو جائے ان کا شک و نفاق اور حسد و غیظ بڑھتا ہی رہے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ قف وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ط وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ط وَبَشِّرِ

الْمُؤْمِنِیْنَ ○

اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں وعدہ ہو چکا اس کے ذمہ پر سچا توریت اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ سو خوشیاں کرو اس معاملہ پر جو تم نے کیا ہے اس سے اور یہی ہے بڑی کامیابی، وہ توبہ کرنے والے ہیں بندگی کرنے والے ہیں شکر کرنے والے بے تعلق رہنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے حکم کرنے والے نیک بات کی اور منع کرنے والے بری بات سے اور حفاظت کرنے والے ان حدود کی جو باندھی اللہ نے، اور خوش خبری سنا دے ایمان والوں کو۔

تفسیر : ربط آیات

سابقہ آیات میں جہاد سے بلا عذر رکنے کی مذمت کا بیان تھا، ان آیات میں مجاہدین کی فضیلت کا بیان ہے۔

شان نزول :

حسب تصریح اکثر حضرات مفسرین یہ آیات بیعت عقبہ کے شرکاء کے متعلق نازل ہوئی ہیں جو ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں انصار مدینہ سے لی گئی تھی اس لئے پوری سورت کے مدنی ہونے کے باوجود ان آیات کو مکی کہا گیا ہے۔

عقبہ، پہاڑ کے حصہ کو کہا جاتا ہے اس جگہ وہ عقبہ مراد ہے جو منیٰ میں جمرہ عقبہ کے ساتھ پہاڑ کا حصہ ہے، آج کل حجاج کی کثرت کے سبب پہاڑ کا یہ حصہ صاف کر کے میدان بنا دیا گیا ہے صرف جمرہ رہ گیا ہے اس عقبہ پر مدینہ طیبہ کے حضرات سے تین

مرتبہ بیعت لی گئی ہے، پہلے بعثت نبویؐ سے گیارہویں سال میں ہوئی، جس میں چھ حضرات مسلمان ہو کر بیعت کر کے مدینہ واپس ہوئے تو مدینہ کے گھر گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا چرچا ہونے لگا، اگلے سال موسم حج میں بارہ حضرات اسی جگہ جمع ہوئے، جن میں پانچ پہلے اور سات نئے تھے، سب نے بیعت کی، اب مدینہ میں مسلمانوں کی خاصی تعداد ہو گئی، جو چالیس نفر سے زائد تھی، انہوں نے درخواست کی کہ ہمیں قرآن پڑھانے کے لئے کسی کو بھیج دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بھیج دیا، انہوں نے موجودہ مسلمانوں کو قرآن بھی پڑھایا اور اسلام کی تبلیغ بھی کی، جس کے نتیجہ میں مدینہ کی بڑی جماعتیں اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئیں۔

اس کے بعد بعثت نبویؐ کے تیرہویں سال میں ستر مرد دو عورتیں اسی جگہ جمع ہوئے یہ تیسری بیعت عقبہ ہے جو آخری ہے، اور عموماً بیعت عقہ سے یہی بیعت مراد ہوتی ہے، یہ بیعت اسلام کے اصولی عقائد و اعمال کے ساتھ خصوصی طور پر کفار سے جہاد اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں تو آپؐ کی حفاظت و حمایت پر لی گئی، اس میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس وقت معاہدہ ہو رہا ہے، آپؐ جو شرائط اپنے رب کے متعلق یا اپنے متعلق کرنا چاہیں وہ واضح کر دی جائیں، آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالی کے لئے تو یہ شرط رکھتا ہوں کہ آپ سب اس کی عبادت کریں گے، اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے، اور اپنے لئے یہ شرط ہے کہ میری حفاظت اس طرح کریں گے جیسے اپنی جانوں اور اپنے اموال و اولاد کی حفاظت کرتے ہو۔ ان لوگوں نے دریافت کیا کہ اگر ہم یہ دونوں شرطیں پوری کر دیں تو ہمیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا؟ آپؐ ے فرمایا جنت

ملے گی، ان سب حضرات نے خوش ہو کر کہا کہ ہم اس سودے پر راضی ہیں، اور ایسے راضی ہیں کہ اب اس کو نہ خود فسخ کرنے کی درخواست کریں گے، نہ اس کے فسخ کرنے کو پسند کریں گے۔

اس جگہ چونکہ اس بیعت میں ظاہراً صورت ایک لین دین کے معاملے کی بن گئی تو اس پر یہ آیت بہ لفظ بیع و شراء نازل ہوئی، **ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ**، یہ آیت سن کر سب سے پہلے حضرت براء بن معرور اور ابو الہیثم اور اسعد رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، کہ ہم اس معاملہ پر تیار ہیں، آپؐ کی حفاظت اپنی عورتوں بچوں کی طرح کریں گے، اور آپؐ کے مقابلہ پر اگر دنیا کے کالے اور گورے سب جمع ہو جائیں تو ہم سب کا مقابلہ کریں گے۔

جہاد کی سب سے پہلی یہی آیت ہے:

مکہ معظمہ میں جہاد و قتال کے احکام نہیں تھے، یہ سب سے پہلی آیت ہے جو مکہ مکرمہ ہی میں قتال کے متعلق نازل ہوئی، اور اس کا عمل ہجرت کے بعد شروع ہوا، اس کے بعد دوسری آیت نازل ہوئی، **اذن للذین یقاتلون**، جب یہ بیعت عقبہ کفار قریش مکہ سے خفیہ مکمل ہو گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مکہ مکرمہ سے مدینہ کی ہجرت کا حکم دے دیا، اور تدریجاً صحابہ کرام کی ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملنے کے منتظر رہے، صدیق اکبرؓ نے ہجرت کا قصد کیا تو آپؐ نے ان کو اپنے ساتھ کے لیے روک لیا۔ (یہ پورا واقعہ تفسیر مظہری میں حوالہ کے ساتھ مذکور ہے)۔

یقاتلون فی سبیل اللہ (الی) فی التورٰۃ والانجیل والقرآن، اس آیت

سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد و قتال کا حکم تمام پچھلی امتوں کے لئے بھی سب کتابوں میں نازل کیا گیا، اور یہ جو مشہور ہے کہ انجیل میں جہاد کا حکم نہیں، ممکن ہے کہ بعد کے لوگوں نے جو تحریفات اس میں کی ہیں اس میں احکام جہاد کو خارج کر دیا گیا ہو، واللہ اعلم۔

فاستبشروا ببیعکم ، اس واقعہ بیعت عقبہ میں جو معاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا اس کی ظاہری صورت بیع و شراء کی بن گئی، اس لئے شروع آیت میں شراء کے لفظ سے تعبیر کیا گیا تھا، اس جملہ میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ معاملہ بیع تمہارے لیے نفع کا سودا اور مبارک ہے، کیونکہ ایک فانی چیز جان و مال دے کر ہمیشہ باقی رہنے والی چیز بدلے میں مل گئی اور غور کیا جائے تو خرچ صرف مال ہوا، جان تو یعنی روح تو مرنے کے بعد بھی باقی رہے گی اور ہمیشہ رہے گی، اور مال پر غور کیا جائے تو وہ بھی تو حق تعالی ہی کا عطیہ ہے، انسان تو اپنی پیدائش کے وقت خالی ہاتھ آیا تھا، اسی نے سب سامان اور مال و دولت کا اس کو مالک بنایا ہے، اپنے ہی عطیہ کو آخرت کی نعمتوں اور جنت کا معاوضہ بنا کر جنت دے دی، اسی لیے حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ یہ عجیب بیع ہے کہ مال اور قیمت دونوں تمہیں ہی دے دیئے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ سنو! یہ کیسی نفع کی تجارت ہے جو اللہ نے ہر مؤمن کے لئے کھول دی ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالی نے ہی تمہیں مال بخشا ہے تم اس میں سے تھوڑا خرچ کر کے جنت خرید لو۔ (مظہری)

التائبون العٰبدون الآیة ، یہ صفات انہی مؤمنین کی ہیں جن کے بارے میں اوپر یہ فرمایا ہے کہ اللہ نے ان کی جان اور مال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے نزولِ آیت کا ایک خاص جماعت شرکاء بیعت عقبہ کے لئے ہوا، مگر مفہوم آیت تمام مجاہدین فی

سبیل اللہ کو شامل ہے' اور جو اوصاف ان کے التائبون الخ سے بیان کیے گئے' یہ شرط کے طور پر نہیں' کیونکہ جنت کا وعدہ مطلقاً جہاد فی سبیل اللہ پر آیا ہے' ان اوصاف کے بیان سے مقصد یہ ہے کہ جو لوگ جنت کے اہل ہوتے ہیں ان کے ایسے اوصاف ہوا کرتے ہیں' خصوصاً بیعت عقبہ میں شریک ہونے والے صحابہؓ کا یہی حال تھا۔

السائحون کے معنی جمہور مفسرین کے نزدیک صائمون یعنی روزہ داروں کے ہیں' اصل میں یہ لفظ سیاحت سے ماخوذ ہے' اسلام سے پہلے دین نصرانیت میں سیاحت ایک عبادت سمجھی جاتی تھی کہ انسان اپنے گھر بار کو چھوڑ کر عبادت کے لئے نکل کھڑا ہو' اسلام میں اس کو رہبانیت قرار دیا گیا' اور اس سے منع کیا گیا اس کے قائم مقام روزہ کی عبادت مقرر کی گئی' کیونکہ سیاحت کا مقصد ترک دنیا تھا' روزہ ایسی چیز ہے کہ اپنے گھر میں رہتے ہوئے ایک معین وقت میں دنیا کی تمام خواہشات کو ترک کر دینا ہوتا ہے اور اسی بنا پر بعض روایات میں جہاد کو بھی سیاحت قرار دیا گیا ہے' ابن ماجہ' حاکم بیہقی نے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **سیاحة امتی الجهاد فی سبیل اللہ**' یعنی اس امت کی سیاحت روزے ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں سائحین کا لفظ آیا ہے اس سے مراد صائمین ہیں' حضرت عکرمہؒ نے سائحین کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ طالب علم ہیں جو طلب علم کے لیے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر نکلتے ہیں۔ (مظہری)

اس جگہ مؤمنین مجاہدین کے اوصاف تائبون' عابدون' حامدون' سائحون' راکعون' ساجدون' امروبالمعروف والناہون عن المنکر سات چیزیں بیان فرمانے کے بعد آٹھواں وصف **الحفظون لحدود اللہ** فرمایا' یہی درحقیقت تمام اوصاف مذکورہ سابقہ کا ایک جامع لفظ ہے' گویا سات اوصاف میں جو تفصیل بتلائی گئی اس کا اجمال یہ ہے کہ یہ

لوگ اپنے ہر کام اور کلام میں حدود اللہ یعنی احکام شرعیہ کے پابند ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

آخر آیت میں فرمایا وبشر المؤمنین، یعنی جن مومنین کے یہ اوصاف ہوں جو اوپر بیان کیے گئے ان کو ایسی نعمتوں کی خوش خبری سنا دیجئے جن کو کسی کا وہم و خیال بھی نہیں پا سکتا، اور نہ کسی عبارت سے اس کو سمجھایا جا سکتا ہے، اور نہ کسی کے کانوں نے ان کا تذکرہ سنا ہے، مراد جنت کی نعمتیں ہیں۔

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِO وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰھِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَھَآ اِیَّاہُ ج فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ط اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌO

لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی اگرچہ وہ ہوں قرابت والے جبکہ کھل چکا ان پر کہ وہ ہیں دوزخ والے، اور بخشش مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ کے واسطے سو نہ تھا مگر وعدہ کے سبب کہ وعدہ کر چکا تھا اس سے، پھر جب کھل گیا ابراہیم پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا تو اس سے بیزار ہو گیا بیشک ابراہیم بڑا نرم دل تھا تحمل کرنے والا۔

تفسیر:

سورہ توبہ پوری کفار و مشرکین سے تبری اور علیحدگی کے احکام پر مشتمل ہے، سورۃ کا شروع ہی براءۃ من اللہ سے ہوا ہے، اور اسی لیے اس سورۃ کا ایک نام سورہ برأت بھی معروف ہے اوپر جس قدر احکام آئے وہ دنیوی زندگی میں کفار و مشرکین سے برأت اور قطع تعلق کے متعلق ہیں، اس آیت میں یہی حکم برأت اور قطع تعلق کا اخروی

زندگی کے لئے آیا ہے کہ مرنے کے بعد کافر و مشرک کے لئے دعا مغفرت کرنا بھی جائز نہیں‘ جیسا کہ اس سے پہلے ایک آیت میں منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کیا گیا ہے۔

واقعہ نزول اس آیت کا صحیح بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب اگرچہ مسلمان نہ ہوئے تھے مگر عمر بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و حفاظت کرتے رہے‘ اور اس معاملہ میں برادری کے کسی فرد کا کہنا نہیں مانا‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا بڑا اہتمام تھا کہ کسی طرح یہ کلمہ اسلام پڑھ لیں‘ اور ایمان لے آئیں تو شفاعت کا موقع مل جائے گا اور یہ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں گے‘ مرض وفات میں جب ان کا آخری وقت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی فکر تھی کہ اس وقت بھی کلمہ شریف پڑھ لیں تو کام ہو جائے‘ چنانچہ اس حالت میں آپؐ ان کے پاس پہنچے‘ مگر ابو جہل‘ عبداللہ بن امیہ پہلے سے وہاں موجود تھے‘ آپؐ نے فرمایا کہ میرے چچا: کلمہ لاالہ الا اللہ پڑھ لیں تو میں آپ کی بخشش کے لیے کوشش کروں گا‘ مگر ابو جہل بول اٹھا کہ کیا آپ عبدالمطلب کے دین کو چھوڑ دیں گے‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ پھر اپنا کلام دہرایا‘ مگر ہر مرتبہ ابو جہل یہی بات کہہ دیتا‘ یہاں تک کہ آخری کلام میں ابو طالب نے یہی کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں‘ اسی حالت میں وفات ہو گئی‘ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ میں آپ کے لیے برابر استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے‘ اس پر یہ آیت ممانعت کی نازل ہوئی‘ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمانوں کو کفار و مشرکین کے لئے دعاء‘ مغفرت کرنے سے منع فرما دیا‘ اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہوں۔

اس پر بعض مسلمانوں کو یہ شبہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اپنے کافر باپ کے لئے دعاء کی تھی' اس کے جواب میں دوسری آیت نازل ہوئی' **ما کان استغفار ابراھیم الآیۃ** جس کا حاصل یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے والد کے لئے دعاء کی تھی اس کا معاملہ یہ ہے کہ شروع میں جب تک ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم نہ تھا کہ آخر تک کفر ہی پر قائم رہے گا' اسی پر مرے گا' تو اس کا دزخی ہونا یقینی نہیں تھا' اس وقت انہوں نے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ میں آپ کے لیے دعاء مغفرت کروں گا **استغفرلك ربی**' پھر جب حضرت براہیم علیہ السلام پر یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے یعنی کفر ہی پر اس کا خاتمہ ہوا ہے تو اس سے بے تعلقی اختیار کر لی اور استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

قرآن مجید کے مختلف مواقع میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لیے دعاء مغفرت کرنا منقول ہے وہ سب اسی پر محمول ہونا چاہئے' اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ان کو ایمان واسلام کی توفیق دے تا کہ ان کی مغفرت ہو سکے۔

غزوہ احد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کو کفار نے زخمی کر دیا تو آپ چہرہ سے خون صاف کرتے ہوئے یہ دعاء فرما رہے تھے' **اللھم اغفر لقومی انھم لا یعلمون** "یعنی یا اللہ میری قوم کی مغفرت فرما دے وہ نادان ہیں" کفار کے لئے اس دعاء مغفرت کا حاصل بھی یہی ہے کہ ان کو ایمان واسلام کی توفیق عطا فرما دے کہ یہ مغفرت کے قابل ہو جائیں۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہوا کہ زندہ کافر کے لیے اس نیت سے دعاء مغفرت کرنا جائز ہے کہ اس کو ایمان کی توفیق ہو اور یہ مستحق مغفرت ہو جائے۔

ان ابرٰھیم لاواہ حلیم' لفظ اواہ بہت سے معانی کے لئے استعمال ہوتا

ہے، قرطبیؒ نے اس میں پندرہ قول نقل کئے ہیں، مگر سب معانی متقاربہ ہیں، کوئی اختلاف حقیقی نہیں، ان میں سے چند معانی یہ ہیں، بکثرت آہ کرنے والا، یا بکثرت دعاء کرنے والا اللہ کے بندوں پر رحم کرنے والا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہی معنی منقول ہیں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ط اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌO اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ط وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍO لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ط اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌO وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ط حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ط ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُO يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَO

اور اللہ ایسا نہیں کہ گمراہ کرے کسی قوم کو جبکہ ان کو راہ پر لا چکا جب تک کھول نہ دے ان پر جس سے ان کو بچنا چاہئے بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے، اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں جلاتا ہے اور مارتا ہے اور تمہارا کوئی نہیں اللہ کے سوا حمایتی اور نہ مددگار اللہ مہربان ہوا نبیؐ پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے پھر مہربان ہوا ان پر بیشک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے

رکھا تھا' یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہو گئیں ان پر ان کی جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف' پھر مہربان ہوا ان پر تاکہ وہ پھر آئیں' بیشک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا' اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں کے۔

تفسیر:

یہاں سے چند آیات پہلے آیت واخرون اعترفوا کے بیان میں یہ لکھا گیا تھا کہ غزوہ تبوک کے لئے سب مسلمانوں کو نکلنے کا حکم عام ہونے کے وقت اہل مدینہ کے لوگوں کی پانچ قسمیں ہو گئی تھیں' دو قسمیں منافقین کی تھیں جن کا بیان سابقہ آیات میں تفصیل کے ساتھ آ چکا ہے' مذکورۃ الصدر آیات میں مؤمنین مخلصین کی تین قسموں کا ذکر ہے' اول وہ لوگ جو حکم جہاد پاتے ہی فوراً تیار ہو گئے' ان کا بیان آیت مذکورہ کے ابتدائی جملے میں اتبعوہ فی ساعة العسرة میں ہوا ہے' دوسرے وہ لوگ جو ابتداً کچھ تردد میں رہے' مگر پھر سنبھل گئے اور جہاد کے لیے سب کے ساتھ ہو گئے ان کا بیان اسی آیت کے اس جملے میں ہے' من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منهم۔

تیسرے وہ مؤمنین تھے جو اگرچہ وقتی کاہلی و سستی کی وجہ سے جہاد میں نہ گئے' مگر بعد میں نادم اور تائب ہوئے' اور بالآخر ان سب کی توبہ قبول ہو گئی' مگر ان میں پھر دو قسم ہو گئی تھیں۔ یہ کل دس آدمی تھے' جن میں سے سات آدمیوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد فوراً اپنی ندامت و توبہ کا اظہار اس شان سے کیا کہ اپنے آپ کو مسجد نبویؐ کے ستونوں سے باندھ لیا کہ جب تک ہماری توبہ قبول نہ ہو گی بندھے رہیں گے' ان کی آیت توبہ تو اسی وقت نازل ہو گئی جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے' تین آدمی وہ تھے جنہوں نے یہ عمل نہیں کیا' ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے صحابہ کرام کو مقاطعہ کا حکم دے دیا کہ کوئی ان کے ساتھ سلام وکلام نہ کرے، جس سے یہ حضرات سخت پریشان ہو گئے، ان کا ذکر دوسری آیت وعلی الثلثة الذین خلفوا میں ہوا ہے، جس میں بالآخر ان کی توبہ کے قبول ہونے کا بیان ہے، اور اس کے ساتھ ہی ان سے مقاطعہ کا حکم ختم کر دیا گیا، لقد تاب اللہ علی النبی والمھٰجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعة العسرة "یعنی اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کر لی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مہاجرین وانصار کی جنہوں نے تنگی اور تکلیف کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا"۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ توبہ تو گناہ و معصیت کی وجہ سے ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے معصوم ہیں، ان کی توبہ قبول کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے علاوہ جو صحابہ مہاجرین وانصار اول جہاد کے لیے تیار ہو گئے انہوں نے بھی کوئی قصور نہیں کیا تا ان کی توبہ کس جرم کی تھی جو قبول کی گئی۔

جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو گناہ سے بچا دیا، اسی کو توبہ کے نام سے تعبیر کیا گیا یا یہ کہ ان سب حضرات کو حق تعالیٰ نے تواب بنا دیا، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ توبہ کی حاجت وضرورت سے کوئی شخص مستغنی نہیں، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے مخصوص صحابہ بھی جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے وتوبوا الی اللہ جمیعاً "یعنی توبہ کرو اللہ سے سب کے سب" وجہ یہ ہے کہ تقرب الی اللہ کے درجات غیر متناہی ہیں، جو شخص جس مقام پر پہنچا ہے اس سے آگے بھی اس سے بلند مقام ہے، جس کے مقابلہ میں موجودہ مقام پر رک جانا ایک نقص و کوتاہی ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کو ایک شعر میں اس طرح بیان فرمایا ہے ؎

اے برادر بے نہایت در گہی ست
ہر چہ بردے می رسی بروے مائیست

اس لحاظ سے موجودہ مقام پر ہونے سے توبہ کی ضرورت ہے، تاکہ اگلا مقام حاصل ہو۔

ساعة العسرة، اسی جہاد کے موقع کو قرآن کریم نے **ساعة العسرة** سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ مسلمان اس وقت افلاس اور تنگی میں تھے، حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ دس آدمیوں کے لئے ایک سواری تھی جس پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ توشہ سفر بھی بہت کم اور معمولی تھا، دوسری طرف گرمی سخت وشدید تھی، پانی بھی راستہ میں کہیں کہیں اور تھوڑا تھا۔

من بعد ما كاد يزيغ قلوب فريق منهم، اس میں جو بعض لوگوں کے قلوب کا زیغ بیان کیا گیا ہے اس سے مراد دین سے انحراف نہیں، بلکہ سختی موسم اور قلت سامان کے سبب ہمت ہار دینا اور جہاد سے جان چرانا مراد ہے، روایت حدیث اس پر شاہد ہیں، اسی قصور سے ان کی توبہ قبول کی گئی۔

وعلى الثلثة الذين خلفوا اس میں **خلفوا** کے لفظی معنی یہ ہیں کہ جو پیچھے چھوڑ دیئے گئے مراد یہ ہے کہ جن کی توبہ کا معاملہ مؤخر کیا گیا، یہ تین حضرات حضرت کعب بن مالکؓ شاعر، اور مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ ہیں، تینوں انصاری بزرگ تھے، جو اس سے پہلے بیعت عقبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسرے غزوات میں شریک رہ چکے تھے، مگر اس وقت اتفاقی طور سے اس لغزش میں مبتلا ہو گئے، اور منافقین جو اس جہاد میں اپنے نفاق کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے تھے انہوں نے بھی ان کو ایسے ہی مشورے دیئے جس سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی، مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جہاد سے واپس آئے تو ان سب منافقین نے حاضر ہو کر جھوٹے اعذار

پیش کر کے اور جھوٹی قسمیں کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا چاہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باطنی حالت کو اللہ کے سپرد کیا، اور ظاہری قسموں کو قبول کر لیا، یہ لوگ آرام سے رہنے لگے، کچھ لوگوں نے ان تینوں انصاری بزرگوں کو بھی یہی مشورہ دیا کہ تم بھی جھوٹے عذر کر کے اپنی صفائی پیش کر دو، مگر ان کے دلوں نے ملامت کی کہ ایک گناہ تو جہاد سے تخلف کا کر چکے ہیں، اب دوسرا گناہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بولنے کا کریں، اس لئے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کر لیا جس کی سزا میں ان سے مقاطعہ سلام و کلام جاری کیا گیا، انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان سب کی حقیقت کھول دی جھوٹی قسمیں کھا کر عذر کرنے والوں کا پردہ فاش کر دیا، جس کا ذکر اور ان کے انجام بد کا حال اس سے پہلی کی آیات میں **یعتذرون الیکم اذا رجعتم الیھم** سے **علیھم دائرۃ السوء** تک بیان ہوا ہے، اور ان تین بزرگوں نے جو سچ بولا اور اعتراف کیا ان کی توبہ اس آیت میں نازل ہوئی، اور پچاس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعراض اور صحابہ کرام کے مقاطعہ سلام و کلام کی انتہائی سخت مصیبت جھیلنے کے بعد بڑی سرخروئی اور مبارکبادوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمانوں میں مقبول ہوئے۔

ان تینوں انصاری بزرگوں کے واقعہ کی تفصیل احادیث صحیحہ سے

صحیحین بخاری و مسلم اور اکثر کتب حدیث میں اس واقعہ کے متعلق حضرت کعب بن مالکؓ کی ایک طویل حدیث لکھی گئی ہے جو بہت سے فوائد اور مسائل اور حقائق پر مشتمل ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کا پورا ترجمہ یہاں نقل کر دیا جائے، ان تین بزرگوں میں سے ایک کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے اپنے واقعہ کی تفصیل اس طرح بتلائی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے غزوات میں شرکت کی میں ان سب میں بجز غزوہ تبوک کے آپ کے ساتھ شریک رہا‘ البتہ غزوہ بدر کا واقعہ چونکہ اچانک پیش آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اس میں شریک ہونے کا حکم بھی نہیں دیا تھا‘ اور شریک نہ ہونے والوں پر کوئی عتاب بھی نہیں فرمایا تھا اس میں بھی شریک نہ ہو سکا تھا‘ اور میں لیلۃ العقبہ کی بیعت میں بھی حاضر تھا‘ جس میں ہم نے اسلام کی حمایت و حفاظت کا معاہدہ کیا تھا‘ اور مجھے یہ بیعت عقبہ کی حاضری غزوہ بدر کی حاضری سے بھی زیادہ محبوب ہے‘ اگرچہ غزوہ بدر لوگوں میں زیادہ مشہور ہے‘ اور میرا واقعہ غزوہ تبوک میں غیر حاضری کا یہ ہے کہ میں کسی وقت بھی اس وقت سے زیادہ خوش حال اور مالدار نہ تھا خدا میرے پاس کبھی اس سے پہلے دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں جو اس وقت موجود تھیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ غزوات کے معاملہ میں یہ تھی کہ مدینہ سے نکلنے کے وقت اپنے ارادے کے اخفا کے لئے ایسا کرتے تھے کہ جس سمت میں جا کر جہاد کرنا ہوتا مدینہ سے اس کے خلاف سمت کو نکلتے تھے تاکہ منافقین مخبری کر کے فریق مقابل کو آگاہ نہ کر دیں‘ اور فرمایا کرتے تھے کہ جنگ میں اس طرح کا خداع (دھوکہ) جائز ہے۔

یہاں تک کہ یہ غزوہ تبوک کا واقعہ پیش آیا‘ (یہ جہاد کئی وجہ سے ممتاز تھا) آپؐ نے سخت گرمی اور تنگدستی کی حالت میں اس جہاد کا قصد فرمایا اور سفر بھی بڑی دور کا تھا‘ مقابلہ پر دشمن کی قوت اور تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد کا کھل کر اعلان کر دیا تاکہ مسلمان اس جہاد کے لئے پوری تیاری کر سکیں۔

اس جہاد میں شریک ہونے والوں کی تعداد صحیح مسلم کی روایت کے مطابق دس ہزار سے زائد تھی، اور حاکم کی روایت حضرت معاذؓ سے یہ ہے کہ ہم اس جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تو ہماری تعداد تیس ہزار سے زائد تھی۔

. اور اس جہاد میں نکلنے والوں کی کوئی فہرست نہیں لکھی گئی تھی اس لئے جو لوگ جہاد میں جانا نہیں چاہتے تھے ان کو یہ موقع مل گیا کہ ہم نہ گئے تو کسی کو خبر بھی نہ ہوگی، جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جہاد کے لیے نکلے تو یہ وہ وقت تھا کہ کھجوریں پک رہی تھیں، باغات والے ان میں مشغول تھے، اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں نے سفر کی تیاری شروع کردی، اور جمعرات کے روز آپؐ نے اس سفر کا آغاز کیا، اور سفر کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعرات کا دن پسند تھا، خواہ سفر جہاد کا ہو یا کسی دوسرے مقصد کا۔

میرا حال یہ تھا کہ میں روز صبح کو ارادہ کرتا کہ جہاد کی تیاری کروں مگر بغیر کسی تیاری کے واپس آجاتا، میں دل میں کہتا تھا کہ میں جہاد پر قادر ہوں مجھے نکلنا چاہئے، مگر یوں ہی امروز و فردا میں میرا ارادہ ٹلتا رہا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمان جہاد کے لئے روانہ ہوگئے، پھر بھی میرے دل میں یہ آتا رہا کہ میں بھی روانہ ہو جاؤں اور کہیں راستہ میں مل جاؤں اور کاش! کہ میں ایسا کرلیتا، مگر یہ کام (افسوس ہے کہ) نہ ہو سکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں مدینہ میں کہیں جاتا تو یہ بات مجھے غمگین کرتی تھی کہ اس وقت پورے مدینہ میں یا تو وہ لوگ نظر پڑتے تھے جو نفاق میں ڈوبے ہوئے تھے، یا پھر ایسے بیمار معذور جو قطعاً سفر کے قابل نہ تھے دوسری طرف پورے راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا خیال

کہیں نہیں آیا یہاں تک کہ تبوک پہنچ گئے' اس وقت آپؐ نے ایک مجلس میں ذکر کیا کہ کعب بن مالکؓ کو کیا ہوا (وہ کہاں ہیں) ؟

بنو سلمہ کے لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا' یارسول اللہؐ ان کو جہاد سے ان کے عمدہ لباس اور اس پر نظر کرتے رہنے نے روکا ہے' حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا کہ تم نے یہ بری بات کہی ہے' یارسول اللہؐ خدا میں نے ان میں خیر کے سوا کچھ نہیں پایا' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

حضرت کعبؓ کا بیان ہے کہ جب مجھے یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھے بڑی فکر ہوئی اور قریب تھا کہ میں اپنی غیر حاضری کا کوئی عذر گھبرا کر تیار کر لیتا اور ایسی باتیں پیش کر دیتا جس کے ذریعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی سے نکل جاتا اور اس کے لئے اپنے اہل اور دوستوں سے بھی مدد لے لیتا۔ میرے دل میں یہ خیالات و وساوس گھومتے رہے یہاں تک کہ جب یہ خبر ملی کہ حضورؐ تشریف لے آئے ہیں تو خیالات فاسدہ میرے دل سے مٹ گئے اور میں نے سمجھ لیا کہ میں آپؐ کی ناراضی سے کسی ایسی بنیاد پر نہیں نکل سکتا جس میں جھوٹ ہو اس لئے میں نے بالکل سچ بولنے کا عزم کر لیا کہ مجھے صرف سچ ہی نجات دلا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو حسب عادت چاشت کے وقت یعنی صبح کو آفتاب کچھ بلند ہونے کے وقت مدینہ میں داخل ہوئے اور عادت شریفہ یہی تھی کہ سفر سے واپسی کا عموماً یہی وقت ہوا کرتا تھا' اور عادت یہ تھی کہ پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے' دو رکعتیں پڑھتے پھر حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے' اس کے بعد ازواج مطہراتؓ سے ملتے تھے۔

اسی عادت کے مطابق آپؐ اول مسجد میں تشریف لے گئے، دو رکعت ادا کی پھر مسجد میں بیٹھ گئے جب لوگوں نے یہ دیکھا تو غزوہ تبوک میں نہ جانے والے منافقین، جن کی تعداد اسی سے کچھ اوپر تھی خدمت میں حاضر ہو کر جھوٹے عذر پیش کر کے اس پر جھوٹی قسمیں کھانے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہری قول و قرار اور قسموں کو قبول کر لی، اور ان کو بیعت کر لیا، اور ان کے لئے دعا مغفرت فرمائی اور ان کے باطنی حالات کو اللہ کے سپرد کیا۔

اسی حال میں میں بھی حاضر خدمت ہو گیا، اور چلتے چلتے سامنے جا کر بیٹھ گیا، جب میں نے سلام کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا تبسم فرمایا جیسے ناراض آدمی کبھی کیا کرتا ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ پھیر لیا، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھ سے چہرہ مبارک کیوں پھیرتے ہیں، خدا کی قسم! میں نے نفاق نہیں کیا، نہ دین کے معاملہ میں کسی شبہ و شک میں مبتلا ہوا، نہ اس میں کوئی تبدیلی کی، آپؐ نے فرمایا کہ پھر جہاد میں کیوں نہیں گئے؟ کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی؟

میں نے عرض کیا بیشک یا رسول اللہؐ اگر میں آپؐ کے سوا دنیا کے کسی دوسرے آدمی کے سامنے بیٹھتا تو مجھے یقین ہے کہ میں کوئی عذر گھڑ کر اس کی ناراضی سے بچ جاتا، کیونکہ مجھے جدال اور بات بنانے میں مہارت حاصل ہے، لیکن قسم ہے اللہ کی کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اگر میں نے آپؐ سے کوئی جھوٹی بات کہی جس سے آپؐ وقتی طور پر راضی ہو جائیں تو کچھ دور نہیں کہ اللہ تعالی حقیقت حال آپؐ پر کھول کر مجھ سے ناراض کر دیں گے، اور اگر میں نے سچی بات بتلا دی جس سے بالفعل آپ مجھ پر ناراض ہوں تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالی مجھے معاف فرما دیں گے، صحیح بات یہ ہے کہ

جہاد سے غائب رہنے میں میرا کوئی عذر نہیں تھا، میں کسی وقت بھی مالی اور جسمانی طور پر اتنا قوی اور پیسے والا نہیں ہوا تھا جتنا اس وقت تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے تو سچ بولا ہے، پھر فرمایا کہ اچھا جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالی تمہارے متعلق کوئی فیصلہ فرمادیں، میں یہاں سے اٹھ کر چلا تو بنی سلمہ کے چند آدمی میرے پیچھے لگے، اور کہنے لگے کہ اس سے پہلے تو ہمارے علم میں تم نے کوئی گناہ نہیں کیا یہ تم نے کیا بے وقوفی کی کہ اس وقت کوئی عذر پیش کر دیتے جیسا دوسرے مخلّفین نے پیش کیا، اور تمہارے گناہ کی معافی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا کافی ہو جاتا، خدا یہ لوگ مجھے بار بار ملامت کرتے رہے یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آگیا کہ میں لوٹ جاؤں اور پھر جا کر عرض کروں کہ میں نے جو بات پہلے کہی تھی وہ غلط تھی، میرا عذر صحیح موجود تھا۔

مگر پھر میں نے دل میں کہا کہ میں ایک گناہ کے دو گناہ نہ بناؤں، ایک گناہ تو تخلف کا سرزد ہو چکا ہے دوسرا گناہ جھوٹ بولنے کا کر گذروں، پھر میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ مخلّفین میں کوئی اور بھی میرے ساتھ ہے جس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہو، ان لوگوں نے بتلایا کہ دو آدمی اور ہیں جنہوں نے تمہاری طرح اقرار جرم کر لیا، اور ان کو بھی وہی جواب دیا گیا جو تمہیں کہا گیا ہے کہ اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو میں نے پوچھا کہ وہ دو کون ہیں، انہوں نے بتلایا کہ ایک مرارہ ابن ربیع العمری دوسرے ہلال بن امیہ واقفی ہیں۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ ان میں سے پہلے (یعنی مرارہؓ) کے تخلف کا تو سبب یہ ہوا کہ ان کا ایک باغ تھا جس کا پھل اس وقت پک رہا تھا، تو انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ تم نے اس سے پہلے بہت سے غزوات میں حصہ لیا ہے، اگر اس سال جہاد

میں نہ جاؤ تو کیا جرم ہے، اس کے بعد جب انہیں اپنے گناہ پر تنبہ ہوا تو انہوں نے اللہ سے عہد کرلیا کہ یہ باغ میں نے اللہ کی راہ میں صدقہ کردیا۔

اور دوسرے بزرگ حضرت ہلال بن امیہ کا یہ واقعہ ہوا کہ ان کے اہل وعیال عرصہ سے متفرق تھے، اس موقع پر سب جمع ہوگئے تو یہ خیال کیا کہ اس سال میں جہاد میں نہ جاؤں اپنے اہل وعیال میں بسر کروں، ان کو بھی جب اپنے گناہ کا خیال آیا تو انہوں نے یہ عہد کیا کہ اب میں اپنے اہل وعیال سے علیحدگی اختیار کرلوں گا۔

کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے ایسے دو بزرگوں کا ذکر کیا جو غزوہ بدر کے مجاہدین میں سے ہیں، تو میں نے کہا کہ بس میرے لئے انہی دونوں بزرگوں کا عمل قابل تقلید ہے، یہ کہہ کر میں اپنے گھر چلا گیا۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ہم تینوں کے ساتھ سلام کلام کرنے سے منع فرمادیا، اس وقت ہم تو سب مسلمانوں سے بدستور محبت کرتے تھے مگر ان سب کا رخ ہم سے پھر گیا تھا۔

ان ابی شیبہؒ کی روایت میں ہے کہ اب ہمارا حال یہ ہوگیا کہ ہم لوگوں کے پاس جاتے تو کوئی ہم سے کلام نہ کرتا نہ سلام کرتا نہ سلام کا جواب دیتا۔

مسند عبدالرزاق میں ہے کہ اس وقت ہماری دنیا بالکل بدل گئی ایسا معلوم ہونے لگا کہ نہ وہ لوگ ہیں جو پہلے تھے نہ ہمارے باغ اور مکان وہ ہیں جو پہلے تھے، سب اجنبی نظر آنے لگے، مجھے سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر میں اس حال میں مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں گے، یا خدانخواستہ اس عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میں عمر بھر اس طرح سب لوگوں میں ذلیل وخوار پھرتا رہوں گا، اس کی وجہ سے میرے لیے ساری زمین بیگانہ وویرانہ نظر

آنے لگی، اسی حال میں ہم پر پچاس راتیں گذر گئیں، اس زمانہ میں میرے دونوں ساتھی (مرارہ اور ہلال) تو شکستہ دل ہو کر گھر میں بیٹھ رہے اور رات دن روتے تھے، لیکن میں جوان آدمی تھا باہر نکلتا اور چلتا پھرتا تھا اور نماز میں سب مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں پھرتا تھا مگر نہ کوئی مجھ سے کلام کرتا نہ میرے سلام کا جواب دیتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نماز کے بعد حاضر ہوتا اور سلام کرتا تو یہ دیکھا کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک کو جواب سلام کے لئے حرکت ہوئی یا نہیں، پھر میں آپ کے قریب ہی نماز پڑھتا تو نظر چرا کر آپ کی طرف دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ جب میں نماز میں مشغول ہو جاتا ہوں تو آپؐ میری طرف دیکھتے ہیں اور جب میں آپ کی طرف دیکھتا ہوں تو رخ پھیر لیتے ہیں۔

جب لوگوں کی یہ بے وفائی دراز ہوئی تو ایک روز میں اپنے چچازاد بھائی قتادہؓ کے پاس گیا جو میرے سب سے زیادہ دوست تھے میں ان کے باغ میں دیوار پھاند کر داخل ہوا اور ان کو سلام کیا، خدا کی قسم! انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہ دیا میں نے پوچھا کہ اے قتادہؓ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں، اس پر بھی قتادہ نے سکوت کیا، کوئی جواب نہیں دیا، جب میں نے بار بار یہ سوال دہرایا تو تیسری یا چوتھی مرتبہ میں انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اللہ جانتا ہے اور اس کا رسولؐ، میں رو پڑا اور اسی طرح دیوار پھاند کر باغ سے باہر آگیا، اسی زمانہ میں ایک روز میں مدینہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ اچانک ملک شام کا ایک نبطی شخص جو غلہ فروخت کرنے کے لیے شام سے مدینہ میں آیا تھا اس کو دیکھا کہ لوگوں سے پوچھ رہا ہے کہ کیا کوئی مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتا سکتا ہے؟ لوگوں نے مجھے دیکھ کر میری طرف اشارہ کیا، وہ آدمی میرے پاس آگیا اور مجھے شاہ غسان کا ایک خط دیا جو ایک

ریشمی رومال پر لکھا ہوا تھا جس کا مضمون یہ تھا:

”امابعد! مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ کے نبیؐ نے آپ سے بے وفائی کی اور آپ کو دور کر رکھا ہے‘ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلت اور ہلاکت کی جگہ میں نہیں رکھا ہے‘ تم اگر ہمارے یہاں آنا پسند کرو تو آجاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے“۔

میں نے جب یہ خط پڑھا تو کہا کہ یہی اور ایک میرا امتحان اوز آزمائش آئی کہ اہل کفر کو مجھ سے اس کی طمع اور توقع ہو گئی کہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں میں یہ خط لے کر آگے بڑھا ایک دکان پر تنور لگا ہوا تھا اس میں جھونک دیا۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب پچاس میں سے چالیس راتیں گذر چکیں تھیں تو اچانک دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قاصد خزیمہ بن ثابت میرے پاس آرہے ہیں‘ آکر یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی سے بھی علیحدگی اختیار کرلو‘ میں نے پوچھا کہ کیا طلاق دے دوں یا کیا کروں‘ انہوں نے بتلایا کہ نہیں عملاً اس سے الگ رہو قریب نہ جاؤ‘ اسی طرح کا حکم میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی پہنچا میں نے بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے میکہ میں چلی جاؤ اور وہیں رہو جب تک اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ فرمادیں۔

ہلال بن امیہؓ کی اہلیہ خولہ بنت عاصم یہ حکم سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ہلال بن امیہؓ ایک بوڑھے ضعیف آدمی ہیں اور کوئی ان کا خادم نہیں‘ ابن ابی شیبہؒ کی روایت یہ بھی ہے کہ وہ ضعیف البصر بھی ہیں کیا آپ یہ پسند نہیں فرمائیں گے کہ میں ان کی خدمت کرتی رہوں‘ فرمایا کہ خدمت کرنے کی ممانعت نہیں البتہ وہ تمہارے پاس نہ جائیں‘ انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو بڑھاپے کی وجہ سے ایسے ہو گئے ہیں کہ ان میں کوئی حرکت ہی نہیں‘ اور واللہ ان پر

تو مسلسل گریہ طاری ہے رات دن روتے رہتے ہیں۔

کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں مجھے بھی میرے بعض متعلقین نے مشورہ دیا کہ تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیوی کو ساتھ رکھنے کی اجازت لے لو جیسا کہ آپ نے ہلالؓ کو اجازت دے دی ہے، میں نے کہا کہ میں ایسا نہیں کروں گا، معلوم نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جواب دیں، اس کے علاوہ میں جوان آدمی ہوں (بیوی کو ساتھ رکھنا احتیاط کے خلاف ہے) چنانچہ اسی حال پر میں نے دس راتیں اور گذاریں یہاں تک کہ پچاس راتیں مکمل ہو گئیں، مسند عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ اس وقت ہماری توبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک تہائی رات گذرنے کے وقت نازل ہوئی، ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ جو اس وقت حاضر تھیں انہوں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو کعب بن مالکؓ کو اسی وقت اس کی خبر کر دی جائے آپ نے فرمایا کہ ایسا ہوا تو ابھی لوگوں کا ہجوم ہو جائے گا، رات کی نیند مشکل ہو جائے گی۔

کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ پچاسویں رات کے بعد صبح کی نماز پڑھ کر میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا تھا اور حالت وہ تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے کہ مجھ پر میری جان اور زمین باوجود وسعت کے تنگ ہو چکی تھی، اچانک میں نے سلع پہاڑ کے اوپر سے کسی چلانے والے آدمی کی آواز سنی جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا کہ اے کعب بن مالکؓ بشارت ہو۔

محمد بن عمرو کی روایت میں ہے کہ یہ بلند آواز سے کہنے والے ابوبکر تھے جنہوں نے جبل سلع پر چڑھ کر یہ آواز دی کہ اللہ تعالیٰ نے کعبؓ کی توبہ قبول فرمائی بشارت ہو، اور عقبہ کی روایت میں یہ ہے کہ یہ خوشخبری حضرت کعبؓ کو سنانے کے لئے دو آدمی دوڑے ان میں سے ایک آگے بڑھ گیا تو جو پیچھے رہ گیا تھا اس نے یہ کیا کہ سلع پہاڑ پر

چڑھ کر آواز دے دی اور کہا جاتا ہے کہ یہ دوڑنے والے دو بزرگ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما تھے۔

کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ یہ آواز سن کر میں سجدے میں گر گیا اور انتہائی فرحت سے رونے لگا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ اب کشادگی آگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد صحابہ کرام کو ہماری توبہ قبول ہونے کی خبر دی تھی، اب سب طرف سے لوگ ہم تینوں کو مبارک باد دینے کے لئے دوڑ پڑے بعض لوگ گھوڑے پر سوار ہو کر میرے پاس پہنچے مگر پہاڑ سے آواز دینے والے کی آواز سب سے پہلے پہنچ گئی۔

کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے نکلا تو لوگ جوق در جوق مجھے مبارک باد دینے کے لئے آرہے تھے، کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبویؐ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، آپ کے گرد صحابہ کرام کا مجمع ہے، مجھے دیکھ کر سب سے پہلے طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہو کر میری طرف لپکے اور مجھ سے مصافحہ کر کے قبول توبہ پر مبارک باد دی۔ طلحہؓ کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولتا جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ کا چہرہ مبارک خوشی کی وجہ سے چمک رہا تھا، آپ نے فرمایا کہ اے کعبؓ بشارت ہو تمہیں ایسے مبارک دن کی جو تمہاری عمر میں پیدائش سے لے کر آج تک سب سے زیادہ بہتر دن ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ حکم آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالی کی طرف؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، یہ حکم اللہ تعالی کا ہے، تم نے سچ بولا تھا اللہ تعالی نے تمہاری سچائی کو ظاہر فرما دیا۔

جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو عرض کیا یا رسول اللہؐ میری توبہ یہ ہے کہ

میں اپنے سب مال و متاع سے نکل جاؤں کہ سب کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں، آپ نے فرمایا نہیں کچھ مال اپنی ضرورت کے لئے رہنے دو یہی بہتر ہے، میں نے عرض کیا کہ اچھا آدھا مال صدقہ کر دں، آپ نے اس سے بھی انکار فرمایا، میں نے پھر ایک تہائی مال کی اجازت مانگی، تو آپ نے اس کو قبول فرمالیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی ہے اس لئے میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں کبھی سچ کے سوا کوئی کلمہ نہیں بولوں گا، پھر فرمایا کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سچ بولنے کا عہد کیا تھا الحمد للہ کہ آج تک کوئی کلمہ جھوٹ کا میری زبان پر نہیں آیا، اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ رکھیں گے، کعبؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اسلام کے بعد اس سے بڑی نعمت مجھے نہیں ملی، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولا جھوٹ سے پرہیز کیا، کیونکہ اگر میں جھوٹ بولتا تو اسی طرح ہلاکت میں پڑ جاتا جس طرح دوسرے جھوٹی قسمیں کھانے والے ہلاک ہوئے جن کے بارے میں قرآن میں یہ نازل ہوا: **سیحلفون باللہ لکم اذا انقلبتم الیھم** سے لے کر **فان اللہ لا یرضیٰ عن القوم الفسقین** تک۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ان تینوں حضرات سے مقاطعہ کا پچاس دن تک جاری رہنا شاید اس حکمت پر مبنی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ تبوک میں پچاس دن ہی صرف ہوئے تھے (یہ پوری روایت اور تفصیلی واقعہ تفسیر مظہری سے لیا گیا ہے)۔

فوائد متعلقہ حدیث مذکور کعب بن مالکؓ

حضرت کعب بن مالکؓ نے اپنے واقعہ کو جس شرح و بسط اور تفصیل سے بیان فرمایا ہے اس میں مسلمانوں کے لئے بہت سے فوائد اور ہدایات ہیں، اسی لئے اس جگہ

اس حدیث کو پورا لکھا گیا ہے وہ فوائد یہ ہیں۔

(۱) اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت عام غزوات میں یہ تھی کہ جس طرف جانا ہوتا اس کی مخالف سمت سے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوتے تاکہ مخالفین اسلام کو یہ معلوم نہ ہو کہ آپؐ کس قوم یا قبیلہ کے جہاد کے لئے جا رہے ہیں، اسی کو آپؐ نے فرمایا الحرب خدعة یعنی جنگ میں دھوکہ دینا جائز ہے اس سے بعض لوگ اس مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں کہ جنگ و جہاد میں جھوٹ بول کر مخالف کو دھوکہ دینا جائز ہے یہ صحیح نہیں بلکہ مراد اس دھوکہ سے یہ ہے کہ اپنا عمل ایسا کرے جس سے مخالفین دھوکہ میں پڑ جائیں، جیسے جہاد کے لئے مخالف سمت سے نکلنا، صریح جھوٹ بول کر دھوکہ دینا مراد نہیں وہ جنگ میں بھی جائز نہیں، اسی طرح یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ یہ عملی دھوکہ جس کو جائز قرار دیا ہے اس کا کوئی تعلق عہد و معاہدہ سے نہیں، اور عہد شکنی صلح ہو یا جنگ کسی حال میں جائز نہیں۔

(۲) سفر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعرات کا دن پسند تھا، خواہ سفر جہاد کا ہو یا کسی دوسری ضرورت کا۔

(۳) اپنے کسی بزرگ، مرشد یا استاد یا باپ کو راضی کرنے کے لئے جھوٹ بولنا جائز بھی نہیں اور اس کا انجام بھی اچھا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو حقیقت حال کا علم بذریعہ وحی ہو جاتا تھا، اس لئے جھوٹ بولنے کا انجام برا تھا جیسا کہ کعب بن مالکؓ اور دوسرے مخلفین کے واقعہ مذکورہ سے واضح ہوا، آپ کے بعد دوسرے بزرگوں کو وحی تو ہو نہیں سکتی الہام و کشف سے علم ہو جانا بھی ضروری نہیں لیکن تجربہ شاہد ہے کہ جھوٹ بولنے کی ایک نحوست ہوتی ہے کہ قدرتی طور پر ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں کہ بالآخر یہ بزرگ اس سے ناراض ہو ہی جاتا ہے۔

(۴) اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ کسی گناہ کی سزا میں مسلمانوں کے امیر کو یہ بھی حق ہے کہ کسی شخص سے سلام و کلام قطع کر دینے کا حکم دے دے جیسے اس واقعہ میں ان تین بزرگوں کے متعلق پیش آیا۔

(۵) اس واقعہ سے صحابہ کرام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت معلوم ہوئی کہ اس ناراضی اور مقاطعہ سلام و کلام کے زمانہ میں بھی غایت محبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری بھی نہیں چھوڑی اور کنکھیوں سے دیکھ کر آپ کی توجہ اور تعلق کا حال معلوم کرنے کی فکر رہی۔

(۶) کعب بن مالکؓ کے گہرے دوست قتادہؓ کا معاملہ کہ ان کے سلام کا جوابؓ دیا اور کوئی کلام نہ کیا، یہ ظاہر ہے کہ یہ کسی دشمنی یا مخالفت یا بغض سے نہیں بلکہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی وجہ سے تھا، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا قانون صرف لوگوں کے ظاہر پر نافذ نہ ہوتا تھا بلکہ دلوں پر بھی اس کی حکومت ہوتی تھی اور حاضر و غائب کسی حال میں اس کے خلاف نہ کرتے تھے اگرچہ اس میں کسی بڑے سے بڑے دوست عزیز کے خلاف ہی ہو۔

(۷) حضرت کعبؓ کے پاس بادشاہ غسان کا خط آنے اور اس کو تنور میں ڈالنے کے واقعہ سے صحابہ کرام کے ایمان کی انتہائی پختگی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے مقاطعہ سے سخت پریشان ہونے کے عالم میں بھی ایک بڑے بادشاہ کے لالچ دلانے سے ان کے دل میں کوئی میلان پیدا نہیں ہوا۔

(۸) قبول توبہ نازل ہونے کے بعد صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اور عام صحابہ کرامؓ کا کعب بن مالکؓ کو بشارت دینے کے لئے دوڑنا اور اس سے پہلے سب کا سلام و کلام تک سے سخت پرہیز کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ مقاطعہ کے زمانہ میں بھی ان سب کے دلوں

میں حضرت کعب سے محبت اور تعلق تھا، مگر حکم رسولؐ کے سامنے سب کچھ چھوڑا ہوا تھا، جب آیت توبہ نازل ہوئی تو ان کے گہرے تعلق کا اندازا ہوا۔

(۹) صحابہ کرام کا حضرت کعبؓ کو خوشخبری دینے اور مبارک باد کے لئے جانے سے معلوم ہوا کہ کسی خوشی کے موقع پر اپنے دوست احباب کو مبارک باد دینا سنت سے ثابت ہے۔

(۱۰) کسی گناہ سے توبہ کے وقت مال کا صدقہ کرنا گناہ کے اثر کو زائل کرنے کے لئے بہتر ہے مگر تمام مال خیرات کر دینا اچھا نہیں، ایک تہائی مال سے زائد صدقہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا۔

یایها الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصدقین، سابقہ آیات میں جو واقعہ تخلف عن الجہاد کا بعض مخلصین سے پیش آیا پھر ان کی توبہ قبول ہوئی یہ سب نتیجہ ان کے تقویٰ اور خوف خدا کا تھا، اس لئے اس آیت میں عام مسلمانوں کو تقویٰ کے لئے ہدایت فرمائی گئی، اور **کونوا مع الصدقین** میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا کہ صفت تقویٰ حاصل ہونے کا طریقہ صالحین و صادقین کی صحبت اور عمل میں ان کی موافقت ہے، اس میں شاید یہ اشارہ بھی ہو کہ جن حضرات سے یہ لغزش ہوئی اس میں منافقین کی صحبت و مجلس اور ان کے مشورہ کو بھی دخل تھا، اللہ کے نافرمانوں کی صحبت سے بچنا چاہئے اور صادقین کی صحبت اختیار کرنا چاہئے، اس جگہ قرآن حکیم نے علماء صلحاء کے بجائے صادقین کا لفظ اختیار فرما کر عالم و صالح کی پہچان بھی بتلا دی ہے کہ صالح صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو نیت و ارادے کا بھی سچا ہو قول کا بھی سچا ہو عمل کا بھی سچا ہو۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ O وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O

نہ چاہیے مدینہ والوں کو اور ان کے گرد کے گنواروں کو کہ پیچھے رہ جائیں رسول اللہؐ کے ساتھ سے اور نہ یہ کہ اپنی جان کو چاہیں زیادہ رسول کی جان سے، یہ اس واسطے کہ جہاد کرنے والے نہیں پہنچتی ان کو پیاس اور نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی راہ میں اور نہیں قدم رکھتے کہیں جس سے کہ خفا ہوں کافر اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کوئی چیز مگر لکھا جاتا ہے ان کے واسطے اس کے بدلے نیک عمل بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا حق نیکی کرنے والوں کا اور نہ خرچ کرتے ہیں کوئی خرچ چھوٹا اور نہ بڑا، اور نہ طے کرتے ہیں کوئی میدان مگر لکھ لیا جاتا ہے ان کے واسطے تاکہ بدلہ دے ان کو اللہ بہتر اس کا جو کرتے تھے۔

تفسیر

ان دونوں آیتوں میں متخلفین کو تخلف پر ملامت اور فہمائش اور شرکاء جہاد کے فضائل اور بسلسلہ جہاد قدم قدم پر ہر قول و فعل اور ہر محنت و مشقت پر اجر عظیم کا ذکر ہے جس میں بوقت جہاد دشمن کو کوئی تکلیف پہنچا دینا اور ایسی چال چلنا جس سے ان کو غیظ ہو یہ سب اعمال صالحہ موجب ثواب ہیں۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ
مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ O

اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ کوچ کریں سارے سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تاکہ خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جبکہ لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ بچتے رہیں۔

تفسیر :

سورہ توبہ میں بڑی اہمیت کے ساتھ غزوہ تبوک کا ذکر مسلسل چلا آیا ہے' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نفیر عام کا اعلان کیا گی تھا کہ سب مسلمان اس میں شریک ہوں' اس حکم کے خلاف ورزی بلا عذر صحیح جائز نہ تھی' جو لوگ خلاف ورزی میں مبتلا ہوئے ان میں زیادہ تو منافقین تھے جن کا ذکر بہت سی آیات میں اوپر آیا ہے' کچھ مخلص مؤمن بھی تھے جو وقتی کاہلی اور سستی کے سب رہ گئے تھے' ان کی توبہ حق تعالی نے قبول فرمالی' ان سب واقعات سے بظاہر یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر جہاد اور غزوہ میں سبھی مسلمانوں کو نکلنا فرض اور تخلف حرام ہے' حالانکہ حکم شرعی یہ نہیں بلکہ جہاد عام حالات میں فرض کفایہ ہے جس کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں کی کچھ جماعت جو جہاد کے لئے کافی ہو جہاد میں مشغول رہے تو باقی مسلمان بھی فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں' ہاں اگر جہاد میں شریک ہونے والی جماعت کافی نہ ہو وہ مغلوب ہونے لگے تو آس پاس کے مسلمانوں پر ان کی تقویت کے لئے نکلنا اور جہاد میں شریک ہونا فرض ہو جاتا ہے' وہ بھی کافی نہ ہو تو ان کے قریب کے لوگوں پر اور وہ بھی کافی نہ ہوں تو ان کے متصل جو مسلمان ہیں ان پر یہاں تک کہ سارے عالم کے مسلمانوں

پر ایسی حالت میں جہاد فرض عین ہو جاتا ہے جس سے تخلف حرام ہے' اسی طرح فرض ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کا امیر ضرورت سمجھ کر نفیر عام کرے اور سب مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دے' تو اس وقت بھی جہاد کی شرکت فرض اور تخلف حرام ہو جاتا ہے جیسا واقعۂ غزوہ تبوک میں نفیر عام کی وجہ سے پیش آیا' مذکور الصدر آیت میں اسی حکم کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ غزوہ تبوک میں نفیر عام کی وجہ سے خصوصی حکم تھا' عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں کہ سب مسلمانوں پر جہاد میں جانا فرض ہو کیونکہ جہاد کی طرح اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مسائل اور مہمات بھی ہیں جو جہاد ہی کی طرح فرض کفایہ ہیں' ان کے لئے بھی مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو تقسیم کار کے اصول پر کام کرنا ہے اس لئے سب مسلمانوں کو ہر جہاد میں نکلنا نہیں چاہئے' اسی مضمون سے فرض کفایہ کی حقیقت بھی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جو کام شخصی نہیں اجتماعی ہیں اور سب مسلمانوں پر ان کے پورا کرنے کی ذمہ داری ہے ان کو شریعت میں فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے' تاکہ تقسیم کار کے اصول پر سب کام اپنی اپنی جگہ چلتے رہیں اور یہ اجتماعی فرائض سب ادا ہوتے رہیں' مسلمان مردوں پر نماز جنازہ اور اس کی تکفین مساجد کی تعمیر و نگرانی' جہاد' اسلامی سرحدوں کی حفاظت یہ سب اسی فرض کفایہ کے افراد ہیں کہ ان کی ذمہ داری تو پورے عالم کے مسلمانوں پر ہے مگر بقدر کفایت کچھ لوگ کر لیں تو دوسرے مسلمان بھی فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں' اسی فرض کفایہ کے سلسلہ کا ایک اہم کام دینی تعلیم ہے' اس آیت میں خصوصیت سے اس کے فرض ہونے کا اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ جہاد جیسے اہم فرض میں بھی اس فرض کو چھوڑنا نہیں جس کی صورت یہ ہے کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جہاد کے لئے نکلے' اور باقی لوگ علم دین حاصل کرنے میں لگیں' پھر یہ علم دین حاصل کر کے

جہاد میں جانے والے مسلمانوں کو اور دوسرے لوگوں کو علم دین سکھائیں۔

طلب علم دین کا فرض ہونا اور اس کے آداب و فرائض:

امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت طلب علم دین کی اصل اور بنیاد ہے، اور غور کیا جائے تو اسی آیت میں علم دین کا اجمالی نصاب بھی بتلا دیا گیا ہے اور علم حاصل کرنے کے بعد عالم کے فرائض بھی آ گئے اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

علم دین کے فضائل:

علم دین کے فضائل اور ثواب عظیم اور اس کے متعلقات پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، اس جگہ چند مختصر روایات نقل کی جاتی ہیں، ترمذی نے حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "جو شخص کسی راستے پر چلے جس کا مقصد علم حاصل کرنا ہو اللہ تعالی اس چلنے کے ثواب میں اس کا راستہ جنت کی طرف کر دیں گے اور یہ کہ اللہ کے فرشتے طالب علم کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں اور یہ کہ عالم کے لئے تمام آسمانوں اور زمین کی مخلوقات اور پانی کی مچھلیاں دعاءِ استغفار کرتی ہیں، اور یہ کہ عالم کی فضیلت کثرت سے نفلی عبادت کرنے والے پر ایسی ہی جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت باقی سب ستاروں پر اور یہ کہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام سونے چاندی کی کوئی میراث نہیں چھوڑتے لیکن علم کی وراثت چھوڑتے ہیں، تو جس شخص نے یہ وراثت علم حاصل کر لی اس نے بڑی دولت حاصل کر لی"۔ (از قرطبی)

اور دارمی نے اپنے مسند میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے، ایک عالم تھا جو صرف نماز پڑھ لیتا اور پھر لوگوں کو دین کی تعلیم دینے میں مشغول ہو جاتا تھا، دوسرا دن

بھر روزہ رکھتا' اور رات کو عبادت میں کھڑا رہتا تھا' ان دونوں میں کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر" (یہ روایت امام عبدالبر نے کتاب جامع بیان العلم میں سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدریؓ سے نقل کی ہے۔ (قرطبی)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان کے مقابلہ میں ایک ہزار عبادت گذاروں سے زیادہ قوی ہے اور بھاری ہے' (ترمذی وابن عباسؓ' از مظہری) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عمل ایسے ہیں جن کا ثواب انسان کو مرنے کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے' ایک صدقہ جاریہ' جیسے مسجد یا دینی تعلیم کی عمارت یا رفاہ عام کے ادارے دوسرے وہ علم جس سے اس کے بعد بھی لوگ نفع اٹھاتے رہیں (مثلاً شاگرد عالم ہو گئے' ان سے آگے لوگوں کو علم دین سکھانے کا سلسلہ چلتا رہا یا کوئی کتاب تصنیف کی جس سے اس کے بعد بھی لوگ فائدہ اٹھاتے رہے) تیسرے اولاد صالح جو اس کے لیے دعا اور ایصال ثواب کرتی رہے (از قرطبی)

علم دین کے فرض عین اور فرض کفایہ کی تفصیل:

ابن عدی اور بیہقی نے بسند صحیح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم** (از مظہری) "یعنی علم حاصل کرنا فرض ہے ہر ایک مسلمان پر" یہ ظاہر ہے کہ اس حدیث اور مذکورہ سابقہ احادیث میں علم سے مراد علم دین ہی ہے' دینوی علوم و فنون عام دنیا کے کاروبار کی طرح انسان کے لئے ضروری سہی' مگر ان کے وہ فضائل نہیں جو احادیث مذکورہ میں آئے ہیں' پھر علم دین ایک علم نہیں' بہت سے علوم پر مشتمل

ایک جامع نظام ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت اس پر قادر نہیں کہ ان سب علوم کو پورا حاصل کر سکے، اس لئے حدیث مذکور میں جو ہر مسلمان پر فرض فرمایا ہے اس سے مراد علم دین کا صرف وہ حصہ ہے جس کے بغیر آدمی نہ فرائض ادا کر سکتا ہے نہ حرام چیزوں سے بچ سکتا ہے جو ایمان و اسلام کے لیے ضروری ہے باقی علوم کی تفصیلات قرآن و حدیث کے تمام معارف و مسائل پھر ان سے نکالے ہوئے احکام و شرائع کی پوری تفصیل یہ نہ ہر مسلمان کی قدرت میں ہے نہ ہر ایک پر فرض عین ہے، البتہ پورے عالم اسلام کے ذمہ فرض کفایہ ہے ہر شہر میں ایک عالم ان تمام علوم و شرائع کا ماہر موجود ہو تو باقی مسلمان اس فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں، اور جس شہر یا قصبہ میں ایک بھی عالم نہ ہو تو شہر والوں پر فرض ہے کہ اپنے میں سے کسی کو عالم بنائیں، یا باہر سے کسی عالم کو بلا کر اپنے شہر میں رکھیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر باریک مسائل کو اس عالم سے فتویٰ لے کر سمجھ سکیں، اور عمل کر سکیں، اس لئے علم دین میں فرض عین اور فرض کفایہ کی تفصیل یہ ہے کہ:

فرض عین:

ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے کہ اسلام کے عقائد صحیحہ کا علم حاصل کرے اور طہارت، نجاست کے احکام سیکھے، نماز روزہ اور تمام عبادات جو شریعت نے فرض و واجب قرار دی ہیں ان کا علم حاصل کرے، جن چیزوں کو حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان کا علم حاصل کرے، جس شخص کے پاس بقدر نصاب مال ہو اس پر فرض ہے کہ زکوٰۃ کے مسائل و احکام معلوم کرے، جس کو حج پر قدرت ہے اس کے لئے فرض عین ہے کہ حج کے احکام و مسائل معلوم کرے، جس کو بیع و شراء کرنا پڑے یا تجارت و صنعت یا مزدوری و اجرت کے کام کرنے پڑیں اس پر فرض عین ہے کہ بیع و اجارہ

وغیرہ کے مسائل واحکام سیکھے جب نکاح کرے تو نکاح کے احکام و مسائل اور طلاق کے احکام و مسائل معلوم کرے، غرض جو کام شریعت نے ہر انسان کے ذمہ فرض و واجب کیئے ہیں ان کے احکام و مسائل کا علم حاصل کرنا بھی ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

علم تصوف بھی فرض عین میں داخل ہے:

احکام ظاہرہ نماز، روزے کو تو سبھی جانتے ہیں کہ فرض عین ہیں، اور ان کا علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ اعمال باطنہ اور محرمات باطنہ کا علم جس کو عرف میں علم تصوف کہا جاتا ہے چونکہ یہ باطنی اعمال بھی ہر شخص پر فرض عین ہیں تو ان کا علم بھی سب پر فرض عین ہے۔

آج کل جس کو علم تصوف کہا جاتا ہے وہ بھی بہت سے علوم و معارف اور مکاشفات وواردات کا مجموعہ بن گیا ہے اس جگہ فرض عین سے مراد اس کا صرف وہ حصہ ہے جس میں اعمال باطنہ فرض وواجب کی تفصیل ہے، مثلاً عقائد صحیحہ جس کا تعلق باطن سے ہے یا صبر، شکر، توکل، قناعت وغیرہ ایک خاص درجے میں فرض ہیں، یا غرور و تکبر، حسد و بغض بخل و حرص دنیا وغیرہ جو ازروئے قرآن و سنت حرام ہیں، ان کی حقیقت اور اس کے حاصل کرنے یا حرام چیزوں سے بچنے کے طریقے معلوم کرنا بھی ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے علم تصوف کی اصل بنیاد اتنی ہی ہے جو فرض عین ہے۔

فرض کفایہ:

پورے قرآن مجید کے معانی و مسائل کو سمجھنا تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا، قرآن و سنت سے جو احکام و مسائل نکلتے ہیں ان

سب کا علم حاصل کرنا‘ اس میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال و آثار سے واقف ہونا یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارا وقت اس میں خرچ کر کے بھی پورا حاصل ہونا آسان نہیں اس لئے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے‘ کہ بقدر ضرورت کچھ لوگ یہ سب علوم حاصل کر لیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جائیں گے۔

علم دین کا نصاب :

قرآن حکیم نے اس جگہ علم دین کی حقیقت اور اس کا نصاب بھی ایک ہی لفظ میں بتلا دیا ہے‘ وہ ہے **لیتفقھوا فی الدین**‘ یہ موقع بظاہر اس کا تھا کہ یہاں **یتعلمون الدین** کہا جاتا‘ یعنی علم دین حاصل کریں‘ مگر قرآن نے اس جگہ تعلم کا لفظ چھوڑ کر تفقہ کا لفظ اختیار فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ علم دین کا محض پڑھ لینا کافی نہیں‘ وہ تو بہت سے کافر یہودی نصرانی بھی پڑھتے ہیں‘ اور شیطان کو سب سے زیادہ حاصل ہے‘ بلکہ علم دین سے مراد دین کی سمجھ پیدا کرنا ہے‘ یہی لفظ تفقہ کا ترجمہ ہے‘ اور یہ فقہ سے مشتق ہے‘ فقہ کے معنی سمجھ بوجھ ہی کے ہیں‘ یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ قرآن کریم نے اس جگہ مجرد کے صیغے سے **لیفقھوا الدین** "یعنی تاکہ وہ دین کو سمجھ لیں" نہیں فرمایا بلکہ **لیتفقھوا فی الدین** فرمایا‘ جو باب تفعل سے ہے اس کے معنی میں محنت و مشقت کا مفہوم شامل ہے مراد یہ ہے کہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے میں پوری محنت و مشقت اٹھا کر مہارت حاصل کریں‘ یہ بھی ظاہر ہے کہ دین کی سمجھ بوجھ صرف اتنی بات سے پیدا نہیں ہوتی کہ طہارت‘ نجاست یا نماز‘ روزے‘ زکوٰۃ حج کے مسائل معلوم کرے‘ بلکہ دین کی سمجھ بوجھ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ اس کے ہر قول و فعل اور حرکت و سکون کا آخرت میں اس سے حساب لیا جائے گا‘ اس کو اس دنیا میں کس طرح رہنا چاہئے‘ دراصل اسی فکر کا نام دین کی سمجھ بوجھ ہے‘ اسی لیے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ

علیہ نے فقہ کی تعریف یہ کی ہے کہ انسان ان تمام کاموں کو سمجھ لے جن کا کرنا اس کے لئے ضروری ہے' اور ان تمام کاموں کو بھی سمجھ لے جن سے بچنا اس کے لئے ضروری ہے' آج کل جو علم فقہ مسائل جزئیہ کے علم کو کہا جاتا ہے یہ بعد کی اصطلاح ہے' قرآن و سنت میں فقہ کی حقیقت وہی ہے جو امام اعظمؒ نے بیان فرمائی ہے کہ جس شخص نے دین کی کتابیں سب پڑھ ڈالیں مگر یہ سمجھ بوجھ پیدا نہ کی وہ قرآن و سنت کی اصطلاح میں عالم نہیں' اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ علم دین حاصل کرنے کا مفہوم قرآن کی اصطلاح میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا ہے وہ جن ذرائع سے حاصل ہو' وہ ذرائع خواہ کتابیں ہوں یا اساتذہ کی صحبت' سب اس نصاب کے اجزاء ہیں۔

علم دین حاصل کرنے کے بعد عالم کے فرائض:

اس جگہ قرآن کریم نے اس کو بھی ایک ہی جملہ میں پورا بیان فرمادیا ہے' وہ ہے **لینذروا قومھم** "یعنی تاکہ وہ اپنی قوم کو اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں" یہاں بھی یہ بات قابل نظر ہے کہ اس جملہ میں عالم کا فرض انذار قوم بتلایا ہے' انذار کا لفظی ترجمہ ہم اردو میں ڈرانے سے کرتے ہیں مگر یہ اس کا پورا ترجمہ نہیں' اردو زبان کی تنگی کی وجہ سے کوئی ایک لفظ اس کے پورے ترجمہ کو ادا نہیں کرتا' حقیقت یہ ہے کہ ڈرانا کئی طرح کا ہوتا ہے' ایک ڈرانا دشمن' چور' ڈاکو یا کسی درندے' زہریلے جانور سے ہے' ایک ڈرانا وہ ہے جو باپ اپنی شفقت سے اولاد کو تکلیف دہ چیزوں جیسے آگ' زہریلے جانور مضر غذاء سے ڈراتا ہے جس کا منشاء شفقت و محبت ہوتی ہے' اس کا لب ولہجہ بھی کچھ اور ہی ہوتا ہے' انذار اسی قسم کے ڈرانے کا نام ہے اسی لئے پیغمبروں اور رسولوں کو نذیر کا لقب دیا گیا ہے اور عالم کا یہ فریضہ انذار درحقیقت وراثت نبوت ہی کا جز ہے جو بنص حدیث عالم کو حاصل ہوتی ہے۔

مگر یہاں قابل غور یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے دو لقب ہیں ‘بشیر اور نذیر’ نذیر کے معنی تو ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں ‘بشیر کے معنی ہیں بشارت اور خوشخبری سنانے والا ‘انبیاء علیہم السلام کا ایک کام یہ بھی ہے کہ نیک عمل کرنے والوں کو بشارت سنائیں ‘اس جگہ بھی اگرچہ صراحۃً ذکر انذار کا کیا گیا ہے ‘مگر دوسری نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کا فرض یہ بھی ہے کہ نیک کام کرنے والوں کو بشارت بھی سنائے ‘لیکن اس جگہ صرف انذار کے ذکر پر اکتفا کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کے ذمے دو کام ہیں ایک یہ کہ جو عمل اس کے لئے دنیا و آخرت میں مفید ہیں ان کو اختیار کرے ‘ دوسرے یہ کہ جو عمل اس کے لئے مضر ہیں ان سے بچے ‘باتفاق علماء و عقلاء ‘ان دونوں کاموں میں سے دوسرا کام سب سے مقدم اور اہم ہے ‘اسی کو فقہاء کی اصطلاح میں جلب منفعت اور دفع مضرت کے دو لفظوں سے تعبیر کر کے دفع مضرت کو جلب منفعت سے مقدم قرار دیا ہے ‘اس کے علاوہ دفع مضرت میں ایک حیثیت سے جلب منفعت کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے ‘کیونکہ جو کام انسان کے لئے مفید اور ضروری ہیں ان کا ترک بڑی مضرت ہے تو جو شخص مضرت اعمال سے بچنے کا اہتمام کرے گا وہ اعمال ضروریہ کے ترک سے بچنے کا بھی اہتمام کرے گا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل جو عموماً وعظ و تبلیغ بہت کم مؤثر ہوتی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں انذار کے آداب نہیں ہوتے ‘جس کے طرز بیان اور لب و لہجے سے شفقت و رحمت اور خیر خواہی مترشح ہو ‘مخاطب کو یقین ہو کہ اس کے کلام کا مقصد نہ مجھے رسوا کرنا ہے نہ بدنام کرنا نہ اپنے دل کا غبار نکالنا ‘بلکہ یہ جس چیز کو میرے لئے مفید اور ضروری سمجھتا ہے وہ محبت کی وجہ سے مجھے بتلا رہا ہے ‘اگر آج ہماری تبلیغ اور خلاف شرع امور کے مرتکب لوگوں کو اصلاح کی دعوت کا یہ طرز

ہو جائے تو اس کا ایک نتیجہ تو قطعاً لازم ہی ہے کہ مخاطب کو ہماری گفتگو سے ضد پیدا نہیں ہو گی' وہ جواب دہی کی فکر میں پڑنے کے بجائے اپنے اعمال کا جائزہ لینے اور انجام سوچنے کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو کبھی نہ کبھی اس کو قبول بھی کرے گا اور دوسرا نتیجہ یہ لازمی ہے کہ کم از کم اس سے باہمی منافرت اور لڑائی جھگڑا پیدا نہیں ہو گا' جس میں آج کل ہماری پوری قوم مبتلا ہے۔

آخر میں **لعلھم یحذرون** فرما کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ عالم کا کام اتنا ہی نہیں کہ عذاب سے ڈرا دیا بلکہ اس پر نظر رکھنا بھی ہے کہ اس کی تبلیغ و دعوت کا اثر کتنا اور کیا ہوا' ایک دفعہ مؤثر نہیں ہوئی تو بار بار کرتا رہے تاکہ اس کا نتیجہ **یحذرون** بر آ ہو سکے یعنی قوم کا گناہوں سے بچنا' واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم'

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ط وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ O وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ج فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ O وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ O اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ O وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ط هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ط صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ O

اے ایمان والو لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کافروں سے اور چاہئے کہ ان پر معلوم ہو تمہارے اندر سختی اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈرنے والوں کے' اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو بعضے ان میں کہتے ہیں کس کا تم میں سے

زیادہ کر دیا اس سورت نے ایمان سو جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کا زیادہ کر دیا اس سورت نے ایمان اور وہ خوش وقت ہوتے ہیں، اور جن کے دل میں مرض ہے سو ان کے لئے بڑھا دی گندگی پر گندگی اور وہ مرتے تک کافر ہی رہے، کیا نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائے جاتے ہیں ہر برس میں ایک بار یا دو بار پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں، اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو دیکھنے لگتا ہے ان میں ایک دوسرے کی طرف کہ کیا دیکھتا ہے تم کو کوئی مسلمان پھر چل دیتے ہیں، پھیر دیئے ہیں اللہ نے دل ان کے اس واسطے کہ وہ لوگ ہیں کہ سمجھ نہیں رکھتے۔

تفسیر :

سابقہ آیات میں جہاد کی ترغیب تھی، آیت مذکورہ بالا **یایھا الذین امنوا قاتلوا** الآیہ میں یہ تفصیل بتلائی گئی ہے کہ کفار تو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ان سے جہاد و قتال میں ترتیب کیا ہونا چاہئے، اس آیت میں ارشاد یہ ہے کہ کفار میں سے جو لوگ تم سے قریب ہوں پہلے جہاد ان سے کیا جائے، قریب ہونا مقام کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے کہ جائے سکونت سے جو قریب رہنے والے کفار ہیں وہ جہاد میں مقدم کئے جاویں، اور رشتہ، نسبت اور تعلقات کے اعتبار سے بھی جو قریب ہوں وہ دوسروں سے مقدم کئے جاویں کیونکہ اسلامی جہاد در حقیقت انہی کی خیر خواہی کے تقاضہ سے ہے، اور خیر خواہی و ہمدردی میں رشتہ دار و تعلقات والے مقدم ہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے **وانذر عشیرتك الاقربین** "یعنی اپنے قریبی عزیزوں کو اللہ کے عذاب سنائیں" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعمیل فرمائی، اور سب سے پہلے اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے کلمہ حق پہنچایا، اسی طرح

مقامی قرب وبعد کا اعتبار کر کے مدینہ کے قرب وجوار کے کفار بنو قریظہ، بنو نضیر، اہل خیبر کو دوسروں پر مقدم کیا گیا، اس کے بعد باقی عرب سے قتال ہوا، اس سے فارغ ہونے کے بعد سب سے آخر میں کفار روم سے قتال کا حکم ہوا جس کے نتیجہ میں غزوہ تبوک کا واقعہ پیش آیا۔

ولیجدوا فیکم غلظة ' غلظت کے معنی شدت و قوت کے ہیں، مراد یہ ہے کہ کفار کے ساتھ برتاؤ میں ایسی صورت اختیار کرو کہ وہ کسی حیثیت سے تمہاری کمزوری محسوس نہ کریں' **فزادتھم ایماناً** ' اس آیت سے معلوم ہوا کہ آیات قرآنیہ کی تلاوت ان میں غور و فکر اور مقتضی پر عمل کرنے سے ایمان میں ترقی اور زیادتی پیدا ہوتی ہے' یہ زیادتی نور ایمان اور حلاوت ایمان کی ہوتی ہے' جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت آسان نظر آنے لگتی ہے' عبادت میں لذت محسوس کرنے لگتا ہے' گناہوں سے طبعی نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور ان سے کلفت محسوس ہونے لگتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ایمان جب قلب میں آتا ہے تو ایک سفید نورانی نقطہ جیسا ہوتا ہے پھر جوں جوں ایمان میں ترقی ہوتی ہے تو یہ سفید بڑھتی جاتی ہے' یہاں تک کہ سارا قلب نورانی ہو جاتا ہے' اسی طرح کفر و نفاق شروع میں ایک سیاہ داغ کی طرح قلب پر لگتا ہے' پھر جوں جوں معاصی کا ارتکاب اور کفر کی شدت بڑھتی جاتی ہے یہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے' یہاں تک کہ پورا قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ (مظہری)

اس لئے صحابہ کرام ایک دوسرے کو کہا کرتے تھے کہ کچھ دیر مل کر بیٹھو' دین اور آخرت کی باتوں کا مذاکرہ کرو تاکہ ہمارا ایمان بڑھے۔

یفتنون فی کل عام مرة او مرتین ' اس میں منافقین کو اس پر تنبیہ کی گئی

ہے کہ وہ اپنی نفاق اور عہد شکنی وغیرہ معاصی کی وجہ سے ہر سال مختلف قسم کی مصیبتوں میں کبھی ایک بار کبھی دوبار مبتلا ہوتے رہتے ہیں کبھی ان کے دوست کفار مکہ مغلوب ہو گئے، کبھی ان کے نفاق کی باتیں کھل گئیں، اس سے پریشانی میں مبتلا رہے، یہاں ایک دو کا عدد خاص مراد نہیں، بلکہ یہ بتلانا ہے کہ اس کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، کیا ان چیزوں کو دیکھ کر بھی انہیں عبرت نہیں ہوتی۔

لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُ وْ فٌ رَّحِیْمٌ O فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ O

آیا ہے تمہارے پاس رسول تم میں کا بھاری ہے اس پر جو تم کو تکلیف پہنچے حریص ہے تمہاری بھلائی پر ایمان والوں پر نہایت شفیق مہربان ہے، پھر بھی اگر منہ پھیریں تو کہہ دے کافی ہے مجھ کو اللہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ ہی مالک ہے عرش عظیم کا۔

تفسیر:

یہ سورہ توبہ کی آخری آیتیں ہیں جن میں رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری خلق خدا پر خصوصاً مسلمانوں پر بیحد مہربان اور شفیق و ہمدرد ہونا بیان فرمایا ہے اور آخری آیت میں آپ کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ آپ کی ساری کوششوں کے باوجود اگر پھر بھی کچھ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ صبر کریں اور اللہ تعالی پر توکل کریں۔

سورہ توبہ کے آخر میں یہ مضمون اس لئے لانا مناسب ہوا کہ اس پوری سورت میں کفار سے برائت قطع تعلق، قتال و جہاد کا ذکر تھا جو دعوت الی اللہ کی آخری صورت ہے، جبکہ زبانی دعوت و تبلیغ سے اصلاح کی توقع نہ رہے، لیکن اصل کام انبیاء

علیہم السلام کا یہی ہے کہ شفقت ورحمت اور ہمدردی و خیر خواہی کے جذبے سے خلق خدا کو خدا کی طرف آنے کی دعوت دیں، اور ان کی طرف سے اعراض یا کوئی تکلیف پیش آئے تو اس کو اللہ کے سپرد کر دیں اس پر توکل کریں، کیونکہ وہ رب العرش العظیم ہے یہاں عرش عظیم کا رب کہہ کر یہ بتلانا منظور ہے کہ وہ کل کائنات عالم پر محیط ہے۔

آخری دو آیتیں حضرت ابی بن کعبؓ کے قول کے مطابق قرآن کی آخری آیتیں ہیں، ان کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی، یہی قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے۔ (قرطبیؒ)

ان دو آیتوں کے بڑے فضائل حدیث میں مذکور ہیں۔ حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام یہ آیتیں سات مرتبہ پڑھ لیا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام کام آسان فرما دیتے ہیں۔ (قرطبیؒ) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل جہاد ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبح للہ ما فی السموت وما فی الارض وھو العزیز الحکیم ○ یا ایھا الذین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون ○ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون ○ ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص ○ و اذ قال موسی لقومہ یقوم لم توذوننی و قد تعلمون انی رسول اللہ الیکم ط فلنا زاغوازاغ اللہ قلوبھم واللہ لا یھدی القوم الفسقین○ و اذ قال عیسے ابن مریم یبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورئۃ و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد ط فلما جاء ھم بالبینت قالوا ھذا سحر مبین ○ و من اظلم ممن افتری علی اللہ الکذب و ھو یدعی الی الاسلام ط واللہ لا یھدی القوم الظلمین ○ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون○ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و لو کرہ المشرکون.

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور جو کچھ ہے زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا، اے ایمان والوں کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے، بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو اللہ چاہتا

ہے ان لوگوں کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار باندھ کر گویا وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی، اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم میری کیوں ستاتے ہو مجھ کو اور تم کو معلوم ہے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں تمہارے پاس، پھر جب وہ پھر گئے تو پھیر دیئے اللہ نے ان کے دل اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو، اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس یقین کرنے والا اس پر جو مجھ سے آگے ہے توریت اور خوش خبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد اس کا نام ہے احمد پھر جب آیا ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر کہنے لگے یہ جادو ہے صریح، اور اس سے زیادہ بے انصاف کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ اور اس کو بلاتے ہیں مسلمان ہونے کو اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو، چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی اپنے منہ سے اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی اور پڑے برا مانیں منکر، وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ دے کر اور سچا دین کہ اس کو اوپر کرے سب دینوں سے اور پڑے برا مانیں شرک کرنے والے۔

معارف و مسائل

شان نزول :

ترمذی نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت کیا ہے، اور حاکم نے اس کو روایت کر کے سند کو صحیح قرار دیا ہے، کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے آپس میں یہ مذاکرہ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے تو ہم اس پر عمل کریں، بغوی نے اس میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان حضرات میں سے بعض نے کچھ ایسے الفاظ بھی کہے کہ اگر ہمیں احب الاعمال عند اللہ معلوم ہو جائے تو ہم اپنی جان و مال سب اس کے لئے قربان کر دیں (مظہری)

ابن کثیر نے حوالہ مسند احمد روایت کیا ہے کہ ان چند حضرات نے آپس میں جمع ہو کر یہ مذاکرہ کیا اور چاہا کہ کوئی صاحب جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سوال کرے، مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی ابھی یہ لوگ اسی حالت پر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب لوگوں کو نام بنام اپنے پاس بلایا (جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو بذریعہ وحی ان کا اجتماع اور ان کی گفتگو معلوم ہو گئی تھی) جب یہ سب لوگ حاضر خدمت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورہ صف پڑھ کر سنائی جو اسی وقت آپؐ پر نازل ہوئی تھی۔

اس سورۃ نے یہ بھی بتلا دیا کہ احب الاعمال جس کی تلاش میں یہ حضرات تھے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور ساتھ ہی ان حضرات نے جو ایسے کلمات کہے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم اس پر عمل کرنے میں ایسی ایسی جانبازی دکھائیں وغیرہ جن میں ایک قسم کا دعویٰ ہے کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں اس پر ان حضرات کو تنبیہ کی گئی کہ کسی مومن کے لئے ایسے دعویٰ کرنا درست نہیں، اسے کیا معلوم ہے کہ وقت پر وہ اپنے ارادے کو پورا کر بھی سکے گا یا نہیں، اس کے اسباب کا جمع ہونا اور موانع کا زائل ہونا اس کے اختیار میں نہیں، پھر خود اس کے دست و بازو اور اعضاء و جوارح بلکہ قلبی عزم و ارادہ ان میں سے کوئی چیز بھی بالکلیہ اس کے قبضہ میں نہیں اسی لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن کریم میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ جو کام آپ کو آئندہ کل میں کرنا ہو اگر اس کو بیان کرنا ہے تو انشاء اللہ کی قید کے ساتھ بیان کرو کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں کل فلاں کام کروں گا (**ولا تقولن لشئی انی فاعل ذلك غدا الا ان یشاء الله**) صحابہ کرام کی نیت و قصد خوہ دعوے کا نہ ہو مگر صورت دعویٰ کی تھی وہ اللہ کے نزدیک پسند نہیں کہ کوئی شخص کسی کام کے کرنے کا دعویٰ کرے بجز اس کے کہ اس کو اللہ کی مشیت کے حوالہ کرے اور انشاء اللہ ساتھ کہے، اس تنبیہ کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں۔

یا یھا الذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون ٥ کبر مقتا عنداللہ ان تقولوا مالا تفعلون ٥ **مالا تفعلون** کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ جو کام تمہیں کرنا نہیں ہے اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو، جس سے ایسے کام کے دعوے کی ممانعت تو واضح ہو ہی گئی جس کو کرنے کا عزم و ارادہ ہی انسان کے دل میں نہ ہو کیونکہ یہ تو محض ایک جھوٹا دعویٰ ہے نام و نمود وغیرہ کے لئے ہو سکتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ شان نزول کے واقعہ مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ اگرچہ دل میں عزم و ارادہ کام کرنے کا ہو پھر بھی اپنے نفس پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا کہ ہم فلاں کام کریں گے شان عبدیت کے خلاف ہے، اول تو اس کے کہنے ہی کی کیا ضرورت ہے جب موقع ملے کر گزرنا چاہئے، اور کسی مصلحت سے کہنا بھی پڑے تو اس کو انشاء اللہ کے ساتھ مقید کرے تو پھر وہ دعویٰ نہیں رہے گا۔

مسئلہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور اس کو کرنا ہی نہ ہو تو یہ گناہ کبیرہ اور اللہ کی سخت ناراضی کا سبب ہے، **کبر مقتا عبداللہ** کا مصداق یہی ہے اور جہاں یہ صورت نہ ہو بلکہ ارادہ کرنے کا ہو وہاں بھی اپنی قوت و قدرت پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا ممنوع و مکروہ ہے۔

دعویٰ اور دعوت میں فرق :

مذکورہ تفسیر سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان آیات کا تعلق دعویٰ سے ہے کہ جو کام آدمی کو کرنا نہیں ہے اس کا دعویٰ کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہے، رہا معاملہ دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کا کہ جو کام آدمی خود نہیں کرتا اس کی نصیحت دوسروں کو کرے، اور اس کی طرف دوسروں مسلمانوں کو دعوت دے، وہ اس آیت کے مفہوم میں تو شامل نہیں، اس کے احکام دوسری آیات اور احادیث میں مذکور ہیں مثلاً قرآن کریم نے فرمایا **اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم**، یعنی تم لوگوں کو تو نیک کام کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو کہ خود اس نیکی پر عمل نہیں کرتے، اس

آیت نے امر بالمعروف اور وعظ و نصیحت کرنے والوں کو اس بات پر شرمندہ کیا ہے کہ لوگوں کو ایک نیک کام کی دعوت دو اور خود اس پر عمل نہ کرو اور مقصد یہ ہے کہ جب دوسروں کو نصیحت کرتے ہو تو خود اپنے آپ کو نصیحت کرنا اس سے مقدم ہے جس کام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو خود بھی اس پر عمل کرو۔

لیکن یہ نہیں فرمایا کہ جب خود نہیں کرتے تو دوسروں کو کہنا بھی چھوڑ دو، اس سے معلوم ہوا کہ جس نیک کام کے خود کرنے کی ہمت و توفیق نہیں ہے اس کی طرف دوسروں کو بلانے اور نصیحت کرنے کا سلسلہ نہ چھوڑے۔ امید ہے کہ اس وعظ و نصیحت کی برکت سے کسی وقت اس کو بھی عمل کی توفیق ہو جاوے، جیسا کہ بکثرت تجربہ و مشاہدہ میں آیا ہے، البتہ اگر وہ عمل واجب یا سنت موکدہ کے درجہ میں ہو تو آیات مذکورہ پر نظر کر کے اپنے نفس میں نادم و شرمندہ ہونے کا سلسلہ جاری رکھنا بھی واجب ہے، اور اگر مستحبات کے متعلق ہے تو یہ سلسلہ ندامت بھی مستحب ہے،

اگلی آیات میں اس اصل معاملہ کا ذکر ہے جو اس سورت کے نزول کا سبب بنا، یعنی اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل زیادہ محبوب ہے، اس کے متعلق ارشاد فرمایا ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص o یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ صف قتال ہے جو اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے قائم ہو اور مجاہدین کے عزم وہمت کی وجہ سے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہو کہ ان کے قدموں میں کوئی تزلزل نہ آنے پائے

اس کے بعد حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کی راہ میں دشمنوں کی ایذائیں سہنے کا ذکر ہے، اور اس کے بعد پھر مسلمانوں کو جہاد کی تلقین کی گئی، حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے واقعات جن کا ذکر اس جگہ آیا ہے ان میں بھی بہت سے علمی و عملی فوائد اور ہدایات ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

قصہ میں ہے کہ انہوں نے جب بنی اسرائیل کو اپنی نبوت کے ماننے اور اطاعت کرنے کی دعوت دی تو دو چیزوں کو خصوصیت سے ذکر فرمایا ایک یہ کہ وہ کوئی انوکھے رسول نہیں، انوکھی باتیں لے کر نہیں آئے بلکہ وہ باتیں ہیں جو پہلے انبیاء علیہم السلام کہتے آئے ہیں، اور پہلی آسمانی کتابوں میں مذکور ہیں اور بعد میں بھی جو آخری پیغمبر آنے والے ہیں وہ بھی اسی قسم کی ہدایات لے کر آئیں گے۔

یہاں پہلی کتابوں میں سے تورات کا خصوصیت سے ذکر غالباً اس لئے کیا کہ بنی اسرائیل پر نازل ہونے والی قریب کتاب وہی تھی، ورنہ تصدیق انبیاء تو سب پچھلی کتابوں کو شامل ہے اور عام ہے، نیز اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ شریعت عیسوی اگرچہ مستقل شریعت ہے مگر اس کے اکثر احکام شریعت موسوی اور تورات کے احکام ہی کے مطابق ہیں، صرف چند احکام ہیں جو بدلے گئے ہیں یہ تو پچھلے انبیاء اور کتابوں کی تصدیق کا مضمون تھا، دوسری چیز یہ کہ بعد میں آنے والے رسول کی خوش خبری سنائی، اس میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی ہدایات بھی اسی کے مطابق ہوں گی، اس لئے اس پر ایمان لانا عین تقاضائے عقل و دیانت ہے۔

ساتھ ہی جس آنے والے رسول کی خوش خبری عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو سنائی، اس کا نام پتہ بھی انجیل میں بتلا دیا گیا، اس میں بنی اسرائیل کو اس کی ہدایت ہے کہ جب وہ رسول تشریف لائیں، تو تمہارا فرض ہو گا کہ ان پر ایمان لاؤ، اور ان کی اطاعت کرو، **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد**، میں اسی کا بیان ہے، اس میں آنے والے رسولؐ کا نام احمد بتلایا گیا ہے، ہمارے نبی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ بھی تھا اور احمدؐ بھی اور بھی متعدد نام تھے، مگر انجیل میں آپؐ کا نام احمدؐ بتلاتے میں شاید یہ مصلحت ہو کہ محمدؐ نام رکھنے کا عرب میں قدیم سے دستور تھا، اس لئے اس نام کے دوسرے آدمی بھی عرب میں تھے، بخلاف احمد کے، یہ نام عرب میں معروف نہیں تھا، وہ آپؐ کی ذات ہی کے ساتھ مخصوص تھا۔

انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت :

یہ سب کو معلوم ہے اور خود یہود و نصاری کو بھی اس کا اقرار کرنا پڑا ہے کہ تورات و انجیل میں تحریف ہوئی ہے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں تحریف اتنی ہوئی ہے کہ اصل کلام کا پہچاننا بھی آسان نہیں رہا، موجودہ تحریف شدہ انجیل کی بنا پر آج کل کے عیسائی قرآن کی اس خبر کو تسلیم نہیں کرتے کہ انجیل میں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد لے کر خوش خبری دی گئی ہو۔

اور مفصل جواب کیلئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”اظہار الحق“ کا مطالعہ کیا جائے جو مذہب عیسائیت کی حقیقت اور انجیل میں تحریفات اور باوجود تحریفات کے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں موجود ہونے کے متعلق بے نظیر کتاب ہے، خود بڑے عیسائیوں کے مقولے چھپے ہوئے ہیں کہ اگر دنیا میں یہ کتاب شائع ہوتی رہی تو عیسائیت کا کبھی فروغ نہیں ہو سکتا۔

یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی پھر ترکی، انگریزی میں اس کے ترجمے چھپے، مگر اس کے شواہد موجود ہیں کہ عیسائی مشن نے اس کتاب کو گم کر دینے میں اپنی پوری کوشش صرف کی ہے، اس کا اردو ترجمہ اب تک نہیں ہوا تھا، حال میں اس کا اردو ترجمہ دار العلوم کراچی کے مدرس مولانا اکبر علی صاحب نے اور تحقیقات جدیدہ مفیدہ موجودہ زمانے کی مطبوعہ انجیلوں سے مولانا محمد تقی صاحب استاذ دار العلوم نے لکھی ہیں، جو تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، اس کی تیسری جلد میں صفحہ ۱۸۲ سے صفحہ ۳۶۲ تک انہی بشارتوں کی تفصیل موجودہ انجیلوں کے حوالہ سے اور شبہات کے جوابات مذکور ہیں۔

يايها الذين امنوا هل ادلكم علے تجارة تنجيكم من عذاب
اليم○ تومنون بالله و رسوله و تجاهدون فى سبيل الله باموالكم و

انفسکم ط ذلکم خیرلکم ان کنتم تعلمون o یغفرلکم ذنوبکم و یدخلکم جنت تجری من تحتھا الانھر و مسکن طیبة فی جنت عدن ط ذلك الفوز العظیم o و اخری تحبونھا نصر من اللہ و فتح قریب ط و بشر المومنینo یایھا الذین امنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسےٰ ابن مریم للحوارین من انصاری الی اللہ ط قال الحواریون نحن انصار اللہ فامنت طائفة من بنی اسرائیل و کفرت طائفة ج فایدنا الذین امنوا علےٰ عدوھم فاصبحوا ظھرین.

اے ایمان والو میں بتلاؤں تم کو ایسی سوداگری جو بچائے تم کو ایک عذاب دردناک سے، ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور لڑو اللہ کے راہ میں اپنے مال سے اور اپنی جان سے، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو، بخشے گا وہ تمہارے گناہ اور داخل کرے گا تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں اور ستھرے گھروں میں بسنے کے باغوں کے اندر یہ ہے بڑی مراد ملنی، اور ایک اور چیز دے جس کو تم چاہتے ہو مدد اللہ کی طرف سے اور فتح جلدی اور خوشی سنا دے ایمان والوں کو، اے ایمان والو! تم ہو جاؤ مددگار اللہ کے جیسے کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اپنے یاروں کو کون ہے کہ مدد کرے میری اللہ کی راہ میں، بولے یار ہم ہیں مددگار اللہ کے پھر ایمان لایا ایک فرقہ بنی اسرائیل سے اور منکر ہوا ایک فرقہ پھر قوت دی ہم نے ان کو جو ایمان لائے تھے ان کے دشمنوں پر پھر ہو رہے غالب۔

معارف و مسائل

تومنون باللہ و رسولہ و تجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم ۔ اس آیت میں ایمان اور مجاہدہ بالمال والنفس کو تجارت فرمایا ہے، کیونکہ جس طرح تجارت میں کچھ مال خرچ کرنے اور محنت کرنے کے صلہ میں منافع حاصل

ہوتے ہیں ایمان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جان ومال خرچ کرنے کے بدلہ میں اللہ کی رضااور آخرت کی دائمی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے کہ جس نے یہ تجارت اختیار کی اللہ تعالی اس کے گناہ معاف کردے گا، اور جنت میں اس کو پاکیزہ و بہترین مساکن و مکانات عطا فرمادے گا، جن میں ہر طرح کے آرام وعیش کے سامان ہونگے جیساکہ حدیث میں مساکن طیبہ کی تفسیر میں اس کا بیان آیا ہے، آگے آخرت کی نعمتوں کے ساتھ کچھ دنیا کی نعمتوں کا بھی وعدہ فرماتے ہیں۔

و اخریٰ تحبونها نصر من الله و فتح قریب لفظ اخری نعمت کی صفت ہے معنی یہ ہیں کہ آخرت کی نعمتیں اور جنت کے مکانات تو ملیں گے، ہی جیساکہ وعدہ کیا گیا ہے، ایک نعمت نقد دنیا میں بھی ملنے والی ہے وہ ہے اللہ کی مدد اور اس کے ذریعہ فتح و قریب یعنی دشمنوں کے ممالک کا فتح ہونا، یہاں قریب اگر بمقابلہ آخرت کے لیا جائے تو بعد میں آنے والی اسلامی فتوحات عرب و عجم کی سب اس میں داخل ہیں اور قریب عرفی مراد لیا جائے تو اس کا پہلا مصداق فتح خیبر ہے، اور اس کے بعد فتح مکہ مکرمہ ہے، اور اس فتح قریب کے متعلق تحبونها فرمایا یعنی یہ نقد نعمت تمہاری پسندیدہ اور محبوب ہے، کیونکہ انسان فطری طور پر عجلت پسند واقع ہوا ہے، قرآن کریم میں ہے **وکان الانسان عجولا** یعنی ہے انسان جلدباز" اس کا یہ مفہوم نہیں کہ آخرت کی نعمتیں ان کو محبوب نہ تھیں' بلکہ مطلب یہ ہے کہ آخرت کی نعمتوں کی طلب و محبت تو ظاہر ہی ہے، مگر طبعی طور پر کچھ نقد نعمت دنیا میں بھی تمہیں مطلوب و محبوب ہے، وہ بھی عطا کی جائے گی۔

کما قال عیسی بن مریم للحواریین من انصاری الی الله۔ حوارین حواری کی جمع ہے جس کے معنی مخلص دوست کے ہیں جو ہر عیب سے پاک وصاف ہو (روح از ازہری) اسی لئے جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ان کو حواری کہا جاتا ہے، اور وہ بارہ آدمی تھے جیساکہ سورہ آل عمران میں گذر چکا ہے، اس آیت میں

زمانہ عیسیٰ علیہ السلام کے ایک واقعہ کا ذکر کر کے مسلمانوں کو اس کی ترغیب دی گئی ہے، کہ اللہ تعالی کے دین کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام جب دشمنوں سے تنگ آئے تو لوگوں سے کہا من انصاری الی اللہ، یعنی اللہ کے دین کی اشاعت میں کون میرا مددگار ہوتا ہے جس پر بارہ آدمیوں نے وفاداری کا عہد کیا اور پھر دین عیسوی کی اشاعت میں خدمات انجام دیں تو مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اللہ کے دین کے انصار و مددگار بنیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم کی تعمیل ایسی کی کہ پچھلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور دین کی خاطر سب عرب و عجم سے دشمنی خریدی، ان کی ایذائیں سہی، اپنی جان و مال اور اولاد کو اس پر قربان کیا، اور بالاخر اللہ تعالی نے اپنی فتح و نصرت سے نوازا، اور سب دشمنوں پر ان کو غالب فرمایا ان کے ممالک ان کے ہاتھ آئے اور دنیا کی فرمانروائی بھی ان کو نصیب ہوئی۔

- فامنت طائفة من بنی اسرائیل و کفرت طائفة فایدنا الذین امنوا علی عدوھم فاصبحوا ظاھرین.

عیسائیوں کے تین فرقے:

بغوی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عیسی علیہ السلام کو آسمان میں اٹھالیا تو عیسائیوں میں تین فرقے ہوگئے، ایک فرقہ نے کہا کہ وہ خود خدا ہی تھے آسمان میں چلے گئے، دوسرے فرقہ نے کہا کہ وہ خدا تو نہیں بلکہ خدا کے بیٹے تھے اللہ نے ان کو اٹھالیا اور دشمنوں پر فوقیت دے دی، تیسرے فرقہ نے وہ بات کہی جو صحیح اور حق ہے کہ وہ نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، اللہ تعالی نے ان کو دشمنوں سے حفاظت اور رفعت درجہ کے لئے اٹھالیا یہ لوگ صحیح مومن تھے، تینوں فرقوں کے ساتھ کچھ عوام

لگ گئے اور باہمی نزاع بڑھتے باہم قتال کی نوبت آگئی، اتفاق سے دونوں کافر فرقے مومنین پر غالب آگئے یہاں تک کہ اللہ تعالی نے اپنے رسول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جنہوں نے اس مومن فرقہ کی تائید کی اس طرح انجام کار وہ مومن فرقہ بحیثیت حجت ودلیل کے غالب آگیا (مظہری)

اس تفسیر کے مطابق الذین آمنوا سے مومنین امت عیسی علیہ السلام ہی مراد ہوں گے جو حضرت خاتم الانبیأ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و حمایت سے مظفر و منصور ہوں گے) (مظہری) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ رفع عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں میں دو فرقے ہوگئے، ایک عیسیٰ علیہ السلام کو خدایا خدا کا بیٹا قرار دے کر مشرک ہوگیا، دوسرا صحیح دین پر قائم رہا جو ان کو اللہ کا بندہ اور رسول کہنے کا قائل تھا، پھر ان مشرکین و مومنین میں باہم جنگ ہوئی، تو اللہ تعالی نے مومنین امت عیسیٰ علیہ السلام کو اس امت کے کافروں پر غالب کردیا، مگر مشہور یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب میں جہاد و قتال کا حکم نہیں تھا اس لئے مومنین کا قتال کرنا بعید معلوم ہوتا ہے (روح المعانی) مگر اوپر خلاصہ تفسیر میں اس کے جواب میں اشارہ کردیا گیا ہے کہ اس کا امکان ہے کہ جنگ کی ابتداء کفار نصاری کی طرف سے ہوئی ہو اور مومنین مدافعت پر مجبور ہوگئے ہوں، تو یہ جہاد و قتال کے حکم میں نہیں آتا، واللہ اعلم۔

ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم۔ اللھم وفقنی لتکمیلہ کما تحب ترضیٰ والطف بنا فی تیسیر کل عسیر فان تیسیر کل عسیر علیك یسیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلاصۃ التفسیر القرآن

جلد ۱۰

الجہاد الاسلامیہ

استاذ التفسیر مفتی حمید الرحمن عباسی مدظلہ العالی

مدرسہ قاسم العلوم
شیرانوالہ دروازہ لاہور

مکتبۃ الحسن
33۔ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور